إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ

تاریخ القرآن

تالیف

علامہ عبداللطیف رحمانی رحمۃ اللہ علیہ

پروگریسو بکس

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ

تالیف

علامہ عبداللطیف رحمانی رحمۃ اللہ علیہ

پروگریسو بکس

۴۰۔بی اردو بازار ○ لاہور

۱۴۰۳ھ ۱۹۸۳ء

کتاب کا نام: تاریخ القرآن
صفحات: ۱۴۴
مصنف: علامہ مفتی عبداللطیف رحمانی

طابع: افتخار افضال پرنٹرز لاہور
ناشر: پروگریسو بکس۔ لاہور

تعداد: ایک ہزار
قیمت: [illegible]

فہرست مضامین تاریخ القرآن

لَكَ الْحَمْدُ يَامَنْ فَضْلُهُ مُتَوَاتِرُ

وَيَامَنْ لَهُ جُوْدٌ عَمِيْمٌ وَغَامِرُ

لَكَ الْحَمْدُ مِنِّىْ فَاقْبَلِ الْحَمْدَ اِنَّنِىْ

لِجُوْدِكَ وَالْاِحْسَانِ وَالْفَضْلِ شَاكِرُ

مقدمہ

تاریخ القرآن

پیش لفظ[1]

علامہ مفتی عبداللطیف رحمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

ولادت : سنہ ۱۲۸۸ھ (سنہ ۱۸۷۱ء) میں ہوئی۔ تاریخی نام محمد منظور

وفات : عصر کے بعد، جمعرات کے دن، ۹ ماہ جمادی الآخرہ سنہ ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۰ دسمبر سنہ ۱۹۵۹ء علی گڑھ میں ہوئی۔ تمنّا نے کہا ہے ؎

پرسید چوں تمنّا ہاتف برائے سالش　　گفتا۔ مقیم جنّت عبداللطیف مفتی

۵۳۰ + ۲۰۶ + ۴۵۳ + ۱۹۰ = ۱۳۷۹

تمنّا نے عبداللطیف میں لام کو مشدد رکھ کر ایک لام محسوب کیا ہے۔

آپ کا مولد اور وطن افضل گڑھ ضلع بجنور ہے۔ چونکہ ایک مدت اپنے والد محترم کے ساتھ سنبھل میں رہے، اس وجہ سے سنبھلی سے بھی شہرت ہوئی۔

آپ نے مولانا احمد حسن کانپوری اور مولانا لطف اللہ علی گڑھی سے علوم و فنون کی کتابیں پڑھیں مؤخرالذکر کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ تعلیم اور تفہیم میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ حدیث شریف اور فقہ میں قوی الاستعداد تھے۔

مولانا لطف اللہ علی گڑھی سے پڑھنے کے بعد کعبۃ الآمال مولانا فضل رحمان گنج مرادآبادی کے آستانۂ عالیہ پر حاضر ہوئے اور طریقۂ عالیہ نقشبندیہ، مجددیہ، زبیریہ میں بیعت ہوئے اور حضرت مولانا سے حدیث مسلسل بالاوّلیّۃ حدیث الرحمۃ سُنی اور حدیث شریف کی اجازتِ عامّہ حاصل کی حضرت مولانا کو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث سے اجازت تھی۔ اِس بیعت اور مبارک استماع و اجازت کی برکت سے آپ پر فتح باب ہوا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو روشن ضمیر اور صاحبِ بصیرت کیا۔ روایت کے ساتھ جب درایت کا بھی انضمام ہو جاتا ہے، علم کی شان کچھ اور ہی ہوتی ہے۔

---

[1] اِس پیش لفظ کے مراجع درج ذیل ہیں۔
(۱) انوار الباری شرح اردو صحیح البخاری جلد اول قسط سوم صفحہ ۲۰۲ (۲) نزہۃ الخواطر جلد ۸ صفحہ ۲۹۳ (۳) حیات جلیل صفحہ ۱۴۲ (۴) سیرت مولانا سید محمد علی مونگیری صفحہ ۲۰۲ (۵) حیاتِ سلیمان صفحہ ۱۳۱ (۶) حیاتِ شبلی صفحہ ۲۱۸ (۷) صدر یار جنگ صفحہ ۳۶ صفحہ ۲۶ و صفحہ ۲۷۲ (۸) تذکرہ قاریانِ ہند جلد ۲ صفحہ ۶۳ (۹) کتاب تاریخ القرآن از عبدالصمد صارم (۱۰) مجلہ معارف جلد ۹ (۱۱) حضرت مفتی کی نواسی ڈاکٹر سیدہ روفنہ کا رقعہ (۱۲) اس عاجز کی بیاض۔

مجھ سے حضرت مفتی صاحب کی ملاقات خانقاہ شریف (درگاہ حضرت شاہ ابوالخیر) میں ہوئی۔ آپ نے فرمایا حضرت مولانا لطف اللہ کے بیشتر تلامیذ علم سے فارغ ہوکر، گنج مرادآباد جاکر حضرت مولانا فضل رحمان سے بیعت ہوا کرتے تھے، چنانچہ میں بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، بیعت ہوا، حدیث مسلسل بالاولیہ حدیث رحمت سُنی اور اجازتِ عامہ حاصل کی، پھر آپ نے حدیثِ رحمت مجھ کو سُنائی اور اجازتِ عامہ سے سرفراز فرمایا۔

مسلسلات اگرچہ بہت ہیں لیکن حضرات ائمہ ابتدا حدیثِ رحمت ہی سے کرتے ہیں تاکہ اللہ کی رحمت شامل حال رہے۔

حضرت گنج مرادآبادی کی رحلت کے بعد مفتی صاحب مولانا سید محمد علی مونگیری کی صحبت سے کافی عرصے مستفید ہوئے اور ۱۳۲۴ھ میں آپ ہی کے ساتھ حج کے واسطے روانہ ہوئے اور پھر مکہ مکرمہ میں آپ کے اشارے اور مدرسۂ صولتیہ کے مہتمم کے اصرار پر دو سال تک مدرسہ میں درس دیا۔

ابتدا میں آپ نے مئو ضلع رائے بریلی میں پڑھایا۔ پھر آپ ندوہ کے مفتی مقرر ہوئے اور جب ندوہ نے اپنا دارالعلوم کھولا، ماہ شوال ۱۳۱۶ھ (فروری ۱۸۹۹ء) میں وہاں کے صدر مدرس مقرر ہوئے۔ اور حجاز سے واپسی پر خانقاہ رحمانیہ واقع مونگیر میں قیام کرکے تالیف و تصنیف میں مشغول ہوئے۔ حضرت امام اعظم کے حالات میں "تذکرۂ اعظم" تالیف کیا، اس کا تاریخی نام "شواہدِ اعظم" ہے۔ ۲۱۶ + ۱۱۱۱ = ۱۳۲۷ یہ رسالہ ۱۳۳۲ھ (۱۹۱۴ء) میں چھپا ہے۔ پھر آپ نے کتاب "تاریخ القرآن" تالیف کی۔ عبدالصمد صارم نے اپنی کتاب "تاریخ قرآن" میں لکھا ہے کہ حضرت مفتی عبداللطیف کی کتاب ۱۹۱۹ء میں چھپی ہے یعنی ۱۳۳۷ھ میں۔ یہ دونوں کتابیں اگرچہ مختصر ہیں لیکن کام کی باتوں سے پُر ہیں۔

۱۳۳۵ھ (۱۹۱۷ء) میں آپ کا تقرر دولتِ آصفیہ کی عثمانیہ یونیورسٹی میں ہوا۔ مجلۂ معارف کی جلد آٹھ شمارہ چھ میں کتاب "صرفِ لطیف" اور "نحوِ لطیف" کا تذکرہ ہے۔ معارف کا یہ شمارہ ۱۳۴۰ھ (۱۹۲۱ء) کا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے یہ دو رسالے یونیورسٹی کے طالبانِ علم کے حسبِ احوال تحریر فرمائے ہیں۔

صفر ۱۳۴۲ھ (ستمبر ۱۹۲۳ء) میں استاذی مولانا محمد عمر رحمہ اللہ کی بیاض سے مفتی صاحب کا تصنیف کردہ انیس صفحات کا مبادی علم منطق کا رسالہ نقل کیا۔ یہ رسالہ حضرت استادی نے مئو میں اپنی بیاض پر نقل فرمایا تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دوسرے علوم میں بھی آپ نے مختصر رسائل لکھے ہوں گے۔

اِن رسائل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے پیشِ نظر یسّروا ولا تعسّروا کا ارشاد مبارک تھا آپ نے یونیورسٹی کے طالبانِ علم کے لئے شافیہ کافیہ کو غیر لائق سمجھتے ہوئے "صرفِ لطیف" اور "نحوِ لطیف"

تالیف فرمائی۔

حیدرآباد کے دورانِ قیام میں آپ نے جامع ترمذی کی شرح "الشرح اللطیف" کے نام سے اور تراجم صحیح بخاری کی شرح "لطف الباری" کے نام سے لکھی ہے، یہ دونوں کتابیں مکمل ہو چکی ہیں اور ان کے مخطوطے محفوظ ہیں۔

آپ کی وفات سے غالباً دو سال پہلے علی گڑھ جا کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ آپ بزرگانہ شفقت سے پیش آئے اور الشرح اللطیف کی ایک جلد مطالعہ کے واسطے عنایت کی۔ تقریباً پون گھنٹہ اس کے مطالعہ میں مصروف رہا، افسوس یہ ہے کہ اس کے متعلق یادداشت نہیں لکھی البتہ اتنا یاد ہے کہ شرح مختصر ہے اور بہت مفید، اگر یہ کتاب چھپ جائے اہلِ علم میں ہندوستان کے علماء کی منزلت میں اضافہ ہو۔

اس کتاب کے سلسلہ میں علامہ سید احمد رضا بجنوری حفظہ اللہ وابقاہ کی ایک تعلیق نظر پڑی ہے اس کو نقل کرتا ہوں، تحریر فرمایا ہے:۔

مخدوم ومحترم حضرت مولانا مفتی محمد فضل اللہ صاحب (محشی الأدب المفرد للبخاری) نے نہایت عظیم الشان اعانت یہ فرمائی کہ حضرت المحدث العلام مولانا مفتی عبداللطیف رحمانی صاحب (مصنف تذکرۂ اعظم وغیرہ) کی شرح ترمذی شریف قلمی استفادہ کے لئے عنایت فرمائی۔ حضرت مفتی صاحب نے ترمذی شریف پر نہایت جامع ومختصر تعلیقات محدثانہ ومحققانہ طرز سے تحریر فرمادی ہیں، جو درس ترمذی شریف کے لئے نہایت مفید ہیں، دارالعلوم دیوبند جیسے علمی اداروں کا فرض ہے کہ ایسی گرانقدر تصانیف کی اشاعت کریں۔ بہرحال میں حضرت مولانا دام فضلہم کی عنایت والطاف کا بہت ممنون ہوں[1]

آپ کی علمی چار کتابیں ہیں، ان میں سے دو چھپی ہیں اور وہ بھی ناپید، نہ تذکرۂ اعظم دستیاب ہے نہ تاریخ القرآن، اتفاق سے اس کا تذکرہ رفیقِ محترم حافظ جمیل الرحمٰن خاں[2] سے کیا۔ آپ کو قرآن حکیم کے تراجم اور مطالب سے شغف ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادر کا اردو ترجمہ اور حضرت مولانا فضل رحمان گنج مرادآبادی کا ہندی ترجمہ اکثر وبیشتر مطالعہ کرتے رہتے ہیں۔ آپ نے بیان کیا "تاریخ القرآن" کہیں دستیاب نہیں ہوتی البتہ ہارڈنگ لائبریری اور آزاد بھون انڈین کونسل فار کلچرل ریلیشن لائبریری میں موجود ہے، اور میں نے وہاں بیٹھ کر اس کتاب کو نقل کیا ہے۔ اور آپ نے اپنا تحریر کردہ نسخہ مجھ کو مطالعہ کے واسطے دیا۔ آپ نے یہ بھی بتایا کہ صفحہ ایک سو دس، گیارہ اور بارہ میں عربی

---

[1] انوار الباری شرح اردو صحیح البخاری جلد اول، قسط سوم ص۱۰۱

[2] آپ کلاں مسجد کے پاس گلی مولوی قطب الدین کے رہنے والے ہیں اور اب دو چار سال سے پہاڑی بھوجلہ پر قیام ہے۔

عبارت کے ترجمہ کی جگہ خالی تھی۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے ترجمہ کی خالی جگہ اور حاشیہ پر اس کتاب کے متعلق اپنی رائے لکھی ہے اور میں نے آپ کی رائے نقل کرلی ہے۔

علماءِ اعلام نے فرمایا ہے: "فِعْلُ الْحَكِيْمِ لَا يَخْلُوْ عَنِ الْحِكْمَةِ" حکیم کا کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اللہ رب العزت حکیمِ مطلق ہے۔ اس کے ہر کام میں حکمت اور مصلحت ہے۔ تاریخ القرآن کا نسخہ بہت تلاش کرایا۔ نہ صرف دہلی میں بلکہ دوسرے شہروں میں بھی کہیں دستیاب نہ ہوا اور نہ کسی سے مستعار ملا۔ حافظ جمیل الرحمٰن کا قلمی نسخہ ملا اور اس میں مولانا آزاد کی رائے ملی۔

حافظ جمیل الرحمٰن نے یہ بھی بیان کیا کہ مولانا آزاد نے کتابوں پر دلچسپ انداز سے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ ایک مستشرق کی کتاب پر لکھا ہے:۔

"برسوں کی جمی ہوئی اس کے دل کی سیاہی اس کے قلم کی لغزش سے ٹپکی اور بری طرح ٹپکی"

اور ایک کتاب پر تحریر کیا ہے:۔

"مولوی صاحب کا دماغ تو کچھ مہذب معلوم ہوتا ہے لیکن دل تو بڑا گنوار ہے"

مولانا آزاد کی یہ آراء جو انھوں نے اپنی خصوصی کتابوں پر لکھی ہیں اُن کے ضمیر کی آواز ہے جو ہر قسم کے اغراض سے پاک ہے۔ اب میں مولانا کی وہ تحریر لکھ رہا ہوں جو آپ نے حضرت مفتی کی کتاب تاریخ القرآن کے صفحات ایک سو دس گیارہ اور بارہ پر تحریر کی ہے۔ ناظرین ملاحظہ فرمائیں۔ اس تحریر سے صاف طور پر نمایاں ہے کہ مولانا نے دقیق نظر سے اس کتاب کا مطالعہ کیا ہے اور جناب مؤلف نے جو اہم عنوانات منتخب کیے ہیں جیسے:

(۱) قرآن کے تحفظ کا ثبوت مسلمانوں کی عملی زندگی ہے (۲) قرآن کے بارے میں آنحضرت کی ترغیبات۔
(۳) کتاب کے محفوظ رکھنے کے چار اسباب (۴) عہدِ نبوی میں سینتیس حافظ تھے (۵) ابوموسیٰ کی فوج میں تین سو حافظ۔ (۶) قرار سبعہ نے قرآن یاد کرکے حضور کو سنایا (۷) پورا قرآن لکھ کر حضور کو سنایا گیا۔
(۸) حضور نے قرآن کے آخری دَورختم بموجودگی زید اور عبداللہ بن مسعود کیا تھا (۹) زید نے اپنا لکھا ہوا قرآن اسی آخری ختم کے وقت سنایا تھا (۱۰) موجودہ قرآن اسی آخری ختم کی ترتیب ہے۔
(۱۱) ان روایتوں کی تنقیح جن سے شبہ کا موقع ملتا ہے۔

جناب مولانا نے ان عنوانات پر حضرت مؤلف کی بحث کو دقیق نظر سے پڑھا اور انکی ژرف نگاہی کے قائل ہوئے۔ جناب مولف نے ان حقائق کو سامنے رکھا ہے جو قطعی اور یقینی ہیں اور اُن تمام شکوک و شبہات کا ازالہ کردیا ہے جو بعض اخبار آحاد کی وجہ سے وارد ہو رہے تھے، اللہ تعالیٰ آپ کو اجرِ عظیم عنایت کرے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

ابوالحسن زید فاروقی

جمعہ ۲۶ رجب ۱۴۰۲ھ / ۲۱ مئی ۱۹۸۲ء — درگاہ حضرت شاہ ابوالخیر، شاہ ابوالخیر مارگ، دہلی ۶

مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ کی تحریر[1]

"محترم مصنف کو اسلامی علوم پر ایسا عبور ہے کہ عالمِ اسلام کے علماءِ جدید بھی شاید نہ سمجھتے ہوں۔ اس رسالہ میں انھوں نے قرآنِ عزیز کی تاریخی بحث علمی عدالتِ عالیہ میں اِس انداز سے اُٹھائی ہے جس طرح ایک باصلاحیت وکیل مخالف فریق کے ناپاک ارادوں پر وار کرے اور اس کے پُرفریب تخیل کے ہر پیچیدہ موڑ پر سخت گرفت کرے اور اپنے مقدمہ کی تکمیل میں کوئی کسر نہ چھوڑے۔

اشتباہ رکھتی روایات کے پسِ پردہ جو پس منظر ہے مصنف کی اس پر گہری نظر ہے۔ اس بحث کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ مصنف کا دماغ علم ودانش کا مخزن ہے۔ کتاب کے اندازِ نگارش سے یہ نکتہ بھی صاف صاف نمایاں ہے کہ وہ مہینوں لگاتار اس عنوان پر عمیق مطالعہ کے ساتھ ساتھ مطالعہ کرتے رہے ہیں۔ اس تمام عرصہ میں اُن کی زندگی کی کوئی صبح یا شام ایسی نہیں گزری ہوگی جس پر اُنھوں نے اس مسئلہ کی مثبت اور منفی پہلو پر فہم وتدبر کے ساتھ نہ سوچا ہو۔ اُن کے قلم سے کاغذ پر سیاہی نہیں گرتی جو پھیلے اور بڑی جگہ گھیرلے اور ذوقِ سلیم پر گرانی کا باعث بنے۔ یہاں اُن کے قلم کی نوک احتیاط کا دامن تھام کر احتیاط سے صحیح صحیح واقعہ نگاری کرتی ہے۔ کیونکہ مصنف نے عنوانات اہم مقرر کئے ہیں جن سے یہ امر بخوبی روشن ہوگیا ہے کہ وہ روشن دماغ ہی نہیں روشن ضمیر بھی ہیں لہٰذا ضرب وہیں لگاتے ہیں جہاں نشیب ہے۔

بہرحال اس رسالہ میں جو حوالجات ہیں وہ سب مستند کتابوں کے ہیں۔ ہر موضوع کے تحت کارآمد گُر اختصار کے ساتھ تقریباً سبھی سمیٹ لئے ہیں اور کوئی بات غیر ضروری نہیں۔ ایک ایک سطر شہادت دے رہی ہے کہ جو کچھ پیش کیا گیا ہے ایماندارانہ طور پر پیش کیا گیا ہے۔"

---

[1] دہلی مولانا آزاد بھون میں واقع لائبریری میں کتاب کا نمبر یہ ہے۔ اکسیشن نمبر ایل ۶۵۰، کال نمبر ۲۹۷ - ۱۲۰۹ اے بی ڈی ملاحظہ کریں صفحہ ۱۱۱ سے ۱۱۲ تک

تاریخ القرآن

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

تمہید

قرآن کی تدوین اور ترتیب کے متعلق قدما کی کوئی تصنیف میری نظر سے نہیں گذری۔ البتہ بعد کے حضرات نے اس کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اُن تحریروں کو میں نے بغور دیکھا لیکن ان سے اُن شکوک اور خیالات کا ازالہ نہیں ہوتا جن کے ازالہ کے لئے یہ تکلیف اُٹھائی گئی۔ ممکن ہو کہ پہلے حضرات نے یا بعد میں کسی نے کوئی ایسی تحریر لکھی ہو جو تشفی بخش ہو اور جس سے اُن تمام شبہات کا ازالہ ہو جاتا ہو جو بعض احادیثِ صحیحہ کی بنا پر خود بخود پیدا ہوتے ہیں یا اُن کا پیدا ہونا لازمی ہے یا مخالفین اُن کو پیش کرتے ہیں مگر چونکہ ایسی کوئی تحریر میری نظر سے نہیں گزری اِس لئے مجھے اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ قرآن کے متعلق واقعات کو ظاہر کروں۔ جو احادیث اور آثار قرآن کی تالیف وغیرہ کے متعلق ہیں اُن سے جو خیالات اور شبہات پیدا ہوتے ہیں وہ یہ ہیں :-

(۱) قرآن آنحضرت کی زندگی میں یکجا لکھا ہوا نہیں تھا۔ آپ کے بعد خلیفۂ اول نے ایک جا کر دیا۔
(۲) انجیل اور قرآن دونوں اس امر میں یکساں ہیں کہ آنحضرت اور حضرت مسیحؑ کے بعد کے لوگوں نے انھیں مرتب اور جمع کیا۔
(۳) دو چار صحابہ کے سوا کوئی پورے قرآن کا حافظ حضرت کی زندگی میں نہیں تھا۔
(۴) قرآن کا بہت بڑا حصہ تلف ہو گیا یا کر دیا گیا کیونکہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا اور قرآنِ موجودہ میں ایک ہی حرف ہے۔
(۵) قرآن کی بعض سورتیں بہت بڑی تھیں لیکن وہ مختصر کر دی گئیں۔
(۶) بعض سورتیں قرآن سے نکال دی گئیں۔
(۷) قرآن جس طریقہ سے جمع کیا گیا اُس میں بہت زیادہ یہ خیال ہو سکتا ہے کہ قرآن کا کوئی حصہ

لکھنے سے رہ گیا ہو چنانچہ خلیفہ اوّل کے عہد میں بعض آیتیں لکھنے سے رہ گئی تھیں پھر خلیفہ سوم کے وقت میں لکھی گئیں۔

(۸) قرآن کے آخر کی دو سورتیں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے نزدیک قرآن میں داخل نہیں لہٰذا اُن کا قرآن سے ہونا یقینی نہیں۔

(۹) قرآن کی یہ موجودہ ترتیب ایسی نہیں جس پر تمام کا اتفاق ہو کیونکہ حضرت ابی ابن کعب حضرت علی اور حضرت ابن سعد (رضی اللہ عنہم) وغیرہ کے قرآن کی ترتیب اس کے خلاف تھی۔

اِن شبہات کے اُٹھانے کے لئے اس وقت تک جو کتابیں شائع ہوئی ہیں ان تمام میں اِس امر کے ثابت کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ قرآن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں مرتّب لکھا گیا تھا اور اُس وقت بہت سے ایسے لوگ موجود تھے جن کو پورا قرآن یاد تھا۔

غالباً اِن حضرات کے خیال میں ان شبہات کے اُٹھانے کی صرف ایک یہی صورت تھی اور بغیر اس کے ان شبہات کا اُٹھانا ممکن نہیں تھا لیکن یہ خیال کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر ہمارے پاس ایسی شہادتیں بھی موجود ہوں جس سے پورے قرآن کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں لکھا جانا معلوم ہو یا دو چار کے سِوا بہت سے حفاظ قرآن کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں موجود ہونا ظاہر ہوتا ہو۔ اور اسی کے ساتھ تمام وہ شہادتیں جن کی وجہ سے یہ شبہات ہوتے ہیں معتبر گواہوں کی ہوں تو ایسی حالت میں بھی قرآن میں اِس قسم کے شبہات کی گنجائش ناممکن ہے۔

یہاں اِس بات کا معلوم کرلینا ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جن حضرات نے خود جن باتوں کو بلا واسطہ سُنا ہے یا آپ کو کرتے ہوئے دیکھا ہے اُن حضرات کے نزدیک اِن امور کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا یقینی ہے جس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ یہ حضرات اِن باتوں سے اگر کسی ایک امر کا بھی انکار کریں گے تو اُن کا یہ انکار اُن کو حدودِ اسلام سے باہر کردے گا۔ البتہ جو حضرات اس شرف سے محروم ہیں ان کے لئے ثبوت کی تین صورتیں ہیں :

(۱) تواتر۔ اِس قدر گواہوں کے بیان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کہنا یا کرنا ثابت ہو جس کے بعد کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہ رہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اُس کا ثبوت متیقّن اور قطعی ہوجائے۔

(۲) آحاد۔ اس قدر گواہ نہ ہوں بلکہ دو ایک گواہوں سے ثابت ہو اور ظاہر ہے کہ ایسے اُمور یقینی اور قطعی الثبوت نہیں ہوسکتے بلکہ اس میں شک و شبہ کا موقع ہوسکتا ہے۔

(۳) توارث و تعامل عامہ۔ یعنی وہ فعل و قول اس قسم کا ہو جس پر ہم نے تمام اپنے بڑوں کو

عمل کرتے ہوئے یا کہتے ہوئے بلا کسی اختلاف کے دیکھا یا سُنا ہو اور اسی طرح سے اُن حضرات نے اپنے پہلوں کو دیکھا ہو یا سُنا ہو یہاں تک کہ یہ سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو۔ جو اُمور اس طریقہ سے ثابت ہیں وہ اُمور بھی اوّل ہی کی طرح قطعی اور یقینی ہیں۔

اسلام میں اس طریقہ سے بہت سے اُمور ثابت ہیں۔ مثلاً پانچ وقت کی نماز۔ نمازوں میں رکعت کی تعداد۔ ارکانِ حج۔ زکوٰۃ کے ارکان و شرائط وغیرہ وغیرہ۔ اِن چیزوں کا ثبوت گو احادیث سے بھی ہے لیکن ان احادیث پر ان کا ثبوت موقوف نہیں۔ اگر یہ احادیث نہ ہوتیں تب بھی اُن کے ثبوت میں کوئی فرق نہ آتا۔ ہمارے اِس بیان سے یہ ثابت ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو امر پہلے اور دوسرے طریقوں میں سے ایک طریقہ سے بھی ثابت ہو وہ قطعی اور یقینی ہے۔ تمام مسلمان بلا امتیاز اور استثناء اِس امر پر متفق ہیں کہ قرآن کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک متواتر ہے۔ مسلمانوں میں جس قدر بھی فرقے ہیں اُن میں سے ایک کو بھی اس سے انکار نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کا یہ مسلّمہ عقیدہ ہے اسی کے ساتھ حقیقتِ واقعہ بھی اسی طرح سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک قرآن کا سلسلہ متواتر ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر اِس وقت تک ہر عہد میں قرآن کے آنحضرت سے راوی اور بیان کرنے والے اِس قدر رہے ہیں جن کی وجہ سے اس کی صداقت پر ہر انسان مجبور ہو جاتا ہے اور اس امر کے باور کرنے کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں کہ یقینی بلا کمی اور بیشی کے یہ وہی کتاب ہے جس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب الٰہی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ یہاں تک کہ قرآن کا یہ تواتر اُس کا طرۂ امتیاز اور خاصّہ اور لازمہ ہو گیا۔ اِسی لئے قرآن کی معرفت کی تقریب میں یہی وصف بیان کیا جاتا ہے۔ چنانچہ عامّہ علماءِ اسلام قرآن کی تعریف اِس طرح کرتے ہیں وہ کلامِ الٰہی جس کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک متواتر ہو۔ اِس کے سوا قرآن کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے توارث اور تعاملِ عامّہ بھی ہے یعنی ہر عہد والوں نے اپنے قبل کے عہد والوں کو اسی قرآن کو پڑھتے ہوئے سُنا یہاں تک کہ سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو جاتا ہے۔ جس حالت میں کہ اس قرآن میں تواترِ توارث اور تعامل عامہ دونوں ہیں تو پھر اس قرآن کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک سند اور اس قرآن کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثبوت ان دو چیزوں سے زیادہ یقینی اور قطعی ہے جو محض متواتر ہیں یا محض متوارث ہیں۔

اِس موقع پر اس امر کا بیان بھی ضروری خیال کرتے ہیں کہ واقعات کی دو قسمیں ہیں۔ عمومی اور خصوصی۔

واقعات عمومی وہ ہیں جن کا ظہور منظرِ عام پر اِس طرح سے نمایاں ہو کہ اس کا علم بلا کسی

رکاوٹ کے ہر شخص کو ممکن ہو۔ جس طرح شاہراہ کے چوراہے پر جبکہ وہاں مجمع کثیر ہو کسی کے قتل کا وقوع یا مسجد جامع میں کسی واعظ کا بیان اِس قسم کے واقعات کا ثبوت ایک دو کے بیانات سے نہیں ہو سکتا تا وقتیکہ ایک جماعتِ کثیر اس کی شہادت نہ دے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر مطلع پاک و صاف ہو تو اس حالت میں ایک دو کی شہادت چاند کے متعلق ناکافی ہوتی ہے۔

واقعاتِ خصوصی وہ ہیں جو منظرِ عام پر اس طرح نمایاں نہ ہوں۔ اِس قسم کے واقعات کے ثبوت میں دو کی شہادت بھی کافی ہے۔

قرآن کی تبلیغ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام طور سے کی ہے اور خدا کی طرف سے آپ اسی کے لئے مامور بھی تھے۔ آپ قرآن اہلِ اسلام اور کفار تمام کے مجمع میں بلا تکلف سناتے اور اس کی تعلیم دیتے اِس لئے قرآن واقعاتِ عمومی سے ہے اور اسی وجہ سے اہلِ اسلام کے یہاں اس کے ثبوت میں جماعتِ کثیرہ کی شہادت ضروری ہے ایک دو شہادت کا اعتبار نہیں۔ اگر کسی آیت یا سورہ کے قرآن ہونے پر ایک دو شہادتیں ہوں تو ان شہادتوں کی وجہ سے یہ آیت یا سورۃ قرآنی نہیں ہوگی۔

واقعات کی جانچ پڑتال کے تنقیدی اصول

علماءِ اسلام نے واقعات کی تنقید کے لئے چند اصول مقرر کئے ہیں۔ اُن کے یہ بھی اصول ہیں:

(۱) جن واقعات کا ثبوت تواتر یا توارث عامہ سے ہو اُن کے خلاف میں ایک دو شہادتیں ہرگز قابلِ وثوق نہیں بلکہ اس قسم کی شہادتیں خود اپنی کمزوری کا ثبوت دیتی ہیں۔

(۲) واقعاتِ عامّہ کے ثبوت پر ایک دو شہادت ہوں تو وہ بھی کسی طرح وثوق کے لائق نہیں اور اس قسم کی شہادتیں مشتبہ ہیں۔ یہ تنقیدی اصول اِس قسم کے نہیں ہیں کہ جو اہلِ اسلام ہی سے مخصوص ہوں بلکہ ہر عقلِ سلیم رکھنے والا شخص بھی ان اصول کے ماننے پر فطرتاً مجبور ہے اور انھیں اصول سے ہمیشہ تنقید واقعات میں کام لیا جاتا ہے۔ اب ہم اُن شبہات و شکوک کی جو قرآن پر بعض احادیث اور تاریخی بیانات کی بنا پر کئے جاتے ہیں ان اصول پر تنقید کرتے ہیں۔

ابھی ہم بیان کر چکے ہیں کہ قرآن کا سلسلہ آنحضرت تک متواتر ہے اور نیز توارث عامّہ اور تعامل بھی رکھتا ہے۔

جن احادیث کی بنا پر شبہات کئے جاتے ہیں اگر اُن تمام حدیثوں کو صحت اور قبولیت میں اعلیٰ درجہ کی مان بھی لیا جائے مگر یہ ضرور ہے کہ وہ متواتر نہیں ہیں۔ اِن تنقیدی اصول سے نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ یہ تمام احادیث چونکہ ایک امر متواتر کے خلاف ہیں اس لئے ہرگز اعتماد اور وثوق کے

لائق نہیں بلکہ ان کا امر متواتر کے مخالف ہونا خود ان کی کمزوری اور ضعف کی شہادت ہے۔ اس کے سوا بھی اُن احادیث سے قرآن کی ترتیب اور اس کی کمی بیشی ثابت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ قرآن کے لئے ایک دو شہادت کافی نہیں "تا وقتیکہ تواتر نہ ہو کیونکہ قرآن واقعاتِ عامہ سے ہے اور غالباً نہیں تنقیدی اصول کی بنا پر متقدمین نے ان احادیث کے جواب دینے کی طرف توجہ نہیں فرمائی جن سے قرآن پر شبہات کئے جاتے ہیں۔ یہ امر نہایت واضح ہے کہ اہلِ اسلام نے احادیث اور قرآن موجودہ دونوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لیا اور ان دونوں کا سلسلہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوتا ہے لیکن قرآن کے لینے کے ذریعے جس قدر مضبوط اور مستحکم اور یقینی ہیں احادیث کا وہ درجہ نہیں ہے خواہ وہ حدیث کسی درجہ کی ہو بلکہ اگر زیادہ تنقیح سے کام لیا جائے تو مجھے اس امر کے اقرار میں کچھ بھی باک نہیں کہ احادیثِ متواترہ کا بھی وہ درجہ نہیں جو قرآن کا ہے۔ اب ایسی حالت میں اُن احادیث سے جو قرآن موجودہ کی ترتیب (خواہ وہ آیات کی ہو یا سورتوں کی) اور قرآن کی مقدار اور اس کی تالیف کے مخالف ہیں کوئی اثر نہیں ہو سکتا بلکہ قرآن اپنی قوت اور مضبوطی کی وجہ سے خود ان احادیث ہی کو مجروح اور ضعیف کر دے گا۔ جو حضرات احادیث کی وجہ سے قرآن پر شبہات کر کے اس کی توقیر کو متزلزل کرنا چاہتے ہیں اُن کو یہ یقین کر لینا چاہئیے کہ قرآن کا اسناد اور سلسلہ ایسا نہیں ہے جس میں اس قسم کی احادیث وغیرہ سے شک و شبہ کی گنجائش ہو۔ پس تمام اُن احادیث کا جو قرآن کے مقابل ہیں یہی ایک جواب ہے بلکہ یہی واقعہ ہے اور اس کے بعد کسی مسلم کو اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ اس قسم کی تمام احادیث پر کوئی تنقیدی نظر ڈالی جائے اور فرداً فرداً ہر ایک حدیث کی صحت و سُقم یا اُن کے معنی کا اظہار کیا جائے۔ یا یہ ثابت کیا جائے کہ یہی موجودہ قرآن تمام و کمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں لکھا ہوا موجود تھا اور بہت کثیر تعداد اُن صحابہ کی تھی جن کو پورا قرآن یاد تھا۔ مگر بعض مخالفین ان اصول کو نظر انداز کر کے بعض احادیث کی بِنا پر قرآن کے متعلق شبہات پیدا کرتے ہیں اِس لئے میں نے یہ ایک رسالہ لکھا ہے جس سے دلائل کی روشنی میں ناظرین کو ان حدیثوں کے متعلق تفصیلی کیفیت معلوم ہو جائے گی۔ کہ مخالفین جن حدیثوں کو قرآن شریف کے مقابلہ میں پیش کرتے ہیں کیا وہ قدر و قیمت رکھتی ہیں۔

اِس رسالہ کی سطح قرآن شریف کی تدوین و ترتیب کے ثبوت میں کسی قدر بلند ہے۔ مجملاً اِس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس کتاب میں مخالفین کے جو قوی سے قوی شبہادات ہیں یا ہو سکتے ہیں، سب بیان کر دئے گئے ہیں اور موقع دلائل میں ناجائز حُسنِ ظن اور عصبیت سے دامنِ بحث کو یک قلم بچایا گیا ہے۔ ہر اعتراض کو نہایت بے تعصبی سے صاف لفظوں میں تحریر کر کے اس کا جواب محققانہ

اصول پر اہلِ نقد اور صاحبِ بصیرت کے سامنے پیش کر دیا گیا ہے۔ ہر امر اور ہر خیال کی بنا ایسی قوی دلیلوں پر رہ گئی ہے جو کمزوریوں سے پاک ہے۔ تنقیدِ عبارات اور تنقیحِ خیالات ایسے اصول کے ماتحت کی گئی ہیں جو علمی دنیا کا مسلمہ ہے۔

قرآن کی تدوین اور ترتیب کی بنا پر آغاز رسالہ ہی میں تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ عرب میں کاغذ کا رواج کب سے ہوا اور عہدِ نبوی میں اس کا استعمال ہوتا تھا۔ لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ اور حلقہ بگوشانِ بارگاہِ رسالت میں ایسے خدام تھے۔ مسلمانوں کو لکھنے پڑھنے کی تعلیم دی جاتی تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی تحریر کا کوئی خاص اہتمام کیا تھا یا قرآن کی حفاظت کے لئے کوئی خاص طریقہ آپ نے اختیار فرمایا تھا۔ تاریخی حیثیت اور احادیثِ صحیحہ سے اس طرح ثابت کر دیا گیا ہے جس کو متعصب سے متعصب شخص بھی اگر انصاف کا دل لے کر تحقیق کی نظر سے دیکھے گا تو اس کا تحقیق طلب دل یقین کی روشنی سے منور ہو جائے گا۔ المختصر نہ تو مخالفین کے وہ خیالات اور شبہات جو ترتیب صدیقی رضؓ کے متعلق پیش کرتے ہیں خارِ راہ بن کر ہمارے دامنِ بحث کو اُلجھا سکے۔ نہ وہ توہمات یا وقیع اعتراضات جو ترتیب مصحفِ عثمانی رضؓ کے متعلق مخالفینِ اسلام نہایت اہمیت دے کر پیش کرتے ہیں۔ ناقابلِ عبور دلدل بن کر ہمارے پائے استدلال کے اقدام روک سکے، بلکہ شبہات اور اعتراضات کے جتنے بادل سامنے آتے گئے... دلائل و واقعات اور صحیح تحقیقات کے وزنی جھونکوں سے کائی کی طرح پھٹتے گئے اور یہ اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ ہمارے مخالفین نے آج تک جو کچھ قرآن شریف کے مقابلے میں پیش کیا ہے وہ اس قابل نہیں ہیں کہ دلائل اور تحقیقات کی روشنی میں صحیح ثابت ہو سکیں۔ پس آخر میں ہم اپنے ان احباب کے ہاتھوں میں جو اہلِ نقد اور صاحبِ بصیرت ہیں یہ کہتے ہوئے اس رسالہ کو دیتے ہیں کہ ؎

تو نیز بر سرِ بام آ کہ خوش تماشائے است

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا

مسلمانوں نے اپنی کتاب قرآن پاک کی ایسی حفاظت کی کہ مخالفین کو بھی مجبوراً یہ اقرار کرنا پڑا کہ تمام مذاہب میں اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کا قانون یعنی آسمانی کتاب رسالت مآب کے مبارک عہد سے آج تک بلا کمی بیشی۔ اور ردو بدل سے محفوظ ہے اور آئندہ رہے گا کیوں کہ قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جس کی حفاظت کا خدا تعالیٰ نے وعدہ فرمایا اور ذمہ لیا۔ بجز قرآن کوئی آسمانی کتاب ایسی نہیں جس کی حفاظت کا خدا تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہو۔ اِس وقت یہ کلام پاک جن الفاظ اور ترتیب سے ہمارے سامنے ہے اِسی طرح بعینہٖ رسالت مآب کے مقدس عہد میں تھا۔ جن الفاظ اور ترتیب سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا وہی بدستور اس وقت تک ہیں۔ ہمارے اس بیان کی تصدیق کے لئے اس وقت کے مسلمانوں کی حالت بھی اگرچہ روشن اور کافی شہادت ہے کیونکہ آج تیرہ صدی کے بعد **چودھویں** صدی ہیں جبکہ مسلمانوں میں وہ مذہبی جوش نہیں ہے جو ہر فرقہ میں اپنی پیدائش کے وقت ابتدا میں فطرتی طور سے ہوا ہوا کرتا ہے اور وہ محرک بھی نہیں ہے جو اپنی برقی قوت کی تاثیر سے ان کے دلوں میں اور خیالوں میں مذہبی روح اور حرکت پیدا کرتا ہے لیکن اس پر بھی آج مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ **حفاظ** قرآن اس کثرت سے ہیں کہ لاکھوں سے تجاوز ہو کر کروڑوں تک پہنچے ہیں اور مسلمانوں کی بہت کم ایسی آبادی ہوگی جہاں حفاظ نہ ہوں اور **قرآن** کے نسخوں سے تو شاید ہی کوئی بدنصیب اور منحوس گھر مسلمان کا خالی ہو۔ **قرآن** کا تھوڑا بہت روزانہ پڑھنا اور تلاوت کرنا ہر مسلمان اپنا فرض سمجھتا ہے اور اُن کے مذہب میں یہ داخل ہے کہ وہ روزمرہ کی عبادت میں اُسے پڑھیں اور رمضان میں تو پورا قرآن تراویح میں سننا اور پڑھنا اُن کے مذہب میں داخل ہے اِسی لئے مسلمان اپنے بچوں کو قرآن یاد کراتے ہیں اور یہ بچے کم و بیش اسے تین چار سال میں یاد کر لیتے ہیں۔

اِس میں شک نہیں کہ پیغمبرؐ اسلام اور اُن کے ساتھیوں میں اپنے مذہب کی محبت اور جوش اور اُن کے دل، دماغ، خیال، رگ پٹھوں میں ان کے جدید مذہب کا جو اثر ہوگا وہ اُن کے بعد والوں میں ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اگر تمھارے دل میں اس ہمارے بیان کے باور کرنے میں تاریکی کا کوئی پردہ مانع ہو تو اس کے روشن کرنے کے لئے ہر جدید فرقہ کے اول لوگوں کی حالت کو دیکھو اور تاریخوں میں اس کا مطالعہ کرو۔ اس کے سوا بھی پیغمبر اسلام اور ان کے ساتھیوں کی حالت بھی ہمارے اس بیان کے لئے مضبوط گواہ ہے۔ اب اس وقت کا مذہبی اثر، جوش، ذوق، شوق اور ولولہ اور ابتدائے اسلام کے اثر کو تولو اور اُس کے بعد انصاف سے اپنے دل میں سوچو کہ قرآن کے حفّاظ کی جو تعداد اِس وقت کے مسلمانوں میں ہے اُس وقت مسلمانوں میں اُن کی تعداد کی رُو سے یہ حفّاظ زیادہ ہوں گے یا کم۔ اسی کے ساتھ یہ بھی خیال کرو کہ قرآن تئیس۲۳ سال میں پورا ہوا۔ اُس وقت کے یاد کرنے والوں کو تئیس سال کی مدت تھی اور ان کا حافظہ بھی اور ملکوں کے لوگوں سے فطرتاً قوی تھا۔ جس کی وجہ سے اتنی طویل مدت میں اُنھیں اُس کا یاد کرنا اور لکھنا نہایت آسان تھا۔ بلا قصد بھی اِس قدر مدت میں اُس سرزمین کے لوگوں کو اس کا یاد ہونا ممکن تھا۔ چنانچہ ولیم میور سیرتِ محمدی میں لکھتے ہیں۔ قوّت حافظہ اُن کی انتہائی درجہ پر تھی اور اُس کو وہ لوگ قرآن کی نسبت کمال سرگرمی سے کام میں لاتے تھے۔ اُن کا حافظہ ایسا مضبوط تھا اور اُن کی محنت ایسی قوی تھی کہ جب روایات قدیم اکثر اصحاب پیغمبرؐ کی حیات میں بڑی صحت کے ساتھ تمام وحی کو حفظ پڑھ سکتے تھے (الفرقات صفحہ ۳۹)

اِن واقعات سے اگرچہ یہ بات یقیناً ثابت ہے کہ کتابوں کی حفاظت کے جو ذرائع اور اسباب ہیں یعنی سینہ اور سفینہ، اِن دونوں طریقوں سے پہلوں نے بھی قرآن کی حفاظت کی جب کہ اِس وقت بھی ان دونوں طریقوں سے حفاظت ہے۔ لیکن بعض روایتوں سے چونکہ اُن لوگوں کے اس خیال کی تائید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن پُورا مرتب رسولِ خدا کے مقدس زمانہ میں لکھا ہوا نہ تھا اور صحابہ میں دو چار کے سِوا کوئی پورے قرآن کا حافظ نہ تھا۔ اس لئے میں پہلے یہاں ثابت کروں گا کہ (۱) آپ کے عہد میں پورا قرآن لکھا گیا اور متعدد نسخے لکھے ہوئے تھے۔ (۲) جو ترتیب قرآن کی اِس وقت ہے یہ وہی ہے جو رسولِ خدا نے قائم فرمائی۔ (۳) صحابۂ کرام میں حفّاظِ قرآن بہت تھے۔ (۴) اس کے بعد وہ روایات لکھوں گا جن میں قرآن کے جمع کا ذکر ہے۔ (۵) اور جن روایات میں لوگوں کو شبہ ہوا ہے اُن روایات کی درایت اور روایت اور عادت اور واقعات کی رُو سے بھی ایسی تنقیح اور تحقیق کی جائے گی جس سے ان شبہات کا ازالہ ہو جائے اور اصل امر روشنی میں آجائے۔ اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ قرآنِ مقدس مسلمانوں کا دستور العمل ہے جس کی

طرف ایک فقیر اور ادنیٰ مسلمان کو بھی اسی قدر احتیاج ہے جس قدر کہ امیر اور اعلیٰ کو ہے۔ تمام مسلمان اپنی عبادتوں اور معاملوں اور باہمی میل جول اور اخلاق وسلوک میں یکساں محتاج ہیں اور مسلمان اپنے مذہب کے قائم رکھنے اور مذہبی زندگی کے بسر کرنے میں قرآن ہی کے محتاج ہیں اور قرآن ہی اُن کے مذہب کی رُوح ہے اور یہی اسلام کی صداقت کی اعلیٰ اور کامل دلیل ہے اسی لئے رسولِ خدا نے صرف قرآن ہی سے اشاعتِ اسلام فرمائی۔ یہ وہ بات ہے جس کا ہر مسلمان کو اقرار ہے اور اُن کا مذہب اور مسلمانوں کا طرزِ عمل اس پر گواہ ہے۔ اب اِس احتیاج اور ضرورت کی وجہ سے مسلمانوں پر یہ لازمی تھا کہ وہ قرآن کی پوری حفاظت کریں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ کسی کتاب کی حفاظت کا ذریعہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ نہایت اہتمام سے اور کمالِ صحت سے لکھا کر محفوظ رکھی جائے۔ یہ ذریعہ ایسا نہیں جس کو ہر ایک نہ سمجھتا ہو۔ اب جب یہ معلوم ہو گیا کہ قرآن کی حفاظت کی مسلمانوں کو بے انتہا حاجت تھی اور کامل وثوق حفاظت میں لکھوانے اور یاد کرنے کے سوا نہیں تھا۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری تھا کہ متعدد نقلیں متعدد مقامات پر رہیں جن میں تغیر وتبدل اور ضائع ہونے کا وہم بھی نہ رہے۔ کیا اِن واقعات سے یہ فیصلہ سہل اور یقینی نہیں کہ حضورؐ اقدس اور صحابہ نے حفاظتِ قرآن کے لئے اس کو نہایت اہتمام اور صحت کے ساتھ لکھوایا ہو۔ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ کتبِ سابقہ کی تحریف وتغیر کا نمونہ بھی اُن کے سامنے موجود تھا۔ اس لئے بھی قرآن کے لکھوانے کی اُن کو اور زیادہ ضرورت محسوس ہوئی۔ اور کوئی امر بھی ایسا نہ تھا جس کی وجہ سے لکھوایا نہ جاتا یا لکھوانا دشوار ہوتا۔ کیونکہ آپؐ کے عہد میں بہت لوگ صحابہ میں ایسے تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے جن میں سے اکتالیسؓ کے نام جو تاریخ سے ہمیں معلوم ہوئے ہیں، ہم یہاں لکھتے ہیں:

(۱) حنظلہ بن ربیع (۲) عمرو بن رافع (۳) رافع بن مالک (۴) سعد بن عبادہ (۵) اسید بن حضیر (۶) منذر بن عمرو (۷) اوس بن خولی (۸) عبداللہ بن زید (۹) بشیر بن سعد (۱۰) عبداللہ بن رواحہ (۱۱) سعد بن الربیع (۱۲) ابوعبس بن جبر (۱۳) عبدالرحمٰن (۱۴) ابویونس مولیٰ عائشہؓ (۱۵) عبدالرحمٰن بن حرب عمرو بن زید (۱۶) عبداللہ بن سعید بن العاص (۱۷) نافع بن طریب بن عمرو بن نوفل (۱۸) ناجیۃ الطفاوی (۱۹) ابی بن کعب (۲۰) زید بن ثابت (۲۱) عبداللہ بن سعد بن ابی سرح (۲۲) ابوبکر (۲۳) عمر (۲۴) عثمان (۲۵) علیؓ (۲۶) زبیر بن العوام (۲۷) خالد بن سعید بن العاص (۲۸) ابان (۲۹) سعد بن العاص (۳۰) حنظلۃ الاسدی (۳۱) علا بن الحضرمی (۳۲) خالد بن ولید (۳۳) محمد بن سلمہ (۳۴) عبداللہ بن عبداللہ بن ابی سلول (۳۵) مغیرۃ بن شعبہ (۳۶) عمرو بن العاص (۳۷) معاویہ بن ابی سفیان (۳۸) جہیم بن الصلت (۳۹) معیقیب بن فاطمہ

(۴۰) عبداللہ بن ارقم زہری (۴۱) شرجیل بن حسنہ۔

اِن میں انصار اور مہاجرین دونوں ہیں اور بعض ایسے بھی ہیں جو اسلام کے پہلے سے لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ مورخین اس میں مختلف ہیں کہ عرب میں کتابت اور خطاطی کا فن کس سے شروع ہوا۔ بعض کی رائے میں حضرت ایوب علیہ السلام کے وقت میں عرب میں یہ فن تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے عہد سے شروع ہوا۔ بہرحال اس میں شک نہیں کہ اسلام کے کچھ قبل سے عرب[1] میں اس کا رواج ہوگیا تھا اور جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں اِس کو بہت ترقی دی۔ بدر کی جنگ میں جو ستر آدمی کفار مکہ سے مسلمانوں نے گرفتار کئے تھے اُن میں جس کے پاس اِس قدر مال نہ تھا کہ اپنی رہائی کے لئے فدیہ ادا کرتا اُس کی رہائی کا یہ فدیہ مقرر کیا گیا کہ اُن میں سے ہر ایک اہلِ مدینہ کے لڑکوں میں سے دس دس لڑکوں کو لکھنا سکھلائیں۔۔۔ چنانچہ زید بن ثابت نے بھی اِسی طور سے لکھنا سیکھا۔

اَسَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ بَدْرٍ سَبْعِیْنَ اَسِیْرًا وَکَانَ یُفَادِیْ بِھِمْ عَلٰی قَدْرِ اَمْوَالِھِمْ وَکَانَ اَھْلُ مَکَّۃَ یَکْتُبُوْنَ وَاَھْلُ الْمَدِیْنَۃِ لَایَکْتُبُوْنَ فَمَنْ لَمْ یَکُنْ لَہٗ فِدَاءٌ دُفِعَ اِلَیْہِ عَشَرَۃُ غِلْمَانٍ مِنْ غِلْمَانِ الْمَدِیْنَۃِ فَعَلَّمَھُمْ فَاِذَا حَذَقُوْا فَھُوَ فِدَاؤُہٗ فَکَانَ زَیْدُ بْنُ ثَابِتٍ مِمَّنْ عُلِّمَ حَتّٰی اِنْ کَانَ الرَّجُلُ یُحْسِنُ الْخَطَّ فَفُوْدِیَ عَلٰی اَنْ تَعَلَّمَ

ترجمہ:۔ غزوۂ بدر میں ستر آدمی کفار کے گرفتار ہوئے جن سے بقدرِ حیثیت خرچہ جنگ لے کر رہا کیا گیا۔ مکہ والے چونکہ لکھنا جانتے تھے اور اہلِ مدینہ اس سے ناواقف تھے اس لئے اِن گرفتاروں میں سے جس کے پاس مال نہ تھا اس کی رہائی کے لئے یہ مقرر کیا گیا کہ وہ مدینہ کے دس لڑکوں کو تعلیم دے۔ پس ایسے لوگوں نے تعلیم دینا شروع کیا اور جب لڑکے خوب واقف ہوگئے تب وہ چھوڑ دیئے گئے۔۔۔ چنانچہ انھیں لڑکوں میں زید بھی تھے۔ الغرض قیدیوں میں[2] جو خوش نویس تھا اُن سے مشق خط کرائی گئی۔

(طبقات ابن سعد قسم اول ج ۲ ص ۱۴)

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مکہ والے لکھنا جانتے تھے اور اُن میں اس کا رواج تھا۔ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس طرف خاص توجہ تھی کہ مسلمان اس میں ماہر ہوں۔ چنانچہ آپؐ نے مدینہ میں عبداللہؓ بن سعید بن العاص کو جو خوشنویس تھے اس کام پر مقرر کیا کہ وہ لڑکوں کو لکھنے کی تعلیم دیا کریں۔ اِن واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ عہدِ مبارک میں لکھنے والے تھے۔ البتہ یہ امر بحث طلب ہے کہ اُس وقت لکھنے کے لئے بھی وہاں کوئی شے تھی یا نہیں کیونکہ کاغذ کا اُس وقت وہاں رواج نہ تھا بلکہ اس کا رواج فضل بن یحییٰ برمکی نے عرب میں دیا۔ جیسا کہ مقدمہ ابن خلدون کے

[1] صناجۃ الطرب ص ۳۵۷ ۱۲ [2] استیعاب ج ۱ ص ۳۵۳ ۱۲

ص۳۵۲ میں ہے۔ فَاشَارَ الفَضلُ بنُ یحیٰی بِصناعۃِ الکاغَذِ وَصَنعَۃٗ اور بعض کی رائے ہے کہ حجاج بن یوسف نے اُسے رواج دیا۔

فہرست ابن ندیم میں ہے

فَامَّا الورقُ الخُراسانیُّ فَیُعمَلُ مِنَ الکَتَّانِ یُقَالُ اِنَّہٗ حَدَثَ فِی اَیَّامِ بنی اُمیّۃَ وَقِیلَ فِی الدَّولۃِ العَبَّاسِیَّۃِ وَقِیلَ اِنَّہٗ قَدِیمُ العَمَلِ وَقِیلَ اِنَّہٗ حَدِیثٌ وَقِیلَ اِنَّ صُنَّاعًا مِنَ الصِّینِ عَمِلُوہُ بِخُرَاسَانَ عَلَی مِثَالِ الوَرَقِ الصِّینِیِّ۔

ترجمہ :۔ خراسانی کاغذ کتاں یعنی رُوئی سے بنایا جاتا تھا جو بنو امیہ یا عباسیہ کے عہد میں بنایا گیا بعض کہتے ہیں قدیم سے چلا آتا ہے۔ بعض کے نزدیک اس کا رواج قدیم سے نہ تھا یا ایک چینی شخص نے اوّل خراسان میں چینی کاغذ کی طرح بنایا تھا۔

لیکن فضل یا حجاج کے قبل اگر کاغذ کا رواج نہیں تھا تو اس کے یہ معنی نہیں کہ کوئی شے بجائے کاغذ کے ایسی جس پر لکھا جاسکے اُن میں نہ تھی۔ یہ خیال ایسا غلط ہے کہ اس کی غلطی کے لئے کسی خارجی گواہی کی ضرورت نہیں۔ جو شخص عرب کی حالت سے واقف ہے وہ اپنے خیال و ذہن میں خطرے کے طور سے بھی اس کو جگہ نہیں دے سکتا کہ عرب میں لکھنے کی کوئی شے نہیں تھی۔ کیا عرب کے لوگ لکھنا نہیں جانتے تھے۔ باہم معاہدے، خطوط، کتابیں نہیں لکھتے تھے۔ ... رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر خطوط لکھ کر روانہ فرمائے۔ صاحب مفتاح الافکار نے آپؐ کے خطوط سے چھتیس خطوط نقل کئے ہیں۔ حدیبیہ میں صلح نامہ لکھا گیا۔ اہلِ مکہ نے ایک معاہدہ لکھ کر بیت اللہ میں لٹکایا۔ سبعہ معلقہ لکھوا کر خانہ کعبہ پر لٹکایا گیا۔ توریت انجیل لکھی ہوئی اُن میں موجود تھی۔ اب اگر کوئی شے بجائے کاغذ ان میں نہ تھی تو یہ لکھنا پڑھنا کس طرح تھا۔ اصل یہ ہے کہ اُس وقت میں کاغذ کی جگہ دو چیزیں مستعمل تھیں۔ عام طور سے تو جلد استعمال کرتے تھے جو کاغذ کی طرح بنائے جاتے تھے اور اس کو رق کہتے تھے۔ چنانچہ قرآن میں بھی یہ لفظ ہے۔ اس کے بعد مخصوص مقامات میں حریر پر لکھتے تھے جسے مہرق کہتے ہیں۔ لسان العرب میں ہے۔ اَلمُہرَقُ الصَّحِیفَۃُ البَیضَاءُ یُکتَبُ فِیہَا وَقِیلَ ثَوبُ حَرِیرٍ اَبیَضَ یُسقَی الصَّمغَ وَیُصقَلُ ثُمَّ یُکتَبُ فِیہِ الرَّقِّیُّ بِالفَحمِ مَا یُکتَبُ فِیہِ وَہُوَ جِلدٌ رَقِیقٌ وَمِنہُ قَولُہٗ تَعَالٰی فِی رَقٍّ مَّنشُورٍ۔ مقدمہ ابن خلدون میں ہے۔ وَکَانَتِ السِّجِلَّاتُ اَوَّلًا لِانتِسَاخِ العُلُومِ وَکُتُبِ الرَّسَائِلِ السُّلطَانِیَّۃِ وَالاِقطَاعَاتِ وَالصُّکُوکِ

لہ صناعۃ العرب ص۹ ۱۲

فِی الرُّقُوْقِ الْمُهَیَّأَۃِ بِالصَّنَاعَۃِ مِنَ الْجِلْدِ لِکَثْرَۃِ الرِّقَّۃِ وَقِلَّۃِ التَّالِیْفِ صَدْرَ الْمِلَّۃِ فَاقْتَصَرُوْا عَلَی الْکِتَابِ فِی الرِّقِّ تَشْرِیْفًا لِلْمَکْتُوْبَاتِ وَمِیْلًا بِھَا اِلَی الصِّحَّۃِ وَالْاِتْقَانِ اِنْتَھٰی مُلَخَّصًا ص۳۵۲ یعنی پہلے زمانہ میں خطوط، فیصلے، فرمان اور علوم وغیرہ باریک جلد پر لکھتے تھے۔ اور یہ جلد خاص اسی کام کے لئے تیار رہتی تھیں۔ کیونکہ اُس وقت تصنیف وغیرہ زیادہ نہ تھی اِس لئے اُن میں اس کا زیادہ اہتمام اور اس کی وقعت تھی جس کی وجہ سے وہ اس کی صحت اور استحفاظ کا بہت خیال رکھتے تھے۔"

صناجۃ الطرب میں فاضل **نوفل مسیحی** لکھتے ہیں۔ وَقَالَ الزَّوْزَنِیُّ اِنَّھُمْ کَانُوْا یَاْخُذُوْنَ الْخِرْقَۃَ وَیَطْلُوْنَھَا بِشَیْءٍ ثُمَّ یَصْقُلُوْنَھَا وَیَکْتُبُوْنَ عَلَیْھَا وَیُسَمُّوْنَھَا الْمُھْرَقَ یعنی زوزنی نے کہا ہے کہ اہلِ عرب پہلے ایسے کپڑے کے ٹکڑے پر لکھا کرتے تھے جسے وہ روغن دے کر صاف کرتے تھے اور اس کو مہرق کہتے تھے۔ پھر فاضل موصوف اسی مقام پر لکھتے ہیں۔ لَمْ یَکُنْ عِنْدَھُمْ اَدَوَاتٌ تَصْلُحُ لِلْکِتَابَۃِ یعنی عربوں میں ایسی شے نہ تھی جن پر لکھا جاتا۔ اور اپنے اس دعوے کی شہادت میں زید بن ثابت کے جمع قرآن کو پیش کیا ہے کہ زید نے **خلیفہ اوّل** کے عہد میں قرآن کو پتھر کے ٹکڑوں اور کھجور کے پتّوں سے نقل کیا۔ خیر زید کے اس واقعہ کی تفصیل تو اپنے مقام پر کی جائیگی لیکن فاضل موصوف سے ہمیں تعجب ہے کہ یہاں ان روشن اور صحیح واقعات کو چھوڑ کر ایک ایسے واقعہ سے کیوں استدلال کیا جو خلافِ تحقیق ہے اور مسلمان بھی اُسے غلط سمجھتے ہیں۔ کیا فاضل موصوف کو معلوم نہیں کہ پیغمبر اسلام کے عہد میں لکھنے کا بہت کچھ رواج ہو گیا تھا اور اس صنعت کو اس حقیقی مصلح نے بہت ترقی دی تھی اور باہم مراسلات اور معاہدات وغیرہ کا کتابت کے ذریعہ سے رواج تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ادوات کتابت اُس وقت بھی معدوم نہ تھے۔ بلکہ اُس وقت کی ضرورت کے موافق اُس کا سامان اُن میں تھا۔ فاضل موصوف پھر لکھتے ہیں۔ وَلَمْ تَعْرِفِ الْعَرَبُ قَرَاطِیْسَ الْکِتَابَۃِ اِلَّا مُنْذُ اسْتَعْمَلَہُ الْحَجَّاجُ فَھُوَ اَوَّلُ مَنْ کَتَبَ فِیْھَا " یعنی عرب میں حجاج نے اول قرطاس کا استعمال کیا۔ اس کے پہلے عرب قرطاس کو جانتے بھی نہ تھے۔" فاضل موصوف کے اس بیان سے ہمارے تعجب کی کوئی انتہا نہیں رہتی اور ہمیں حیرت ہے کہ ایسے محقق فاضل کے قلم نے کیونکر اس کے لکھنے کی جرأت کی۔ ہم نہیں سمجھتے کہ اس قرطاس کے معنی فاضل عیسوی کیا لیتے ہیں جس کی ابتدا حجاج کے وقت سے ہوئی۔ اہلِ عرب کے نزدیک تو جس پر لکھا جائے اور وہ اس قابل ہو اُسے قرطاس کہتے ہیں خواہ وہ کپڑا ہو یا چمڑہ یا کاغذ۔ غرض یہ ہے کہ وہ شے جس پر لکھا جاسکے۔ **اقرب الموارد** میں ہے۔ اَلْقِرْطَاسُ الصَّحِیْفَۃُ الَّتِیْ یُکْتَبُ فِیْھَا۔

لسان المیزان میں ہے۔ اَلْقِرْطَاسُ الصَّحِیْفَۃُ الثَّابِتَۃُ الَّتِیْ یُکْتَبُ فِیْھَا۔ اس کے سوا قرطاس کا لفظ جبکہ خود قرآن میں ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت قرطاس کا استعمال تھا۔ قرآن میں ہے۔ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ كِتَابًا فِیْ قِرْطَاسٍ۔ دوسری جگہ ہے۔ یجعلونہ قراطیس۔ اگرچہ قرطاس کا ابتدائے اسلام میں نہ ہونا ہمارے اس بیان کی کہ ادوات کتابت اُس عہد میں تھے کچھ مخالف نہیں۔ کیونکہ واقعات سے یہ امر معلوم ہوگیا کہ اُس وقت میں ادوات کتابت تھے اوران کا استعمال کیا جاتا تھا۔ مگر چونکہ اس سے فاضل موصوف کی اندرونی جذبات پر جن کو وہ تاریخی لباس میں ظاہر کرتا ہے کافی روشنی پڑتی ہے اور آئندہ اس سے مدد ملے گی۔ اس لئے اس کا بیان نامناسب نہیں ہے۔ اب ہمارے اِس بیان سے یہ تین باتیں بخوبی واضح ہوگئیں۔

(۱) رسالت مآب کے مبارک عہد میں بہت مسلمان لکھنا جانتے تھے۔

(۲) ایسی چیزیں بھی اس وقت ملتی تھیں جن پر وہ لکھتے تھے۔

(۳) قرآن پاک کے لکھنے کی مسلمانوں کو بے انتہا ضرورت تھی اور اُس کی کمال استحفاظ کی یہی صورت تھی کہ وہ لکھوایا جائے۔

اِن تینوں واقعات سے ہر انصاف پسند اور ذی شعور کو یہ فیصلہ نہایت ہی آسان ہوجاتا ہے کہ اُس وقت کے مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیئے تھا اور اُن کو اپنے اِس فرضِ منصبی اور عہدہ مذہبی کی سبکدوشی سے کونسا امر مانع تھا جو اُن کو اُس کے ادا کرنے سے روکتا اور کیا اس عہد کے مسلمانوں نے اپنے فرائضِ منصبی کے مقابلہ میں جان، مال، عزت، راحت، عزیز و قریب کی قربانیاں نہیں کیں اور کیا سخت سے سخت اور خطرناک اور مہلک مقامات کا بھی انھوں نے نہایت ہمت و استقلال اور صبر و وقار سے مقابلہ نہیں کیا۔ ان واقعات پر اگر اُن ترغیبات کا اضافہ کیا جائے جو سرورِ کائنات نے مسلمانوں کو قرآن کے پڑھنے اور پڑھانے کے بارے میں کی ہیں اور جن میں سے ہر ایک ترغیب بجائے خود ہر ایک مسلمان کو اس پر مستعد کردیتی ہے کہ وہ تمام قرآن پڑھے اور پڑھائے اور لکھے اب ان ترغیبات کے اضافہ کے بعد اور اُس ذوق اور جوش اور شوق کو دیکھتے ہوئے جو مسلمانوں میں اُس مقدس بانی نے بھر دیا تھا یہ خیال نہیں کیا جاسکتا کہ اُس وقت مسلمانوں نے تمام قرآن نہ یاد کیا ہو اور نہ کسی نے پورا قرآن لکھا ہو۔ اب میں ان ترغیبات کو لکھتا ہوں۔

آنحضرتؐ کی ترغیبات قرآن کے بارے میں

(۱) اِنَّ افضلکم من تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهٗ۔ (بخاری عن عثمان رضی اللہ عنہ)

بخاری میں عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے مسلمانوں میں اُس کو تمام پر فضیلت ہے جو قرآن پڑھے اور پڑھائے۔

(۲) مَثَلُ الَّذِی یَقْرَءُ الْقُرْآنَ کَالْاُتْرُجَّةِ طَعْمُهَا طَیِّبٌ وَرِیْحُهَا۔ وَالَّذِی لَایَقْرَءُ الْقُرْاٰن کَالتَّمْرَةِ طَعْمُهَا طَیِّبٌ وَلَارِیْحَ لَهَا۔ (بخاری عن ابی موسیٰ)

بخاری میں ابوموسیٰ سے روایت ہے۔ قرآن پڑھنے والا اُس پھل کی طرح ہے جس کا مزہ بھی اچھا ہے اور خوشبو بھی۔ اور جو قرآن نہیں پڑھتا وہ کھجور کے مثل ہے مزہ عمدہ ہے مگر خوشبو نہیں۔

(۳) یُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْآنِ اِقْرَءْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ کَمَا کُنْتَ تُرَتِّلُ فِی الدُّنْیَا فَاِنَّ مَنْزِلَکَ عِنْدَ آخِرِ آیَةٍ تَقْرَءُ هَا۔ (احمد۔ ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی)

مشکوٰۃ میں عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے۔ قیامت میں قرآن کے پڑھنے والے کو حکم دیا جائے گا کہ پڑھ اور بلند درجوں کی طرف چڑھ۔ لیکن قرآن کو ترتیل سے اُسی طرح پڑھتا ہوا جیسے دنیا میں پڑھتا تھا اور جہاں تیری قرأت پوری ہو وہی تیرا مکان ہے۔

(۴) یَقُوْلُ الرَّبُّ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْاٰنُ عَنْ ذِکْرِیْ وَمَسْئَلَتِیْ اَعْطَیْتُهٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِی السَّائِلِیْنَ وَفَضْلُ کَلَامِ اللّٰهِ عَلٰی سَائِرِ الْکَلَامِ کَفَضْلِ اللّٰهِ عَلٰی خَلْقِهٖ۔

(ترمذی، دارمی، بیہقی)

(مشکوٰۃ میں ابوسعید سے روایت ہے) خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو قرآن میں اس قدر مشغول ہو جائے کہ مجھ سے دُعا تک نہ کر سکے اور نہ میری یاد تو میں اُسے مانگنے والوں سے زیادہ دوں گا۔ خدا کے کلام کو۔۔۔ دوسرے کلاموں پر اُسی قدر فضیلت ہے جو خدا کو دوسروں پر۔

(۵) لَوْجُعِلَ الْقُرْاٰنُ فِیْ اِهَابٍ ثُمَّ اُلْقِیَ فِی النَّارِ مَا احْتَرَقَ۔ (دارمی)

(مشکوٰۃ میں عقبہ سے روایت ہے کہ) قرآن اگر کسی جلد میں رکھا جائے اور وہ آگ میں ڈالی جائے تو جلے گی نہیں۔ یعنی قرآن جس کو یاد ہو اس پر قیامت میں آگ اثر نہ کرے گی۔

(۶) تَعَاهَدُوا الْقُرْاٰنَ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ هُوَ اَشَدُّ تَفَصِّیًا مِنَ الْاِبِلِ فِیْ عُقُلِهَا۔

(مسلم۔ بخاری)

(مشکوٰۃ میں ابوموسیٰ سے روایت ہے) قرآن کی مزاولت کرو کیونکہ قرآن سینوں سے جانے میں اُس اونٹ سے تیز ہے جو اپنی بندش سے چھوٹ جائے۔

(۷) وَاسْتَذْکِرُوا الْقُرْاٰنَ فَاِنَّهٗ اَشَدُّ تَفَصِّیًا مِنْ صُدُوْرِ الرِّجَالِ مِنَ النَّعَمِ (مسلم بخاری)

(مشکوٰۃ میں ابن مسعود سے روایت ہے کہ) قرآن کو دور کرتے رہو وہ سینہ سے نکلنے میں اونٹ سے تیز ہے۔

(۸) عن عائشۃ مَثَلُ الَّذِی یَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ وَھُوَ حَافِظٌ لَہٗ مَعَ السَّفَرَۃِ الْکِرَامِ وَمَثَلُ الَّذِی یَقْرَأُ وَھُوَ یَتَعَاھَدُہٗ وَھُوَ عَلَیْہِ شَدِیْدٌ فَلَہٗ اَجْرَانِ۔ (بخاری تفسیر)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں حافظ قرآن جو قرآن پڑھتا رہے وہ معزز فرشتوں کی مثل ہے اور جو قرآن پڑھے اور مداومت کرے اور اس کو اس میں دشواری ہو تو اس کو دوچند ثواب ملے گا۔

(۹) اِنَّمَا مَثَلُ صَاحِبِ الْقُرْاٰنِ کَمَثَلِ صَاحِبِ الْاِبِلِ الْمُعَقَّلَۃِ اِنْ عَاھَدَ عَلَیْھَا اَمْسَکَھَا وَاِنْ اَطْلَقَھَا ذَھَبَتْ۔ (مسلم۔ بخاری)

قرآن والے کی حالت اونٹ کے مالک کی ہے کہ وہ اگر اونٹ کی نگرانی کرے تو رہے گا اور اگر چھوڑ دے گا تو چلا جائے گا۔

(۱۰) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ جَلَسْتُ فِیْ عِصَابَۃٍ مِنْ ضُعَفَاءِ الْمُھَاجِرِیْنَ وَاِنَّ بَعْضَھُمْ ... لَیَسْتَتِرُ بِبَعْضٍ مِنَ الْعُرْیِ وَقَارِیٌ یَقْرَأُ عَلَیْنَا اِذْ جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَامَ عَلَیْنَا فَلَمَّا قَامَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَکَتَ الْقَارِیُ فَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ مَا کُنْتُمْ تَصْنَعُوْنَ قُلْنَا کُنَّا نَسْتَمِعُ اِلٰی کِتَابِ اللّٰہِ فَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ اُمِرْتُ اَنْ اَصْبِرَ نَفْسِیْ مَعَھُمْ فَجَلَسَ وَسْطَنَا۔ (ابوداؤد)

ابو سعید کہتے ہیں ایک روز میں مہاجرین میں جو فقیر تھے، بیٹھا تھا۔ اور بعض جن کے بدن پر کپڑا تک نہ تھا بعض کے آڑ میں بیٹھے تھے اور ایک قاری ہم پر قرآن پڑھ رہا تھا۔ اسی حالت میں رسول خدا تشریف لائے اور کھڑے ہوگئے۔ قاری آپ کو دیکھ کر چپ ہوگیا۔ آپ نے سلام کیا۔ اور فرمایا کہ کیا کرتے تھے۔ عرض کیا کہ قرآن سنتے تھے۔ فرمایا الحمد للہ کہ اس نے میری امت میں ایسے لوگ کئے جن میں مجھے بیٹھنے کا حکم کیا گیا اور ہمارے درمیان بیٹھ گئے۔

(۱۱) یَجِیْءُ صَاحِبُ الْقُرْاٰنِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فَیَقُوْلُ یَارَبِّ حَلِّہٖ فَیُلْبَسُ تَاجَ الْکَرَامَۃِ ثُمَّ یَقُوْلُ یَارَبِّ زِدْہُ فَیُلْبَسُ حُلَّۃَ الْکَرَامَۃِ ثُمَّ یَقُوْلُ یَارَبِّ ارْضَ عَنْہُ فَیَرْضٰی عَنْہُ فَیُقَالُ اقْرَأْ وَارْقَ وَیُزَادُ بِکُلِّ آیَۃٍ حَسَنَۃً۔ (ترمذی)

ابو ہریرۃ سے روایت ہے کہ قیامت میں اہل قرآن جب لائے جائیں گے تو قرآن ان کی سفارش کرے گا اور کہے گا کہ اے خدا ان کو خلعت عطا فرما۔ اس پر دستار فضیلت ان کے سروں پر باندھی جائیگی پھر قرآن سفارش کرے گا تو اس پر خلعت ملے گا۔ پھر سفارش کرے گا کہ خدا تو ان سے راضی اور خوش ہو۔ اس پر وہ اپنی رضامندی اور خوشنودی کا اظہار کرے گا اور حکم دے گا کہ قرآن پڑھتا ہوا ترقی کرتا جا اور ہر ایک آیت کے عوض ثواب حاصل کر۔

(۱۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اقْرَؤُا الْقُرْاٰنَ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُعَذِّبُ قَلْبًا وَعَى الْقُرْاٰنَ وَاِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَادُبَةُ اللّٰهِ فَمَنْ دَخَلَ فِيْهِ فَهُوَ اٰمِنٌ وَمَنْ اَحَبَّ الْقُرْاٰنَ فَلْيَبْشِرْ۔ (دارمی)

ابن مسعود فرماتے ہیں آنحضرت نے فرمایا قرآن پڑھو کیونکہ خدا ایسے شخص کو عذاب نہ دے گا جسے قرآن یاد ہو۔ اور یہ قرآن خدا تعالیٰ کی نعمتوں کی جگہ ہے جو اس میں داخل ہوا وہ بے خوف وخطر ہے اور جسے قرآن سے محبت ہے اُس کو بشارت ہے۔

صاحب شریعتِ اسلامیہ کے ان اقوال سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کے بعد قرآن ہی کا مرتبہ ہے۔ اور خدا کی تمام مخلوق میں کوئی شے اُس کے مثل نہیں[51]۔ اِس لئے اہلِ قرآن کو تمام مسلمانوں پر فضیلت ہے اور وہ سب سے افضل[52] ہے۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس کی مجلس میں بیٹھنے کا حکم ہے[53]۔ اور اس کا ظاہر وباطن نورانی ہو کر لوگوں کے لئے مشعلِ راہ بن جاتا ہے جس سے خلق مستفید ہوتی ہے[54]۔ اس کو اپنے مقاصد کے لئے دعا کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ اُس کو وہ بلا طلب دیا جاتا ہے جو دوسروں کو مانگنے سے[55]۔ اُس کی نُورانیت اس درجہ کو پہنچ جاتی ہے کہ آگ دوزخ بھی اُس پر اثر نہیں کرتی[56]۔ قرآن پاک اس کی ترقی درجات کا خود معیار ہوگا۔ اُس کی درجات کا علو اور کمال اُس کی قرأت کے قدر ہوگا یعنی اُس کو جنت کے درجوں پر چڑھنے کا حکم دیا جائے گا۔ منتہی اُس کی ترقی کا وہاں جہاں اس کی قرأت ختم ہو[57]۔ قرآن کی تلاوت سے اسے خلعت عنایت[58] ہوگا۔ یہ ہیں قرآن پاک کے اُخروی نتائج اور برکات۔ کیا جو قوم اپنے مقدس اور پاک مذہب کی ایسی فریفتہ اور از خود رفتہ ہو کہ اُس کے مقابلہ میں دنیا کی ہر بڑی سے بڑی شے کمتر اور بے وقعت ہو اور اُن کا دلی جوش جُنون کی حد تک پہنچا ہو اِس وقت کے مسلمان اپنے اوپر قیاس نہ کریں بلکہ اُن کی اُس حالت پر غور کریں کہ انھوں نے اپنا مال جان اولاد آپ کے ارشاد پر قربان کیا تو کیا ایسی قوم کے لئے اِن پاک الفاظ اور وعدوں نے ہر ایک کو قرآن کی یاد اور اُس کی تلاوت کے لئے بے اختیار نہ کیا ہوگا جو بہ نسبت جان ومال دینے کے بہت آسان تھا اور کیا اس کے بعد بھی یہ قابلِ شرم اور نفرت خیال قابلِ سماعت ہوگا کہ اُس وقت مسلمانوں میں کوئی پورے قرآن کا حافظ نہ تھا۔ اور تمام قرآن تلاوت کے لئے اُن میں لکھا ہوا نہ تھا۔ شرم، شرم! اِس کے سوا بھی پیغمبرِ اسلام نے خود قرآن کی حفاظت اور اس کی تلاوت پر مداومت کی کس قدر تاکید کی۔ جیسا حدیث نمبر ۶، ۷، ۸ سے ثابت ہے۔

---

[51] چوتھی حدیث [52] پہلی حدیث [53] دسویں حدیث [54] دوسری حدیث
[55] چوتھی حدیث [56] پانچویں حدیث [57] تیسری حدیث [58] گیارھویں حدیث

قبلِ اسلام عرب میں اگرچہ کسی قسم کی تعلیم تعلم کا عام رواج نہ تھا مگر پیغمبرِ اسلام نے اُن میں تعلیم کو رواج دیا اور چونکہ قرآن کے سوا اُس وقت مسلمانوں میں کوئی علم وفن نہ تھا اور اس طرف مسلمان ہونے کے لئے قرآن جاننا بھی ضروری تھا اِس لئے مسلمانوں میں پہلے قرآن ہی کی تعلیم کا رواج ہوا۔ پیغمبرِ اسلام خود گو اُمّیِ محض تھے اور لکھنا پڑھنا خود نہ جانتے تھے۔ جیسا کہ قرآن نے خود ایسی حالت میں کہ اُن کے مخالفین ہر طرح کی نکتہ چینی میں اور اُن کی ہر بات پر گہری نظر ڈالتے تھے اور تمام اقوال افعال کو عیب چینی کے خیال سے تلاش کرتے تھے یہ دعویٰ کیا کہ یہ رسول اُمّی ہے۔ لیکن قرآن کے اِس دعوے میں کہ وہ اُمّی ہیں کسی نے شک نہیں کیا اور نہ اس کو رَد کیا بلکہ وہ دعویٰ جو عام طور سے اعلان کے ساتھ موافق و مخالف کے آگے کیا جائے اور ہر ایک شخص اُسے مان لے، یہ اس کی صداقت کے لئے مضبوط ضمانت ہے اور جن کو اس دعوے میں کلام اور رَدّ کا حق تھا جب اُنھیں نے اسے تسلیم کیا تو اب اُن کے بعد والوں کو اُنھیں کی اقتدا کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔ اس کے سوا دوسرا راستہ نکالنا اور لوگوں کو اُس کی طرف بُلانا اپنی تاریکی یا دلی سوزش کا ثبوت پیش کرنا ہے گو کچھ ناواقف یا دل کے بیمار اس پر چلیں یا ایسی کوشش کریں مگر انصاف، اور علم کے مقابلے میں بلاشک اُس کو ہزیمت اور فاش شکست ہوگی۔ لیکن اس پر بھی پیغمبرِ اسلام نے اس قوم کی تعلیم کا خیال کیا اور اس کی اشاعت کی ابتدا اُسی کامل ہمدردِ بنی نوع انسان کے ہاتھوں سے ہوئی جن کا نام محمدؐ ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ چنانچہ اوّل آپ نے خود قرآن کی تعلیم دینی شروع کی جیسا کہ قرآنِ مقدس میں ہے۔ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔ ابوالدرداء صحابی کا بیان ہے کہ میں نے قرآن رسولِ خدا سے یاد کیا[1]۔

عن جابر بن عبد اللهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا الاِسْتِخَارَةَ فِي الْأُمُوْرِ كُلِّهَا كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ۔ (بخاری)

ترجمہ:۔ بخاری میں جابر سے روایت ہے کہ رسولِ خدا نے ہمیں تمام باتوں میں استخارہ کے دعا کی تعلیم کی جس طرح قرآن کی سورۃ کی تعلیم دیتے تھے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ آپ قرآن کی تعلیم کرتے تھے۔

عن عُمَر بنِ الخَطَّابِ قَالَ سَمِعْتُ هِشَامَ بنَ حَكَمِ بنِ حِزَامٍ يَقْرَءُ سُوْرَةَ الْفُرْقَانِ عَلٰى غَيْرِ مَا أَقْرَءُهَا وَكَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْرَءَنِيْهَا وَكِدْتُ أَنْ أَعْجَلَ عَلَيْهِ ثُمَّ أَمْهَلْتُهُ حَتّٰى انْصَرَفَ ثُمَّ لَبَّبْتُهُ بِرِدَائِهِ فَجِئْتُ بِهِ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ إِنِّيْ سَمِعْتُ هٰذَا يَقْرَءُ عَلٰى غَيْرِ مَا أَقْرَءْتَنِيْهَا۔ (بخاری)

ترجمہ:۔ بخاری میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ہشام کو سورۂ فرقان پڑھتے ہوئے سنا لیکن وہ جس

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ذہبی ص۲۱ ج ۱۔

طور سے پڑھتے تھے وہ عمرؓ کے طرز کے خلاف تھا۔ لیکن عمرؓ کو چونکہ رسولِ خدا نے اسی طرز سے پڑھایا تھا اور ہشام اس کے خلاف پڑھتے تھے اِس لئے عمرؓ نے چاہا کہ اُن کو اُسی وقت روک دیں مگر وہ اس قدر ٹھہرے کہ وہ نماز سے فارغ ہو گئے۔ اس کے بعد عمرؓ نے ان کی گردن میں چادر ڈال کر گرفتار کیا اور رسولِ خدا کے پاس لے جاکر کہا کہ یہ قرآن اس کے خلاف پڑھتے ہیں جیسا آپ نے مجھے پڑھایا ہے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ رسولِ خدا قرآن صحابہ کو پڑھاتے تھے۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ يَقُوْلُ عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَفِّيْ بَيْنَ كَفَّيْهِ كَمَا يُعَلِّمُنِي السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ الخ۔ (بخاری)

بخاری میں ابن مسعود سے مروی ہے کہ مجھے رسولِ خدا نے التحیات کی تعلیم کی جس طرح آپ قرآن کی سورۃ کی مجھے تعلیم دیتے تھے۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ كُنَّا اِذَا تَعَلَّمْنَا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ اٰيَاتٍ مِنَ الْقُرْاٰنِ لَمْ نَتَعَلَّمِ الْعَشْرَ الَّتِيْ بَعْدَهَا حَتّٰى نَعْلَمَ مَا فِيْهِ۔ کنز العمال ج ۱ ص ۲۳۲)

ابن مسعود فرماتے ہیں۔ آنحضرتؐ سے قرآن کی دس آیت ہم پڑھتے اس کے بعد کی آیات اُس وقت تک نہ پڑھتے جب تک ان پر عمل نہ کر لیتے۔

قَالَ خَطَبَنَا عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَقَالَ وَاللّٰهِ لَقَدْ اَخَذْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِضْعًا وَسَبْعِيْنَ سُوْرَةً الخ۔ (بخاری)

ابن مسعود نے ایک روز صحابہ کے بھرے مجمع میں خطبہ دیا اور کہا میں نے رسولِ خدا سے ستر اور چند سورتیں یاد کیں۔

عثمان بن ابی العاص کہتے ہیں۔ میں وفد ثقیف میں آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے مجھے قرآن پڑھایا۔ (طبقات ج ۷ ص ۲۶)

حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں۔ آنحضرت پر جب یہ آیت نازل ہوئی من یعمل سوء ایجزبہ الخ۔ تو آپ نے فرمایا۔ اے ابوبکر جو آیۃ نازل ہوئی ہے وہ کیا تجھے نہ پڑھاؤں۔ عرض کیا ہاں۔ تب آپ نے اُسے پڑھایا۔ ترمذی ج ۲ ص ۱۴۵)

ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ دُعا مجھے آنحضرتؐ نے اُسی التزام سے پڑھائی جس طرح قرآن پڑھاتے تھے۔ (ترمذی ج ۱ ص ۲۰۷)

اِس سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صحابہ کو التزام سے قرآن پڑھاتے تھے۔

حضرت ابوالدرداءؓ، جابرؓ، عمرؓ، ابن مسعودؓ، ابوبکرؓ، عثمانؓ، ابن عباسؓ کے اِن بیانات سے معلوم ہوا کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مقدس کی خود تعلیم فرماتے تھے اور بعض کو تمام قرآن بھی

یاد کرایا جیسا... ابوالدرداءؓ کا اقرار ہے کہ میں نے تمام قرآن آپ سے یاد کیا اور آپؐ نے محض اسی پر اکتفا نہیں فرمایا کہ خود ہی تنہا تعلیم دیں بلکہ لوگوں کی جب کثرت ہوئی اور قرآن کے پڑھنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی اور اس طرف آپ کے اشتغال میں بھی زیادتی ہوئی تو اُن صحابہ سے بھی جو قرآن آپ سے پڑھ چکے تھے بعض کو تعلیم قرآن پر مقرر فرمایا اور پڑھنے والوں کو حکم دیا کہ ان سے قرآن پڑھیں۔

اِستقرءُ القُرآنَ مِنْ اَربعۃٍ مِنْ عَبدِ اللهِ ابنِ مَسْعُودٍ وَسَالِمٍ مَوْلَی اَبِی حُذَیْفَۃَ وَاُبَیِّ بنِ کَعبٍ وَمُعَاذِ بنِ جَبَلٍ۔ (بخاری)

بخاری میں ہے آپ نے حکم دیا۔ ابن مسعودؓ سالم مولی ابوحذیفہ ابی بن کعب، معاذ سے قرآن پڑھو۔

عَنْ عُبَادَۃَ بْنِ الصَّامِتِ کَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَشْغَلُ فَاِذَا قَدِمَ الرَّجُلُ مُھَاجِرًا عَلٰی رَسُولِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَفَعَہٗ اِلٰی رَجُلٍ مِنَّا یُعَلِّمُہُ الْقُرْآنَ فَدَفَعَ اِلَیَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَجُلًا کَانَ مَعِیَ فِی الْبَیْتِ اُعَشِّیْہِ عَشَاءَ الْبَیْتِ وَکُنْتُ اُقْرِئُہٗ فَانْصَرَفَ اِلٰی اَھْلِہٖ فَرَاٰی اَنَّ عَلَیْہِ حَقًّا فَاَھْدٰی اِلَیَّ قَوْسًا لَمْ اَرَ اَجْوَدَ مِنْھَا عُوْدًا وَلَا اَحْسَنَ مِنْھَا عُطْفًا فَاَتَیْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ مَا تَرٰی یَا رَسُولَ اللهِ فَقَالَ جَمْرَۃٌ بَیْنَ کَتِفَیْکَ اِنْ تَقَلَّدْتَھَا۔ (کنز العمال ج ۱ صـ۲۳۲)

کنز العمال میں عبادہ سے ہے جب کوئی شخص مدینہ میں ہجرت کرتا اور رسولِ خدا کسی کام میں مصروف ہوتے تو ایسے وقت میں اس مہاجر کو کسی صحابی کے متعلق کر دیتے تاکہ وہ اُسے قرآن پڑھائے۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک مہاجر کو رسولِ خدا نے میرے متعلق کیا کہ میں اسے قرآن پڑھا دوں۔ یہ شخص جس کو میں قرآن پڑھاتا تھا میرے ساتھ ہی میرے مکان میں رہتا تھا اور میں شام کا کھانا بھی اُسے اپنے ساتھ کھلاتا تھا۔ اُس نے اپنے گھر جانے کے بعد خیال کیا کہ میرا اُس پر حق ہے اِس لئے مجھے اُس نے ایک ایسی کمان ہدیہ دی جو نہایت عمدہ اور نرم تھی۔ میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ اس کمان کے متعلق کیا حکم ہے۔ فرمایا جہنم کی آگ[1] ہے۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ آپ کے سوا دوسرے وہ صحابہ بھی تعلیم دیتے تھے جن کو آپ نے اِس لئے مقرر فرمایا تھا اور یہ امر بھی ثابت ہے کہ جو شخص اسلام میں داخل ہوتا آپ اُسے ضرور قرآن کی تعلیم خود دیتے یا دوسرے سے دلاتے جیسا عبادہ کہتے ہیں۔ فَاِذَا قَدِمَ الرَّجُلُ مُھَاجِرًا عَلٰی رَسُولِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَفَعَہٗ اِلٰی رَجُلٍ مِنَّا یُعَلِّمُہُ الْقُرْآنَ۔ یعنی جب کوئی مدینہ میں ہجرت کر کے آتا یعنی اسلام قبول کرتا تو پیغمبر خدا ضرور اسے کسی ایسے صحابی کے متعلق کرتے جو اُسے قرآن پڑھاتا۔ دیکھو رمضان سنہ ۹ھ میں قبیلہ عامر کے دس آدمی اسلام میں داخل ہوئے اور اتنے روز مدینہ میں

---

[1] اس سے ثابت ہوا کہ قرآن کی تعلیم پر اُجرت لینا حرام ہے اور نیز ایسے طلبہ سے ہدیہ بھی لینا درست نہیں۔

رہے کہ اُبی بن کعب سے قرآن پڑھ لیا۔ ابن خلدون میں ہے۔ قدم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وَفْدُ عَامِرٍ سنۃ ۔ من رمضان عشرۃ نفرٍ فاسلموا وتعلموا شرائع الاسلام واقرأھم اُبیّ القرآن۔ اور اسی سنہ میں قبیلہ عامر کے دس آدمی بھی آئے۔ رسولِ خدا نے ابی سے فرمایا کہ انہیں قرآن پڑھاؤ۔[۱] اسی سال بنی حنیفہ کا قبیلہ مدینہ میں آکر مسلمان ہوا اور اتنے روزوں قیام کیا کہ ابی سے قرآن پڑھ لیا۔ (ابن خلدون میں ہے) قَدِمَ وَفْدُ بَنِي حَنِيفَةَ فِي سَنَةِ عَشَرٍ فَاَسْلَمُوا وَاَقَامُوا اَيَّامًا يَتَعَلَّمُونَ الْقُرْآنَ مِنْ اُبَيٍّ وَرِجَالٌ يَتَعَلَّمُونَ (ج ۲ ص۵۶) ۔یعنی ابی سے لوگ قرآن پڑھتے تھے انہیں میں بنی حنیفہ بھی پڑھنے لگے۔ تمیم کے ستر یا اسی آدمی مدینہ میں آکر مسلمان ہوئے اور اتنے دن قیام کیا کہ قرآن پڑھ لیا۔[۳] سید دحلان مفتی مکہ مکرمہ اپنی تاریخ کے ج ۲ ص۱۶۹ میں بغوی سے ناقل ہیں کہ طفیل بن عمرو الدوسی کو ابی نے عہدِ مبارک میں قرآن پڑھایا۔ عمرو بن معدیکرب[۴] یمن سے مدینہ منورہ میں آکر مشرف بہ اسلام ہوا اور سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہ کا مہمان ہوا اور قرآن پڑھا۔ پھر آنحضرت نے اس کو یمن کا حاکم مقرر کیا۔[۵] مذحج کے پندرہ آدمی مدینہ میں آکر مسلمان ہوئے اور ایک گھوڑا رسولِ خدا کو پیش کیا اور قرآن پڑھا اس کے بعد اپنے گھروں کو واپس گئے۔ ہمارے اس بیان سے معلوم ہوا کہ پیغمبرِ اسلام نے صحابہ میں چند ذی علم صحابہ کو قرآن کی تعلیم کے لئے مقرر کر دیا تھا۔ ان کے علاوہ دیگر صحابہ بھی ضرورت کے وقت تعلیم دیتے تھے جیسا ابھی معلوم ہوا کہ ابن مسعودؓ، ابیؓ، معاذؓ، سالمؓ تو خصوصیت سے مقرر تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام طور سے فرما دیا تھا کہ مسلمان ان سے قرآن پڑھیں... چنانچہ اُبی نے اکثر کو پڑھایا۔ یہ نہ خیال کرو کہ پیغمبرِ اسلام کی تعلیم کی طرف یہ توجہ اور بے انتہا کوشش مدینہ ہی سے شروع ہوئی تھی بلکہ جس وقت سے آپ نے اپنا دعویٰ پیش کیا اور وحی الٰہی سے آپ مشرف ہوئے اسی کے ساتھ ساتھ آپ نے اس کی تعلیم دینا شروع کی۔ دیکھو عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی حالتِ کفر میں جب یہ معلوم ہوا کہ میری ہمشیر فاطمہ اور سعید چچیرا بھائی جس کی فاطمہ سے شادی ہوئی تھی مسلمان ہو گئے اور وہ اُن کی تنبیہ کے لئے فاطمہ کے گھر آئے تو دیکھا کہ اس وقت خباب بن الارت ان دونوں کو قرآن کی تعلیم دے رہے تھے۔[۶] اب جب مسلمان مکہ کے قیام میں قرآن لکھتے اور چھپ کر قرآن پڑھتے اور یاد کرتے۔ حالانکہ یہ وقت مسلمانوں کے لئے نہایت خطرناک اور خوف اور بے اطمینانی کا تھا تو کیا مدینہ کی قیام میں جو ان کے لئے نہایت آزادی اور اطمینان کا وقت تھا اس سے غافل ہو گئے ہوں گے اور نیز حضرت عمرؓ کے اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں نے اول ہی سے قرآن لکھنا شروع کر دیا تھا۔ آنحضرت کی یہ تعلیم قرآن محض انہیں مسلمانوں سے مخصوص نہ تھی جو مدینہ میں آئیں

---

[۱] ابن خلدون ج ۲ ص۶۶ [۲] استیعاب ج ۲ ص۲۵۵ [۳] ابن خلدون ج ۲ ص۵۵
[۴] عمرو بن معدیکرب عرب کے مشہور شعراء سے تھے۔ [۵] ابن خلدون ج ۲ ص۵۷ [۶] ابن خلدون۔

یا وہاں مقیم تھے بلکہ جو شہر گانوں یا قبیلہ مسلمان ہوتا یا مسلمان اُسے فتح کرتے وہاں اوّل پیغمبر اسلام کسی ایسے شخص کو مقرر کرکے بھیجتے جو اُنہیں قرآن پڑھائے۔ انصار مدینہ نبوت کے بارھویں سن میں آکر جب مسلمان ہوئے اور اپنے گھروں کو واپس ہونے لگے تو آنحضرتؐ نے ابن[1] ام مکتوم اور مصعب بن عمیر کو اُن کے ہمراہ کردیا تاکہ وہ قرآن کی تعلیم دیں۔ زید بن ثابت کہتے ہیں۔ آنحضرت کے مدینہ میں تشریف آوری کے وقت تک میں نے سترہ سورتیں پڑھ لیں تھیں۔ بعد آنے آنحضرت کے میں نے یہ تمام پڑھی ہوئی سورتیں آنحضرت کو سنائیں جس سے آپ نہایت خوش ہوئے۔ میں اس وقت گیارہ سال[2] کا تھا۔

سنہ ۸ھ میں جب مکہ معظمہ فتح ہوا تو وہاں معاذ کو آنحضرتؐ نے اس لئے چھوڑ دیا کہ وہ اہل مکہ کو قرآن پڑھائیں پھر سنہ ۱۰ھ میں حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد یمن اور حضرموت کی طرف معاذ کو روانہ فرمایا کہ وہاں کے لوگوں کو قرآن پڑھائیں[3]۔ ابو تمیم جیشانی کہتے ہیں۔ میں نے معاذ سے یمن میں قرآن پڑھا[4]۔ قارہ، عضل یہ دو قبیلے جب اسلام لائے تو اُن کو قرآن پڑھانے کے واسطے ان چھ صحابی کو روانہ فرمایا۔ مرثد، عاصم، خبیب، خالد بن بکر، زید بن دثنہ، عبداللہ بن طارق[5]۔ سنہ ۱۰ھ میں خالد بن ولید کو قبیلہ بنی الحارث کی طرف جو نجران کا اَن پڑھ گروہ تھا اِس لئے بھیجا کہ انہیں قرآن کی تعلیم دیں[6]۔ خالد کے ہمراہ اس قبیلہ کا وفد مدینہ آکر جب واپس ہوا تو عمرو بن حزم کو جن کی عمر سترہ[7] سال کی تھی ان کے ہمراہ تعلیم قرآن کے لئے کر دیا گیا[8]۔ وفد بنی سعد میں جو قضاعہ کی شاخ ہے ایک لڑکا قرآن کا بڑا عالم تھا[9]۔ عثمان بن ابی العاص وفد ثقیف میں آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آنحضرتؐ نے اُنہیں قرآن پڑھایا اور پھر اُبی بن کعب کی خدمت میں رہا اور قرآن پڑھتا رہا۔۔ (طبقات ج، ص ۲۶) وفد بہرار مدینہ میں قرآن پڑھ کر واپس گیا۔ کتب تواریخ سے ان ۲۵ قبیلوں کے جو مدینہ میں آکر مسلمان ہوئے۔ یعنی دوس[1]، ازد[2]، فروہ[3] جذامی، ہمدان[4]، طارق[5] بن عبداللہ، تجیب[6]، بنی سعد بذیم[7]، بنو اسد[8]، وفد بہرار[9]، وفد بنی عیش[10]، بنی حنیفہ[11]، عبدالقیس[12]، طی[13]، اشعریین[14]، صداء[15]، عذرا[16]، ثقیف[17]، بنی فزارہ[18]، غامد[19]، محارب[20]، خولان[21]، غسان[22]، بنی الحارث[23]، سلامان[24]، نخع[25]۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت اور نیز مصلحت بھی یہ تھی کہ ہر وفد کی واپسی پر ایک ایسا شخص ان کے ہمراہ کر دیا جاتا تھا جو انہیں قرآن پڑھائے اور احکام بتائے۔ اگرچہ یہ بات اُن لوگوں سے پوشیدہ نہیں جنہوں نے آنحضرت کے حالات کا مطالعہ کیا ہے اور یہ امر ایسا ظاہر ہے کہ مخالفین کو بھی اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا پڑا اور اس سے انکار نہ کر سکے۔ چنانچہ فاضل سر ولیم میور عیسائی نے بھی اسے تسلیم کیا ہے اور وہ

---

۱ ابن خلدون کامل ابن اثیر بخاری۔ ۲ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۱ ۳ استیعاب ج ۲ ص ۶۲۵۔ ۴ ابن خلدون ص ۹۵۔
۵ استیعاب ۶ استیعاب ج ۲ ص ۴۲۵ ۷ طبری ج ۳ ص ۱۵۶ ۸ خلدون ج ۲ ص ۵۵ ۹ زاد المعاد ص ۳۰۰۔

اپنے تذکرہ اسلام جلد۴ ص۱۰۱ میں لکھتے ہیں :۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ ایک معلم اُن قاصدوں کے ہمراہ کردیا جاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں عرب کی ساری سرزمین اسلام کی روشنی سے منور ہوگئی تھی۔ یمن، حجاز، نجد، کا بچہ بچہ خواہ مرد ہو یا عورت اسلام کے آگے سر اطاعت جھکا چکا تھا۔ عرب کا کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس کا دل اس کی سنہری شعاعوں سے چمک نہ اُٹھا ہو بلکہ اس وقت میں اسلام کے حلقہ بگوشوں کی تعداد حدودِ عرب سے تجاوز کرکے عراقِ عرب اور شام کی حدود تک پہنچ گئی تھی اور اُن حدود پر اپنی فتح مندی کا نشان بلند کیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قبیلہ اور ہر شہر اور ہر قریہ میں اسلام کا منادی اور قرآن کا معلم مقرر فرمایا تھا جن کا رات دن اور ہر وقت یہی کام اور یہی خیال اور دُھن تھی کہ ناواقفوں کو واقف اور قرآن کا ماہر بنایا جائے۔

مَاتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالْاِسْلَامُ قَدْ انْتَشَرَ وَظَہَرَ فِیْ جَمِیْعِ جَزِیْرَۃِ الْعَرَبِ مِنْ مُنْقَطِعِ الْبَحْرِ الْمَعْرُوْفِ بِبَحْرِ الْقُلْزُمِ مَارًّا اِلٰی سَوَاحِلِ الْیَمَنِ کُلِّہَا اِلٰی بَحْرِ فَارِسَ اِلٰی مُنْقَطِعِہٖ مَارًّا اِلَی الْفُرَاتِ ثُمَّ عَلٰی ضَفَّۃِ الْفُرَاتِ اِلٰی مُنْقَطِعِ الشَّامِ اِلٰی بَحْرِ الْقُلْزُمِ وَفِیْ ھٰذِہِ الْجَزِیْرَۃِ مِنَ الْمُدُنِ وَالْقُرٰی مَا لَا یَعْرِفُ عَدَدَہٗ اِلَّا اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ کَالْیَمَنِ وَالْبَحْرَیْنِ وَعُمَّانَ وَنَجْدٍ وَجَبَلَیْ طَیٍّ وَبِلَادِ مُضَرَ وَرَبِیْعَۃَ وَقُضَاعَۃَ وَالطَّائِفِ وَمَکَّۃَ کُلُّہُمْ قَدْ اَسْلَمَ وَبَنَوُا الْمَسَاجِدَ لَیْسَ فِیْہَا مَدِیْنَۃٌ وَلَا قَرْیَۃٌ وَحِلَّۃٌ لِاَعْرَابٍ اِلَّا قَدْ قُرِئَ فِیْہَا الْقُرْآنُ فِی الصَّلٰوتِ وَعَلَّمَہُ الصِّبْیَانُ وَالرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ وَکُتِبَ وَمَاتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالْمُسْلِمُوْنَ کَذٰلِکَ لَیْسَ بَیْنَہُمْ اِخْتِلَافٌ فِیْ شَیْئٍ اَصْلًا بَلْ کُلُّہُمْ کَلِمَۃٌ وَاحِدَۃٌ وَدِیْنٌ وَاحِدٌ وَمَقَالَۃٌ وَاحِدَۃٌ۔ (ص۴۲ جلد۲۔ مطبوعہ مصر)

یعنی آنحضرت کے عہد محترم میں تمام عرب کا جزیرہ مسلمان ہوگیا تھا اور اس جزیرہ میں بہت سے شہر اور گانوں ہیں جیسے یمن، بحرین، عمان، جبل طی اور مضر، ربیعہ، قضاعہ قبائل عرب کی بستیاں طائف مکہ اور ان تمام شہر اور مواضعات میں کوئی بھی ایسا مقام نہ تھا جہاں مسجد نہ ہو اور ان تمام مسجدوں میں نمازوں میں قرآن پڑھا جاتا تھا۔ تمام مسلمان اپنے بچوں اور عورتوں کو قرآن پڑھاتے تھے۔ اس وقت مسلمانوں میں کسی قسم کا اختلاف نہ تھا۔ علامہ کے اس بیان سے ثابت ہوا کہ جزیرہ عرب میں بہت سے شہر اور گانوں ہیں پھر اُن میں مسلمانوں کی تعداد سمجھ لینا چاہیئے کہ کس قدر ہوگی۔ جزیرہ عرب پانچ صوبوں میں منقسم ہے۔ یمن، حجاز، تہامہ، نجد، یمامہ۔ یمن کے مشہور شہروں میں حضرموت، مہرہ، عمان، شجر، نجران ہے۔ حجاز میں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ ہے اور مدینہ کے مشرق میں قبیلہ طی کے دو پہاڑ ہیں جن میں وہ آباد تھے یعنی آجا ر سلمی۔

آپ کی اس تعلیم کا یہ اثر ہوا کہ کثرت سے لوگ قرآن کے عالم ہوگئے۔

سنہ ۴ھ میں بنی عامر سے ابوبراء نجد کا یہودی جب مدینہ میں آیا اور اس نے اپنے ہمراہ معلمین لے جانے کی درخواست کی تو اُس وقت اس کے ہمراہ قُرَّاءِ قرآن کی ایک جماعت جس میں ستر یا چالیس آدمی تھے کر دیئے گئے۔ زاد المعاد صفحہ ۳۶ میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ ستر آدمی تھے اور اُن کے حال میں لکھتے ہیں۔ وَکَانُوْا مِنْ خِیَارِ الْمُسْلِمِیْنَ وَفُضَلَائِھِمْ وَسَادَاتِھِمْ وَقُرَّائِھِمْ۔ یعنی یہ نہایت دیندار سرداران اسلام سے تھے جو عالم و فاضل اور قاری تھے۔ ابتدائے ہجرت میں قرآن جاننے والوں کی جب یہ کثرت تھی کہ ایک قبیلہ کی تعلیم کے لئے ستر آدمی آپ نے روانہ فرما دیئے تو اس سے اس امر کا اندازہ نہایت سہل ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں میں اُس وقت ایسے لوگوں کی کس قدر تعداد ہو گی جو قرآن کے واقف ہوں اور سنہ ۴ھ سے سنہ ۱۰ھ تک اس میں جو کچھ اضافہ ہوا ہو گا اس کا اندازہ بھی اسی سے ہو سکتا ہے۔ رعل، ذکوان، عصیہ، بنولحیان آپ کی خدمت میں آئے اور اپنا اسلام ظاہر کیا اور اپنے ہمراہ اپنی قوم کے لئے معلّمین لے جانے کی خواہش کی[۱] ستر قاری رسولِ خدا نے اُن کے ہمراہ کر دیئے۔ اِس کے سوا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ملکی اور فوجی مناصب اور عہدہ کے لئے قرآن کی سند شرط کر دی تھی اور یہ عہدے اُنھیں سے مخصوص کر دیئے گئے تھے جن کے پاس قرآن کی سند ہو یعنی وہ قرآن جانتا ہو۔ اِس کے علاوہ نائب السلطنت اور وائسرائے بھی وہی شخص بنایا جاتا تھا جو قرآن جانتا ہو۔ فوج کا جنرل آپ اُسی کو مقرر فرماتے جو قرآن جانتا ہو، یا دوسروں سے زیادہ ہو۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضہ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعْثًا وَّھُمْ ذُوْعَدَدٍ فَاسْتَقْرَأَھُمْ فَاسْتَقْرَأَ کُلَّ رَجُلٍ مِنْھُمْ یَعْنِیْ مَا ھُوَ مَعَہٗ مِنَ الْقُرْاٰنِ فَاَتٰی عَلٰی رَجُلٍ مِنْ اَحْدَثِھِمْ سِنًّا فَقَالَ مَا مَعَکَ یَا فُلَانُ فَقَالَ مَعِیْ کَذَا وَکَذَا وَسُوْرَۃُ الْبَقَرِ فَقَالَ اَمَعَکَ سُوْرَۃُ الْبَقَرِ قَالَ نَعَمْ قَالَ اذْھَبْ فَاَنْتَ اَمِیْرُھُمْ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ اَشْرَافِھِمْ وَاللّٰہِ مَا مَنَعَنِیْ اَنْ اَتَعَلَّمَ الْبَقَرَ اِلَّا الْخَشْیَۃَ اَنْ لَا اَقُوْمَ بِھَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَعَلَّمُوا الْقُرْاٰنَ وَاقْرَءُوْہُ۔ (ترمذی ج ۲)

ترمذی میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑا لشکر مرتب فرما کر روانہ فرمایا اور لشکر کے ہر سپاہی کا قرآن سُنا۔ ہر ایک نے جو اُسے یاد تھا پڑھا۔ اِن سپاہیوں میں جو تمام سے عمر میں کم تھا اُس سے فرمایا کہ تجھے کس قدر یاد ہے۔ اُس نے چند سورتوں کا نام لیا جس میں سورۂ بقر بھی تھی۔ آپ نے فرمایا واقعی تجھے تمام سورۂ بقر یاد ہے۔ عرض کیا بے شک۔ تب آپ نے اُسی کو اس فوج کا جنرل مقرر فرمایا۔ اِس لشکر میں سے ایک بزرگِ قوم نے عرض کیا کہ میں نے تو سورۂ بقر اس خیال سے نہیں یاد کی کہ شاید اُس پر عمل دُشوار ہو۔ آپ نے فرمایا کہ قرآن پڑھو اور پڑھاؤ۔

---

[۱] بخاری کتاب السیر۔

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اُس عہد میں قرآن کی تعلیم ایسی عام ہوگئی تھی کہ فوج کے ہر سپاہی کو کچھ حصہ قرآن کا یاد تھا۔ اُس کی نظیر آج بھی باوجود کثرتِ اسباب اور ذرائع کے موجود نہیں ہے اور چوں کہ اُس وقت قرآن ایسا عام تھا کہ فوجی سپاہیوں کو بھی یاد ہوتا تھا اِس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محض قرآن دانی کی وجہ سے کسی سپاہی کو جنرل مقرر نہیں فرما سکتے تھے۔ کیونکہ قرآن سب ہی کو یاد تھا بلکہ اس کے لئے امتحان کی ضرورت پڑی۔ چنانچہ اسی لئے آپ نے ہر ایک سپاہی کا امتحان لیا اور پھر جس کو قرآن میں زیادہ پایا اسی کو جنرل بنایا اور اس کے مقابلہ میں عمر کی زیادتی یا قومی شرافت کا لحاظ نہیں کیا گیا بلکہ ایسے سپاہی کو جو عمر میں تمام سے کم تھا محض قرآن کی وجہ سے افسر فوج مقرر کیا حالانکہ اور تمام اس سے بڑے تھے۔ اور ایک شخص ایسا بھی تھا جو سردار قوم تھا چونکہ اُس عہد میں جو طریقۂ جنگ تھا اُس کے فنون سے عرب کا ہر ایک شخص واقف تھا اور لڑکپن سے ہی اُس کی مہارت اور کمال حاصل کیا جاتا تھا اِس لئے یہ خیال نہیں ہوسکتا کہ فوج کی افسری کے لئے قرآن کو معیار قرار دینا بے جوڑ ہے بلکہ فنونِ جنگ میں مہارت اور واقفیت کو معیار بنانا چاہیئے کیونکہ اس میں تو عرب کے ہر آدمی کو کمال حاصل ہی تھا۔ ملکی عہدے بھی اُنھیں سے مخصوص تھے جن کے پاس قرآن کی سند ہو۔ کسی ضلع کا حاکم (کلکٹر) یا صوبہ کا والی (لفٹنٹ گورنر) یا سلطان کا نائب (وائسرائے) وہی بنایا جاتا تھا جس کو قرآن کی وجہ سے فضیلت ہو۔

تاریخ ابن ہشام میں ہے۔ طائف جس میں قبیلہ ثقیف تھا اس کا حاکم عثمان بن ابی العاص کو مقرر کیا محض اس وجہ سے کہ اس کو علم کا شوق زیادہ تھا اور قرآن پڑھا تھا۔ مراد، زبید، مذحج۔ ان تینوں قبیلوں کا حاکم فروہ مرادی کو صرف اس لئے مقرر کیا کہ اس نے قرآن پڑھا تھا۔ رسولِ خدا نے یمن وفد روانہ کیا اور ان میں سے ایک کم سن والے کو اُن کا امیر اس لئے مقرر کیا کہ اُس نے قرآن پڑھا تھا[1]۔ آپ کے عہد میں امامتِ نماز کا حق بھی صرف سلطان اور اُس کے نائب اور حاکم کا تھا چنانچہ خلیفۂ اوّل کو آنحضرتؐ نے چونکہ اپنے سامنے امام نماز مقرر فرمایا تھا[3] اس وجہ سے آپ کے بعد وہ خلیفہ بنائے گئے۔ نماز کی امامت کے لئے آپ نے یہ قانون مقرر کیا تھا کہ جس کو قرآن زیادہ یاد ہو وہی نماز پڑھائے جس کا مطلب بالفاظ دیگر یہ ہوا کہ جس کو قرآن زیادہ یاد ہو وہی حاکم کیا جائے ....

قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) قاضی (جج) بھی ایسے ہی لوگ بنائے جاتے تھے جن کو قرآن یاد تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تو اپنا قائم مقام ایسے ہی شخص کو مقرر فرماتے جو قرآن جانتا ہو۔ اکثر ابن ام مکتوم کو جو نابینا تھے مگر قرآن یاد تھا۔ آنحضرت مدینہ

---

[1] ابن خلدون ج ۲ ص ۵۔ [2] کنز العمال ج ۱ ص ۲۱۷۔

[3] تمام صحابہ میں سے آنحضرتؐ کا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امام مقرر کرنا دلیل ہے اس امر کی کہ حضرت ابوبکرؓ کو پورا قرآن یاد تھا اور دیگر صحابہ سے آپ اس کے زیادہ واقف تھے۔

میں اپنا نائب بناتے۔ تمام صوبہ یمن کا معاذ کو جج مقرر کیا۔ اب اِن واقعات کے بعد دیکھئے کہ اِس وقت گورنمنٹ نے ہر شعبہ کے اعلیٰ عہدے کو اپنی قوم سے خاص کر دیا ہے خواہ وہ ملکی ہو یا فوجی یا تعلیمی۔ فوج کا افسر اعلیٰ یعنی کمانڈر انچیف، ملکی اعلیٰ افسر (گورنر جنرل) تعلیمی افسر اعلیٰ (ڈائریکٹر) ان کے قوم کے سوا دوسرا نہیں ہو سکتا۔ البتہ ان کے ماتحتی میں چند عہدے اہل ہند مقرر کئے جاتے ہیں۔ لیکن اس کے لئے جس سند کی شرط ہے باوجودیکہ وہ دوسری زبان ہے اور اُس کے حاصل کرنے میں بھی دس پندرہ سال صرف ہوتے ہیں لیکن اس پر بھی لاکھوں کی تعداد میں اس کے سند یافتہ ملک میں موجود ہیں۔ اب اس پر غور کرو کہ جو علم اُن کی زبان میں ہو، جس کے لئے زیادہ وقت بھی صرف نہ ہو، جس کی وجہ سے ملکی، فوجی، تعلیمی، ہر قسم کے منصب کا بلا استثنا چھوٹے بڑے عہدے کا ہر صیغہ میں مستحق ہو جائے۔ اور ان تمام امور کے سوا بھی مذہبی مقتدا اور دینی اعتبار سے بھی بڑے بڑے منصب کا مستحق بنایا جائے تو ایسے علم کے سند یافتوں کی تعداد اُس وقت ملک میں کس قدر ہوگی اور جس سند کے حاصل کرنے میں زیادہ وقت اور ناقابلِ برداشت محنت کی ضرورت نہو اور جس سند سے بلا استثناء ہر دنیاوی منصب اور عہدے کا مستحق ہو اور اسی کے ساتھ دینی برکتوں اور اُخروی فضائل کا بھی وارث ہو تو ایسی سند کے لئے کتنے دل مائل ہوں گے اور کون ایسا ہوگا جو اس میں کمی کرے گا۔ اور کون ہوگا جو اس کے لئے نہ تڑپے گا۔ ان کے علاوہ بھی ہر طرح کے مناسب امور ترغیب کے لئے آپ اختیار فرماتے۔ غزوہ احد میں شہداء کے دفن کرتے وقت آپ نے ایک قبر اور کفن میں متعدد کو دفن فرمایا اور اُن میں اس کا لحاظ رکھا کہ جس کو قرآن زیادہ یاد تھا اس کو دفن میں مقدم فرمایا۔ (بخاری جنائز)

ایک شخص سے ایک عورت کا نکاح بلا مہر معجل اس لئے کر دیا کہ اُس کو قرآن کی کچھ سورتیں یاد تھیں۔ (بخاری نکاح)

اِن سب اسباب و ذرائع کے سوا قرآن پاک میں زبان کی شیرینی، الفاظ کی مناسبت اور نہایت اعلیٰ بندش، اُس کے جملوں کا اُتار چڑھاؤ ایسا بے مثل اور پاکیزہ ہے جس کے سُننے سے اہلِ زبان کے علماء اور فصحاء اُدباء بے اختیار ہو گئے اور قرآن کے مقناطیسی جذبات نے ہر دل کو اپنا ایسا فریفتہ اور گرویدہ بنا لیا کہ فصحاء اور شعرائے عرب نے قرآن سُن کر شعر کہنا چھوڑ دیا۔

فاضل نوفل مسیحی صَنَاجَۃُ الطَّرَب ص۴۹ میں لکھتے ہیں۔ قَالَ صَاحِبُ تَذْكِرَةِ الْحُكَمِ فِي طَبَقَاتِ الْأُمَمِ اِنَّ الْعَرَبَ اَقَامَتْ تَسْجُدُ لِهٰذِهِ الْمُعَلَّقَاتِ نَحْوَ مِأَةٍ وَخَمْسِيْنَ سَنَةً اِلٰى اَنْ ظَهَرَ الْاِسْلَامُ وَاَبْطَلَ الْقُرْاٰنُ بِسَطْوَةِ فَصَاحَتِهٖ اعْتِبَارَ الْعَرَبِ لِهٰذِهِ الْمُعَلَّقَاتِ۔ اہلِ عرب[1]

---

[1] اہلِ عرب جس طرح اصنام اور احبار کو سجدہ کرتے تھے اسی طرح فصاحت اور بلاغت کی پرستش کا بھی اُن میں رواج تھا دیکھو ضمیمہ۔

معلقاتِ سبعہ کو ڈیڑھ سو برس سجدہ کرتے رہے۔ جب قرآن نازل ہوا تو اس کی فصاحت نے اُنھیں گرد کر دیا۔ خلیفہ دوم نے ایک بار لبید بن ربیعہ شاعر سے کہا کہ اپنے کچھ اشعار سُنا۔ اس نے عرض کیا کہ میں نے سورۂ بقر اور آل عمران جب سے پڑھی ہے اُسی وقت سے شعر کہنا چھوڑ دیا[1]

طبقات ابن سعد کی ج ۲ ص۱۲ اور جمہرۃ کے ص۳۱ میں ہے کہ لبید نے مسلمان ہونے کے بعد اِس بنا پر شعر کہنا چھوڑ دیا کہ قرآن میں اُسے اس سے زیادہ لُطف اور لذت ملتی تھی اور اسی لئے اُس نے تمام قرآن یاد کر لیا تھا۔ طبقات الشعراء میں ہے کہ لبید سے حضرت عمرؓ نے شعر سنانے کی فرمائش کی تو لبید نے سورہ بقر سے کچھ سنا کر عرض کیا کہ خدا نے بقر، آل عمران کا جب سے مجھے علم دیا اُس وقت سے مین نے شعر کہنا چھوڑ دیا۔ حضرت عمرؓ نے اُس کے وظیفہ میں پانسو کی ترقی کی اور بجائے دو ہزار کے ڈھائی ہزار کر دیا۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کے ارادے سے جب حبشہ کے سفر کا قصد کیا تو ابن دغنہ راستے سے آپ کو واپس لایا اور خود اُن کا ذمّہ دار ہو گیا اور کہا کہ آج سے کوئی شخص آپ سے تعارض نہ کرے گا چنانچہ کفار مکہ سے ابن دغنہ نے یہ تمام حال کہا۔ کفار نے کہا بہتر لیکن آپ ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہہ دیں کہ نماز میں قرآن زور سے نہ پڑھیں کیونکہ قرآن سُن کر ہماری اولاد اور عورتیں بے خود ہو جاتی ہیں اور اس کی فصاحت کا اثر اُن کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے جس کی وجہ سے ہمیں اُن کے مسلمان ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

قبل اسلام لانے کے خالد بن ولید نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ قرآن سُنائے۔ آپ نے آیاتِ ذیل پڑھیں۔ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ۔ آخر تک اس کو پڑھا۔ اس کے سننے سے خالد بن ولید کے شوق کی حرارت اور بڑھ گئی اور قلب کی لذت نے ھل من مزید کا نعرہ بلند کیا جس پر خالد نے درخواست کی کہ انہیں آیات کو پھر دوبارہ پڑھ دیجئے۔ آپ نے پھر سُنایا۔ اب تو خالد بے اختیار بول اُٹھے۔ وَاللّٰهِ اِنَّهُ لَحَلَاوَةٌ۔ وَاِنَّ عَلَيْهِ لَطَلَاوَةٌ۔ وَاِنَّ اَسْفَلَهُ لَمُغْدِقٌ وَاِنَّ اَعْلَاهُ لَمُثْمِرٌ۔ وما يقول هذا بشر[2]۔ یعنی خدا کی قسم یہ کلام شیریں ہے اور اس میں حُسن و خوبی ہے۔ یہ سرتا پا سرسبز و شاداب درخت ہے جو نیچے سے ہرا اور اوپر سے بھرا ہوا ہے۔ انسان کی تو یہ طاقت نہیں کہ ایسا کلام بول سکے۔

حبشہ میں شاہِ حبشہ کو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورہ کہٰیٰعص سُنائی تو اس نے سُن کر بے اختیار شہادت دی کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ اور مسلمان ہو گیا۔

---

[1] استیعاب ج ۱ ص۱۶۵ [2] استیعاب ج ۱ ص۱۵۹

عقبہ بن ربیعہ نے جو اپنی قوم کا سردار تھا ایک روز قریش کے مجمع میں کہا کہ تم اگر راضی ہو تو آنحضرتؐ سے مصالحت کی گفتگو کروں۔ شاید وہ مان جائیں۔ تمام نے باتفاق اسے منظور کیا۔ عقبہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اُس وقت آپ مسجدِ حرام میں تنہا بیٹھے ہوئے تھے اور کچھ باتیں ایسی کیں جن کا منشاء یہ تھا کہ آپ اپنی دعوت سے باز آئیں۔ آپ نے اُسے سورۂ حٰم سُنائی جس پر وہ متحیّر اور بیخود ہو گیا اور کفار سے کہا۔ وَاللّٰہِ مَا سَمِعْتُ مِثْلَہٗ قَطُّ وَاللّٰہِ مَا ھُوَ بِالشِّعْرِ وَلَا بِالسِّحْرِ وَلَا بِالْکَہَانَۃِ یعنی میں نے تو آج تک ایسا کلام سُنا ہی نہیں خدا کی قسم یہ جادو یا شعر اور کہانت نہیں ہے[۱]۔ عمر رضی اللہ عنہ نے جو اپنے گھر سے اِس ارادے سے نکلے تھے کہ آج سرِ مبارک کو جُدا کر کے لاؤں گا۔ جب آپ نے بہن فاطمہؓ سے قرآن سُنا تو اسلام پر مجبور ہو گئے اور بے اختیار بول اُٹھے کہ یہ کلام عجیب ہے ایسا تو کبھی سُنا نہیں۔ عقبہ اولیٰ میں مدینہ کے چھ آدمیوں کو آپ نے جب قرآن سُنایا تو وہ بول اُٹھے، بے شک آپ نبی ہیں اور یہ کلام اپنی تاثیر میں بے نظیر ہے۔ اِس قسم کے واقعات اسلامی تاریخوں میں بہت ہیں جن سے یہ بات یقینی ثابت ہوتی ہے کہ مخالفین اہلِ عرب نے جو زبان داں اور اس کے فاضل اور ادیب فصیح تھے ... جن کو قرآن کی عربیت کے تولنے اور اس کی لطافت، خوبی، عمدگی، شیرینی، دل فریبی، جذب مقناطیسی کے جانچنے اور اندازہ کرنے اور سمجھنے کا کامل استحقاق تھا اور ان ہی کی طبیعت اور ذوق ان اُمور کے لئے کسوٹی اور ترازو تھی، قرآن کی بلاغت کے سامنے سر جُھکا دیا اور اس میں کلام نہیں کیا اور نیز صحابہ میں بھی ایسی بڑی جماعت فصحاء اور ادباء کی تھی جو اعلیٰ درجہ کے فصیح اور بلیغ تھے اور کلامِ فصیح اور غیر فصیح میں فیصلے اور امتیاز کی کامل استعداد اور ملکہ راسخہ مبداءِ فیاض نے اُن کو عطا فرمایا تھا۔ جب ان صحابہ اور نیز اُس وقت کے مخالفین نے جو زبان عربی کے ماہر تھے قرآن کی فصاحت اور بلاغت کو مان لیا اور اس پر کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا تو ان اہلِ زبان کے مقابلہ میں غیر زبان داں کے شکوک کی کیا وقعت ہو گی۔ اور وہ سچائی کے میدان میں کہاں تک متحرک نظر آئیں گے یا کسی ایک دو اہلِ زبان کی مخالفت ایک بڑی جماعت کے مقابلہ میں کیا ٹھہر سکتی ہے اور کب تک مقابلہ میں ثابت قدم رہے گی۔

الحاصل قرآن نے اپنے اُن اوصاف سے بھی تمام اہلِ عرب کے دلوں کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنا فریفتہ اور گرویدہ کر لیا تھا اور اُس وقت یہ حالت تھی کہ مسلمانوں کے سوا کفار بھی اسے سُن کر ایسے بے چین ہوتے کہ یاد کر لیتے تھے۔ ابوسفیان، ابوجہل، عمرو بن وھب، اخنس بن شریق۔ جو اسلام اور مسلمانوں کی عداوت اور مخالفت پر بے انتہا تُلے ہوئے تھے اور اُن کے رگ و ریشے میں اس کا خون جوش زن تھا وہ بھی چُھپ کر سُننے پر بے اختیار تھے۔ ایک بار کا واقعہ ہے کہ ان تینوں نے

---

[۱] ابن ہشام ج ۱ ص ۹۹

تین شب متواتر چھپ کر اس طرح سے کہ کوئی نہ جانے رسولِ خدا کا پڑھنا سُنا اور ہر روز دن میں اپنے اِس فعل پر نفرین اور ملامت کی، لیکن رات میں جب پڑھنے کی آواز کانوں میں پڑتی تو بے اختیار نکلتے اور موقع پر جا پہنچتے۔[1]

طفیل بن عمرو دوسی جو اپنی قوم میں سردار اور بڑا شاعر اور سمجھدار تھا جب مکہ آیا تو اُس کے پاس قریش کے چند آدمی آئے اور کہا کہ اے طفیل دیکھ ہرگز اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے نزدیک نہ جانا اور نہ اس کی بات سُننا، اس کے سائے سے بھاگنا، اس کا کلام ایسا ہے کہ آدمی اُسے سُن کر مفتون ہو جاتا ہے، اُس کے ہوش و حواس باقی نہیں رہتے۔ لیکن طفیل نے ان کی بات نہ سُنی اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اُسے جب قرآن سُنایا تو بے اختیار کہا۔ وَاللّٰہِ مَا سَمِعْتُ قَوْلًا اَحْسَنَ مِنْہُ۔ خدا جانتا ہے میں نے تو اپنی عمر میں کبھی اس سے بہتر کلام کسی کا نہیں سُنا اور ایمان لے آیا۔[2] مکہ میں عیسائی آئے۔ رسولِ خدا نے اُن کو قرآن سُنایا۔ جب اُنھوں نے قرآن سُنا بے اختیار اُس پر ایمان لے آئے۔[3] سوید بن صامت جس کا نام ــــــــ عرب کے اہلِ کمال کی فہرست میں تھا اور اپنے عہد میں ہر اعتبار سے شہرت کے تخت کا مالک تھا جب مکہ آیا اور رسولِ خدا اس کے پاس آئے تو آپ سے کہا کہ جس طرح کا کلام تمہارے پاس ہے ویسا ہی میں جانتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تیرے پاس کیا ہے۔ کہا لقمان کے نصائح۔ فرمایا پڑھو۔ جب اُس نے سُنایا تو آپ نے اُس کی تحسین کی اور فرمایا۔ میرے پاس اس سے بھی اعلیٰ ہے جس کو خدا نے اُتارا ہے۔ سوید نے کہا سُنایئے۔ تب آپ نے سُنایا۔ سوید نے کہا واقعی یہ عمدہ ہے اور ایمان لایا۔[4] اسید بن حضیر اور سعد بن معاذ پر مصعب بن عمیر نے جب قرآن پڑھا تو وہ ایمان لے آئے۔[5] نابغہ جعدی جو عرب کے مشہور شعرا اور اربابِ کمال میں تھا جب مسلمان ہوا تو قرآن کی تعریف میں کہا۔ قرآن فصاحت و بلاغت کا چمکتا ہوا روشن ستارہ ہے۔[6] عمرو بن سلمہ نے سات سال کے سِن میں جبکہ وہ کفر کی تاریکی میں چھپے ہوئے تھے اور ایک ایسے پانی کے چشمہ پر جو لوگوں کا گذرگاہ تھا، مقیم تھے محض آنے جانے والوں سے سُن کر کچھ قرآن یاد کر لیا تھا۔[7] کیا اس سات برس کے بچّے کا قرآن یاد کرنا کسی جوش مذہبی اور حُسن عقیدت کا کرشمہ تھا۔ اس کی تصدیق تو اُن کے کفر کی حالت سے کر لو یا کسی دنیا کی طمع سے تھا۔ نہیں نہیں بجز اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ قرآن کی خوبی اور عمدگی نے اس بچہ کے دل پر اپنا خاص اثر کر کے اپنا شیدا اور فریفتہ بنا لیا اور اس کے دل میں اس قدر ذوق و شوق ہو گیا کہ جو اس راستہ سے گذرتا وہ اُس سے سُن سُن کر یاد کر لیتا جس طرح آجکل بھی چھوٹے چھوٹے بچّے اچھے کلام کو سُن سُن کے اپنے شوق سے یاد کر لیتے ہیں۔

---

[1] ابن ہشام ج ۱ صفحہ ۱۰۱ [2] ابن ہشام ج ۱ صفحہ ۱۲۳ [3] ابن ہشام ج ۱ صفحہ ۱۲۶

[4] ابن ہشام ج ۱ صفحہ ۱۴۵ تاریخ طبری ج ۲ صفحہ ۲۳۴ [5] ابن ہشام صفحہ ۱۵۵ [6] آغانی ج ۴ صفحہ ۱۳۰ [7] بخاری مغازی۔

الغرض کسی کلام اور کتاب کے یاد کرنے اور لکھنے اور پاس محفوظ رکھنے کے چار سبب ہو سکتے ہیں:

(۱) اُس کے یاد کرنے میں کوئی مذہبی ثواب ہو اور مذہب کی طرف سے اس کی تاکید ہو۔ اگر کسی کتاب میں یہ خصوصیت ہو تو تنہا اسی کی وجہ سے وہ کتاب مرغوب اور پسندیدہ ہو جاتی ہے اور لوگ اُسے لکھتے ہیں اور محفوظ رکھتے ہیں۔

(۲) کسی کتاب یا کلام کی یاد میں دنیاوی نفع یا عہدہ کی اُمید دلائی جائے تو اس وجہ سے بھی وہ یاد کی جاتی ہے جیسے آج کل نصاب امتحان کی کتابوں کی یاد میں طلبہ کس قدر محنتِ شاقہ اٹھاتے ہیں۔

(۳) کسی کے متعلق دنیاوی ضرورت ہو یا اخلاقی یا مذہبی یعنی وہ قانونِ تمدن ہو یا مذہبی تو اُس کو بھی یاد کر لیتے ہیں اور اُس کی نقلیں کرتے ہیں۔

(۴) جو کلام نہایت عمدہ اور خوب ہو خصوصاً جبکہ وہ زبان اور معنی دونوں کے حسن سے آراستہ ہو اور بلاغت و فصاحت کے اعلیٰ زینہ پر ہو تو ایسا کلام بھی عام و خاص کی زبان پر ہوتا ہے اور عالمگیر شہرت اور قبولیتِ عام کی وجہ سے ہر شخص کے کانوں تک پہنچ جاتا ہے اور ملک کے ہر کس و ناکس کو یاد ہو جاتا ہے۔

یہ چار وجہ ایسی ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کلام کے یاد کرنے اور لکھنے کے لئے مستقل اور کافی دلیل ہے اور اس وقت اس کی ہزاروں مثالیں شہادت میں پیش کی جاسکتی ہیں۔ اب جس کلام اور کتاب میں یہ چاروں باتیں جمع ہو جائیں یعنی عہدِ مبارک میں قرآنِ پاک دنیاوی عہدوں کے لئے سند تھا مذہبی ثواب میں کوئی عمل اس کا ہمسر نہ تھا۔ اخلاقی، تمدنی، مذہبی قانون ہی فصاحت و بلاغت میں بھی اعلیٰ ہے۔ تو کیا ان تمام وجوہ کا ایک جگہ جمع ہو جانا قرآن کے لکھنے اور یاد کرنے کے لئے روشن دلیل نہیں اور کیا اتنے اسباب کے جاننے کے بعد بھی اُس وقت میں قرآن کے لاکھوں حفاظ کے ہونے میں شبہ ہو سکتا ہے اور کیا یہ قطعی نہیں کہ اس سے بہت زیادہ تعداد میں اس وقت اس کے نسخے ہونگے جن واقعات کی تصدیق کے لئے اُن کے علل اور اسباب کی شہادت ہو تو ایسے واقعات کے یقین کے لئے اور ان کے یاد کرنے اور ماننے کے لئے ہر قلبِ سلیم اور ہر فہمِ مستقیم مستعد اور آمادہ پایا جاتا ہے اور ان واقعات کی بنیاد ایسے بلند مضبوط پہاڑ کی چٹان پر قائم ہے جہاں کسی قسم کی تاریکی، بطالت، کجروی کے شک و شبہ کا گرد و غبار بھی نہیں پہنچ سکتا اور نہ کسی قسم کا تزلزل اس میں پیدا کر سکتا ہے بلکہ یہ شبہات اور توہمات جب اس چٹان سے ٹکراتے ہیں تو خود ہی پاش پاش ہو کر تارِ عنکبوت کی طرح اُڑ جاتے ہیں۔ عہدِ مبارک میں قرآن کی یاد کرنے اور لکھنے کے ثبوت میں ان اسباب کی شہادت کے بعد اگرچہ اس امر کی ضرورت نہیں رہتی کہ اُن حفاظِ قرآن کا نام نامی بتایا جائے جن کو عہدِ اوّل میں قرآن یاد تھا اور اسی طرح قرآن کے جو نسخے اُس وقت میں مرتب

لکھے ہوئے تھے اُن کے بتلانے کی بھی حاجت نہیں لیکن مزید اطمینان اور اظہارِ واقعہ کے لئے ہم یہاں مناسب سمجھتے ہیں کہ اوّل حفاظِ قرآن کی فہرست دیں اُس کے بعد قرآن کے اُن نسخوں کا پتہ بتائیں جو آپ کے عہد میں لکھے گئے تھے۔

حفّاظِ قرآن

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علاوہ اُن ترغیبات کے جو قرآن کے تلاوت اور پڑھنے کے متعلق فرمائیں حفظِ قرآن کے متعلق خصوصیت سے کیں۔

کتاب بخاری کی تفسیر میں ہے، جو شخص قرآن کا حافظ ہو اور وہ قرآن تلاوت کرے وہ ملائکہ کرام کے ہم پلّہ ہے۔ آپ کے اس ارشاد کی تعمیل اور اپنی تکمیل کے لئے صحابہ میں اکثر کو قرآن کے حفظ کا خیال تھا اور قرآن کا جو حصّہ نازل ہوتا تھا اُسے وہ حفظ کر لیتے تھے۔ زبدۃ البیان فی رسوم مصاحف عثمان میں ہے۔ كَانَ دَأْبُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ مِنْ أَوَّلِ نُزُولِ الْوَحْيِ إِلَى آخِرِهِ الْمُسَارَعَةَ إِلَى حِفْظِهِ یعنی تمام زمانہ نزول وحی میں اوّل سے لے کر آخیر تک صحابۂ کرام کی یہ عادت اور معمول رہا ہے کہ وحی اور قرآن کا جو حصّہ نازل ہوتا اُس کو فوراً حفظ کر لیتے۔ اسی وجہ سے صحابہ میں ہزاروں کی تعداد تھی جن کو قرآن حفظ تھا۔ چونکہ آپ کے مقدس عہد میں بہت کثرت سے حفّاظِ قرآن تھے اور مسلمانوں میں اس کا عام رواج تھا۔ ہر مسلمان کے لئے قرآن کا حفظ لازم تھا اور مسلمان اور حافظِ قرآن ان دونوں کے ایک ہی معنی تھے۔ یہ دونوں بمنزلہ الفاظ مترادفہ کے ہو گئے تھے۔ اِس لئے اُس وقت کے رواج کے موافق کسی مسلمان کی حالت کے بیان میں یہ نہیں کہا جاتا تھا کہ وہ حافظِ قرآن ہے بلکہ حفظِ قرآن کے لئے محض مسلمان ہونا کافی تھا یہی وجہ ہے کہ صحابہ کے حالات میں اُن کے حفظ کی صفت کو اکثر میں چھوڑ دیا ہے حالانکہ اُن میں اکثر بلکہ تمام ہی قرآن کے حافظ تھے۔ اس کثرت کا اندازہ اِس سے ہو سکتا ہے کہ غزوۂ اُحد میں شہداءِ اُحد کو آنحضرتؐ نے جب دفن کیا تو چونکہ ایک قبر میں کئی شہید آپ دفن کرتے تھے اس لئے آپ دفن سے پہلے دریافت فرماتے کہ ان میں زیادہ قرآن کس کو یاد ہے۔ ترمذی میں ہے۔ فَكَثُرَ الْقَتْلَى وَقَلَّتِ الثِّيَابُ قَالَ فَكُفِنَ الرَّجُلُ وَالرَّجُلَانِ وَالثَّلٰثَةُ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ ثُمَّ يُدْفَنُونَ فِي قَبْرٍ وَاحِدٍ قَالَ فَجَعَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُ عَنْهُمْ أَيُّهُمْ أَكْثَرُ قُرْآنًا فَيُقَدِّمُهُ إِلَى الْقِبْلَةِ (ج ا ص ۱۲۱) یعنی شہداء زیادہ تھے اور کفن کم اس لئے ایک ایک کپڑے میں دو دو اور تین تین بھی رکھے گئے اور ایک قبر میں دفن کئے گئے۔ دفن کے وقت آنحضرتؐ دریافت فرماتے کہ ان میں قرآن میں زیادہ کون ہے۔ جو زیادہ ہوتا اُسی کو قبلہ کی جانب مقدم کرتے۔ یہاں سے کئی باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) آنحضرت کے اس دریافت فرمانے سے کہ ان میں قرآن کا زیادہ حافظ کون ہے معلوم ہوا کہ شہدائے اُحد میں قرآن سب کو یاد تھا مگر فرق صرف یہی تھا کہ کسی کو زیادہ کسی کو کم ورنہ آپ محض کمی زیادتی ہی کے دریافت فرمانے پر اکتفا نہ فرماتے بلکہ یہ بھی دریافت کرتے کہ ان میں کس کو یاد ہے اور کس کو نہیں یاد ہے۔

(۲) دوسرے قرآن ایسا عام ہو گیا تھا اور اس طرح سے وہ اسے پڑھتے پڑھاتے تھے کہ آپس میں ایک دوسرے کی حالت سے پورے واقف تھے۔ آپ کے عہد میں محض بیر معونہ میں ستر حفاظ جو قرآن کی تعلیم کے لئے جا رہے تھے شہید کئے گئے۔ یہاں یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ ایک چھوٹی سی جماعت کی تعلیم کے لئے مسلمانوں سے ستر حفاظ کا جانا کیا اس امر پر روشن نشان نہیں کہ اُس وقت مسلمانوں میں حفاظ کی ایسی کثرت تھی جو ایک قبیلہ کے لئے ستر حفاظ تیار ہو گئے اور اسی کے ساتھ جب یہ خیال کیا جائے کہ اُس وقت میں اکثر قبیلوں اور ملکوں اور قریوں میں حفاظ قرآن روزانہ روانہ کئے جاتے تھے اور ہر مسلمان قبیلہ اور شہر میں آپ تعلیم کے لئے حفاظ قرآن روزانہ روانہ فرماتے تھے۔ تو ایسی حالت میں جب ایک مقام کو اس قدر حفاظ روانہ کئے گئے تو دیگر قبائل اور شہروں اور خود مدینہ میں کس قدر حفاظ ہوں گے اور پھر آئندہ کی ضرورت کے واسطے بھی ضرور ایک کافی تعداد میں ہوگی ورنہ کافی تعداد نہ ہونے پر ہرگز بیر معونہ کے موقع پر ستر حفاظ مدینہ سے روانہ نہ کئے جاتے اور نیز دیگر ممالک اسلام اور قبائل میں بھی ضرور اسی نسبت سے حفاظ کی تعداد ہوگی۔

سلاھ میں مسیلمہ یمامی اور مسلمانوں کا جب مقابلہ ہوا تو اس میں مدینہ کے مہاجرین اور انصار دونوں ملاکر تین سو شہید ہوئے جس میں ستر آدمی وہ تھے جو قرآن کے حافظ تھے۔ مورخینِ اسلام نے تو صحابہ کے حالات میں اس بنا پر حفظِ قرآن کو نہیں لکھا کہ اس وقت میں قرآن کا یاد کرنا بہت عام تھا اور یہ عام ہونے کی وجہ سے قابلِ ذکر وصف ہی نہیں رہا تھا اور نہ یہ کوئی خاص اور امتیازی وصف سمجھا جاتا تھا۔ لیکن چونکہ بعض ناواقفوں کو اس سے یہ خیال ہوا کہ صحابہ میں حفاظِ قرآن بہت کم تھے بلکہ اِس قدر تھے جو اُنگلیوں پر شمار کئے جاسکتے ہیں اور نیز بعض روایات بھی ایسی ہیں جو اپنی ظاہری معنی کی رُو سے اس خیال کی تائید کرتی ہیں۔ اِس لئے میں یہاں چند حفاظ صحابہ کا نام لکھتا ہوں تاکہ انھیں معلوم ہو کہ اُن کا یہ خیال سچائی اور واقعیت سے کِس قدر دُور ہے اور یہ روایات اپنے ظاہر معنی کی رُو سے صحیح نہیں۔

(۱) عبداللہ بن عمرو بن العاص نے ۵ھ میں انتقال کیا۔ استیعاب میں ہے۔ کَانَ فَاضِلاً حَافِظًا عَالِمًا قَرَأَ الْکِتَابَ۔ عالم فاضل حافظ ہیں۔ قرآن پڑھا تھا۔ ابوہریرہ فرماتے ہیں صحابہ میں مجھ سے زیادہ ان کے سوا کسی کو حدیث یاد نہ تھی۔ اُن کو چونکہ رسولِ خدا نے احادیث کے لکھنے کی اجازت

دی تھی اس لئے یہ لکھتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا۔ یہ رات بھر عبادت کرتے دن کو روزہ رکھتے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے منع فرمایا اور ایک رات میں یہ ختمِ قرآن نماز میں کر لیتے تھے۔ اس سے بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو منع کیا اور فرمایا کہ سات دن میں ختم کیا کرو۔ رات میں جس قدر اُن کو پڑھنا ہوتا وہ دن میں اُسے پڑھتے اور کسی کو سُنا دیتے تاکہ رات کو سہولت ہو[1]۔ انہیں عبداللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے حافظہ کی شکایت کی تھی کہ مجھے آپ کی احادیث یاد نہیں رہتی ہیں بھول جاتا ہوں اگر اجازت ہو تو میں انھیں لکھ لیا کروں۔ آپ نے محض انھیں کو حدیث کے لکھنے کی اجازت دی۔ اس لئے ان کے سوا صحابہ میں کسی نے حدیث نہیں لکھی۔ عبداللہ کو جو تمام میں ضعیف الحفظ تھے جب پورا قرآن یاد تھا تو کیا دوسرے صحابہ نے جن کا حافظہ قوی تھا یاد نہ کیا ہوگا اور جب کہ قرآن تھوڑا تھوڑا بتدریج ۲۳ سال میں اِسی لئے نازل ہوا تاکہ یاد میں آسانی ہو۔ چنانچہ قرآن کے بتدریج نازل ہونے اور ایک بار نہ نازل ہونے میں خود قرآن نے بھی یہی مصلحت بیان کی ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔ لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا (فرقان۔ رکوع ۳ جز ۱۹) یعنی کافروں نے اعتراض کیا کہ تمام قرآن ایک دفعہ ہی کیوں نہ نازل ہوا تو خود قرآن ہی نے اس کے جواب میں کہا کہ تھوڑا تھوڑا اس لئے نازل ہوا تاکہ یاد ہو جائے۔ خیثمہ ایک روز عبداللہ کے یہاں گئے تو دیکھا کہ وہ قرآن شریف کھولے ہوئے اُس میں تلاوت کر رہے ہیں۔ دریافت کیا تو کہا کہ رات کو جو تہجد میں پڑھوں گا اُس کا ورد کر رہا ہوں[2]۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ ان کے پاس پورا قرآن لکھا ہوا بھی تھا۔

(۲) قیس بن صعصعہ قیس نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میں کتنے روز میں قرآن ختم کیا کروں۔ فرمایا پندرہ راتوں میں۔ عرض کیا حضرت میں اس سے کم میں بلا مشقت پڑھ سکتا ہوں۔ فرمایا ہر ہفتہ میں۔ پھر عرض کیا کہ اس سے کم میں پڑھ سکتا ہوں۔ فرمایا بس اس سے کم میں نہیں[3]۔

(۳) سعد بن المنذر بن اوس۔ سعد نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ تین روز میں قرآن ختم کرنے کی اجازت فرمایئے۔ فرمایا اگر ہو سکے تو بہتر ہے۔[4]

(۴) عبداللہ بن عمرؓ بن الخطاب۔ نسائی میں ہے۔ ابن عمر کہتے ہیں کہ مجھے قرآن یاد تھا اور ایک رات میں اُسے ختم کیا کرتا تھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا تو آپ نے منع کیا اور ایک ماہ میں ختم کا حکم دیا۔[5]

---

[1] بخاری فضائل قرآن [2] طبقات ابن سعد ج ۴ صـ۱ [3] استیعاب ج ۲ صـ۵۲۸۔ کنز العمال ج ۱ صـ۲۲۷۔ تاریخ الخلفاء صـ۱ مجتبائی۔ [4] فتح الباری، اسد الغابہ۔ [5] فتح الباری ج ۹ صـ۴۲۔

(۵) عقبۃ بن عامر الجہنی۔ یہ فقہاء صحابہ میں بڑے علامہ اور فاضل تھے۔ انھوں نے تمام قرآن اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔[۱] ان کا لکھا ہوا قرآن مصر میں خود یونس نے دیکھا ہے۔ انھیں بھی پورا قرآن یاد تھا۔
(تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص۳۶)

(۶) ابو الدرداء۔ فقہاء صحابہ میں تھے۔ بڑے عالم فاضل تھے۔ دمشق میں قرآن کا درس دیتے تھے۔ انھوں نے قرآن رسولِ خدا سے یاد کیا تھا۔[۲] اَحَدُ الَّذِیْنَ جَمَعُوا الْقُرْآنَ حِفْظًا عَلٰی عَھْدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِلَا خِلَافٍ۔ (مفتاح السعادہ ج ۱ ص۳۵۵) قرآن کے اُن حافظوں میں سے جنھوں نے آنحضرت کے عہد میں قرآن حفظ کیا تھا، ابو الدرداء بھی ہیں۔

(۷) تمیم داری۔ یہ اہلِ کتاب کے علماء میں سے تھے۔ ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھ لیتے تھے۔[۳] خلیفہ دوم نے اپنے عہد میں رمضان میں مردوں کے لئے انھیں امام مقرر کیا تھا۔ تراویح بھی پڑھاتے تھے۔[۴] تہجد میں ان کا معمول تھا کہ سات رات میں قرآن ختم کرتے تھے۔[۵]

(۸) معاذ بن الحارث الانصاری۔ یہ قاری ہی کے نام سے مشہور ہیں۔ خلیفہ دوم نے انھیں بھی رمضان میں تراویح پڑھانے کے لئے مقرر کیا تھا۔[۶]

(۹) عبداللہ بن سائب۔ یہ بھی قاری کے نام سے مشہور ہیں۔ مکہ معظمہ میں قرآن کا درس دیتے تھے۔ اہلِ مکہ نے اُن سے قرآن پڑھا۔[۷]

(۱۰) سلیمان بن ابی حثمہ۔ یہ بھی حافظِ قرآن تھے۔ خلیفہ دوم نے انھیں رمضان میں عورتوں کو قرآن سُنانے کے لئے مقرر کیا تھا۔ اور خلیفہ سوم نے اپنے عہد میں مرد اور عورتوں کا امام انھیں کو رمضان میں تراویح کا مقرر کیا تھا۔[۸]

(۱۱) اُبی بن کعب۔ تذکرۃ الحفاظ میں علامہ ذہبی نے ان کے متعلق جو لکھا ہم بھی انھیں کے الفاظ لکھتے ہیں۔ اَقْرَأُ الصَّحَابَةِ وَسَیِّدُ الْقُرَّاءِ۔ قَرَأَ الْقُرْآنَ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ قاریوں کے سرپرست۔ صحابہ میں قرآن کے زیادہ واقف۔ رسولِ خدا سے قرآن پڑھا۔ انھیں کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری اُمت میں قرآن کا قاری اُبی سے زیادہ کوئی نہیں ہے۔ آپ کے عہد میں قرآن کا درس دیتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں رمضان میں قرآن سنانے کے لئے انھیں بھی مقرر کیا تھا۔[۹] تہجد میں آٹھ رات میں ختم کرتے تھے۔ (طبقات قسم ۲ ج ۳ ص۵۹)

(۱۲) زید بن ثابت۔ ذہبی نے اپنے تذکرہ میں ان کے متعلق لکھا ہے۔ مِنَ الرَّاسِخِیْنَ فِی الْعِلْمِ کَتَبَ الْوَحْیَ وَحَفِظَ الْقُرْآنَ وَاَتْقَنَہٗ (ج ۱ ص۲۶) یہ علماء راسخین سے ہیں۔ کاتبِ وحی تھے قرآن حفظ تھا۔

---

[۱] تہذیب التہذیب ج ۷ ص۲۴۳   [۲] تذکرۃ الحفاظ ص۲۱   [۳] تہذیب التہذیب ج ص۵۱۱
[۴] طبقات ابن سعد ج ۵ ص۱۷   [۵] طبقات قسم ۲ ج ۳ ص۵۹   [۶] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص۱۸۸
[۷] استیعاب ج ۱ ص۳۹۵ اسد الغابہ   [۸] طبقات ج ۵ ص۱۲، ۱۶   [۹] طبقات ابن سعد ج ۵ ص۱۶، ۱۷

(۱۳) معاذ بن جبل۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں ان کو قرآن کا معلم مقرر کیا اور عام طور سے یہ کہہ دیا کہ ان سے قرآن پڑھو۔ یمن میں قرآن کی تعلیم کیلئے ان کو بھیجا اور نیز وہاں کا قاضی بھی ان کو مقرر کیا اور چلتے وقت دریافت فرمایا کہ فیصلہ کس طرح کرو گے۔ معاذ نے عرض کیا۔ قرآن سے، اگر قرآن سے حکم نہ معلوم ہوگا تو پھر اپنے اجتہاد سے فیصلہ دوں گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ قرآن انھیں یاد تھا۔ ورنہ یہ کہنا کہ فیصلہ قرآن سے دوں گا اور اگر قرآن میں نہ ہو تو رائے سے کروں گا بلا قرآن یاد کئے کیونکر صحیح ہوگا۔ دوسرے ان کو قرآن کا مدرس بنانا بھی اسی وقت صحیح ہوگا جبکہ انھیں قرآن یاد ہو۔ علاوہ اس کے ان کے حافظ ہونے پر تمام کا اتفاق ہے۔

(۱۴) سعد بن عبید بن نعمان انصاری۔ یہ بھی حافظ قرآن ہیں اور یہ قاری کے لقب سے مشہور ہیں ان کو سعد انصاری کہتے ہیں۔ اسد الغابۃ میں ہے۔ وھو اول من جمع القرآن من الانصار۔ یہ انصار میں پہلے وہ شخص ہیں جنھوں نے قرآن یاد کیا۔[1]

(۱۵) مسلمۃ بن مخلد بن الصامت۔ مجاہد کہتے ہیں کہ میں سمجھا تھا کہ مجھے قرآن تمام سے اچھا اور بہتر یاد ہے۔ لیکن مسلمۃ نے جب صبح کی نماز میں پوری سورۂ بقر پڑھی اور اُس میں کسی قسم کی غلطی نہ کی تو میں سمجھا کہ اُن کو بھی عمدہ یاد ہے۔[2]

(۱۶) عثمان بن عفان۔ ابن سیرین کا بیان ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھ لیا کرتے تھے۔[3]

اَحَدُ مَن جَمَعَ القُرآنَ عَلَیٰ عَہدِ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وَسَلَّمَ۔ وَعَرَضَ عَلَیہِ القُرآنَ المُغِیرَۃُ بنُ اَبِی شِہَابٍ المَخزُومِی وَاَبُو عَبدِ الرَّحمٰنِ وَزِرُّ بنُ حُبَیشٍ وَاَبُو الاَسوَدِ الدُّئلِی

(مفتاح ج ۱ صفحہ ۳۵)

ترجمہ: منجملہ ان لوگوں کے جنھوں نے رسالت مآب کے زمانے میں قرآن جمع کیا تھا حضرت عثمانؓ بھی ہیں۔ اُن کو مغیرہ، ابو عبدالرحمٰن، زر بن حبیش اور ابو الاسود دئلی نے قرآن سنایا۔

(۱۷) عبداللہ ابن مسعود۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں ہی ان کو قرآن پڑھانے پر مقرر فرمایا تھا۔[4] سخاوی کی دستور الاعلام میں ہے۔ اِبنُ مَسعُودٍ الصَّحَابِیُّ الجَلِیلُ الکَثِیرُ المَنَاقِبِ اَحَدُ القُرَّاءِ الاَربَعَۃَ عَشَرَ وَعُلَمَاءِ الصَّحَابَۃِ یعنی ابن مسعود جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں جو بڑے کمالات کے جامع ہیں منجملہ چودہ حفاظ قرآن کے ایک یہ بھی ہیں۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر میں قرآن کا جو دور کیا تھا یہ اس میں شریک تھے۔ عرفات میں کوفہ کا ایک شخص خلیفہ دوم سے ملا اور کہا کہ کوفہ میں ایک شخص ہے جو اپنے یاد سے قرآن پڑھاتا ہے

---

[1] استیعاب۔ [2] استیعاب ج ۱ صفحہ ۲۸۹ [3] تہذیب التہذیب ج ۷، صفحہ ۱۴۱ استیعاب صفحہ ۴۴۹ ج ۲ [4] بخاری مناقب۔

یا نقل کرتا ہے اس پر خلیفہ دوم نے نہایت غضبناک ہوکر فرمایا وہ کون شخص ہے ۔اُس نے عرض کیا ابن مسعودؓ۔اس نام کو سُن کر خلیفہ دوم کا غصّہ فرو ہوگیا۔[1]

یہاں سے معلوم ہوا کہ خلیفہ دوم کے عہد میں قرآن کے یاد سے پڑھانے کا رواج نہ تھا بلکہ دیکھ کر پڑھا جاتا تھا یا محض یاد سے قرآن لکھنے کا رواج نہ تھا۔

(۱۸) سالم مولیٰ ابی حذیفہ۔انھیں بھی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں قرآن کا معلم مقرر کیا تھا۔مؤرخین نے حفاظ قرآن کی فہرست میں ان کا نام بھی لکھا ہے۔

(۱۹) اَبُوبَکرِ الصِّدِّیقُ رَضِیَ اللهُ عَنهُ نَصَّ الاِمَامُ اَبُوالحَسنِ الاَشعَرِیّ عَلیٰ حِفظِهٖ القُرآنَ وَاستَدَلَّ عَلیٰ ذٰلِکَ بِدَلِیلٍ لَایُرَدُّ وَهُوَ اَنَّهٗ صَحَّ عَنهُ صَلَّی اللهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ یَؤُمُّ القَومَ اَقرَأُهُم لِکِتَابِ اللهِ وَاَکثَرُهُم قُرآنًا وَتَوَاتَرَ عَنهُ صَلَّی اللهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَدَّمَهٗ لِلاِمَامَةِ وَلَم یَکُن لِیَامُرَ بِاَمرٍ ثُمَّ یُخَالِفُهٗ بِلَا سَبَبٍ۔[2]

ترجمہ:۔ ابوبکر الصدیق رضؓ۔ امام ابوالحسن اشعری نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے حافظ قرآن ہونے کی تصریح کی ہے کیونکہ آنحضرتؐ نے قانون مقرر کیا تھا کہ جس کو قرآن زیادہ یاد ہو وہ نماز میں امام ہو۔ پھر آنحضرت نے دیگر ایسے صحابہ کی موجودگی میں کہ جنھیں قرآن یاد تھا حضرت ابوبکرؓ کو نماز کا امام مقرر فرمایا تو اس سے ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کو پورا قرآن یاد تھا۔

(۲۰) عَلِیُّ بنُ اَبِی طَالِبٍ رَضِیَ اللهُ عَنهُ عَرَضَ القُرآنَ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مِنَ الَّذِینَ حَفِظُوا القُرآنَ اَجمَعَ بِلَا شَکٍّ عِندَنَا وَقَد اَبعَدَ الشَّعبِیُّ فِی قَولِهٖ اَنَّهٗ لَم یَحفَظهُ قَالَ یَحیَی بنُ اٰدَمَ قُلتُ لِاَبِی بَکرِ بنِ عَیَّاشٍ یَقُولُونَ اِنَّ عَلِیًّا لَم یَقرَءِ القُرآنَ فَقَالَ اَبطَلَ مَن قَالَ هٰذَا۔[3]

ترجمہ:۔ علی ابن ابی طالب ۔حضرت علی نے تمام قرآن آنحضرت سے پڑھا اور منجملہ اُن کے جنھیں پورا قرآن یاد تھا یہ بھی ہیں۔امام شعبی کو اُس شخص پر نہایت ہی حیرت ہے جو کہتا ہے کہ حضرت علی کو پورا قرآن یاد نہ تھا۔یحییٰ بن آدم کہتے ہیں کہ میں نے ابوبکر بن عیاش سے دریافت کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علی کو قرآن یاد نہ تھا کہا کہ یہ قول باطل ہے۔

ترمذی کی جلد ثانی میں ہے کہ حضرت علی نے آنحضرت سے اپنے سوءِ حفظ کی شکایت کی اور عرض کیا کہ قرآن مجھے یاد نہیں رہتا۔آنحضرت نے ایک دُعا بتلائی۔بعد میں حضرت علی پھر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ پہلے چار آیت بھی یاد نہیں ہوتی تھیں اور اب اس دُعا کے پڑھنے کے بعد سے چالیس آیات اس طرح سے نہایت عمدہ یاد ہوجاتی ہیں کہ گویا قرآن میرے سامنے رکھا ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ

---

[1] استیعاب ج ۱ صفحہ ۳۷۰ [2] مفتاح السعادۃ ج ۱ صفحہ ۳۴۹ [3] مفتاح السعادۃ ج ۱ صفحہ ۳۵۰

حضرت علی نے قرآن یاد کیا تھا۔

(۲۱) عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ اَبُو الْعَالِیَۃِ بِسَنَدٍ صَحِیْحٍ قَرَأْتُ الْقُرْاٰنَ عَلٰی عُمَرَ اَرْبَعَ مَرَّاتٍ[1] ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو چار بار قرآن سُنایا۔

(۲۲) طلحہ رضی اللہ عنہ (۲۳) سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (۲۴) حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ (۲۵) ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ (۲۶) عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ (۲۷) ابوحلیمہ معاذ رضی اللہ عنہ (۲۸) مجمع بن حارثہ رضی اللہ عنہ (۲۹) فضالۃ بن عبید رضی اللہ عنہ۔

(۳۰) اَبُو مُوْسٰی الْاَشْعَرِیّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ حَفِظَ الْقُرْاٰنَ وَعَرَضَہٗ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (مفتاح ج ۱ ص۳۵۵)

ابوموسی الاشعریؓ۔ تمام قرآن حفظ کیا اور آنحضرت کو سُنایا۔

(۳۱) عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ (۳۲) سعد بن عبادؓ رضی اللہ عنہ (۳۳) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (۳۴) ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ (۳۵) عبداللہ بن ذوالبجادین رضی اللہ عنہ (۳۶) عبید بن معاویہ بن زید بن ثابت (۳۷) ابوزید فہرست ابن ندیم۔

ان کے علاوہ اُس وقت کے حفاظ کا پتہ اس سے چلتا ہے اور صحابہ میں حفاظِ قرآن کی تعداد پر اس سے کافی روشنی پڑتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے سردارانِ لشکر کو لکھا کہ ہر شخص اپنے اپنے یہاں کے حفاظِ قرآن کی فہرست مرتب کر کے بھیجے تاکہ میں اُن کے مرتبہ کے موافق بیت المال سے اُن کا وظیفہ مقرر کروں اور بلادِ اسلامیہ میں انھیں تعلیمِ قرآن کے لئے بھیجوں۔ حضرت موسیٰ اشعری نے تنہا اپنے یہاں سے تین سو سے کچھ اُوپر کی فہرست دی۔ (کنزالعمال ج ۱ ص۲۱۷)

نساء (۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (۲) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا (۳) ام سلمہ رضی اللہ عنہا (۴) ام ورقہ بنت نوفل رضی اللہ عنہا۔ ابوداؤد میں ہے۔ وکانت قد قرأ القرآن (باب امامۃ النساء) یعنی ام ورقہ نے پورا قرآن پڑھا تھا۔

نمبر ۱۹ سے آخر تک کے نام۔ ابن حجر نے بخاری کی شرح میں اور علامہ عینی نے شرح بخاری میں اور اتقان میں علامہ سیوطی نے مع حوالہ نقل کئے ہیں۔ علامہ ذہبی طبقات القراء میں لکھتے ہیں۔ فَاَمَّا مَنْ حَفِظَہٗ کُلَّہٗ مِنْھُمْ وَعَرَضَ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَجَمَاعَۃٌ مِنْ نُجَبَاءِ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ انْتَدَبُوْا لِاِقْرَائِہٖ وَانْتَصَبُوْا لِاَدَائِہٖ فَکَانَ مِنْ جُمْلَتِھِمْ سَبْعَۃٌ اَئِمَّۃٌ اَعْلَامٌ دَارَتْ عَلَیْھِمْ اَسَانِیْدُ الْقُرْاٰنِ۔ یعنی صحابہ میں جن کو پورا قرآن یاد تھا اور آنحضرت کو بھی انھوں نے تمام سُنایا تھا وہ جلیل القدر صحابہ کی ایک ایسی جماعت تھی جو قرآن کو پڑھاتی تھی منجملہ

---

[1] مفتاح ج ۱ ص۳۲۹

اُن ہی کے قرار سبعہ بھی ہیں جن کی سند سے آج تک قرآن تمام بلادِ اسلامیہ میں پڑھایا جاتا ہے۔
علامہ ذہبی کے جو فنِ تاریخ خصوصًا رجال کے بڑے ماہر ہیں اور صحابہ کے حالات سے بڑے واقف ہیں اور تذکرۃ الحفاظ ان ہی کی ہے۔ اس کلام سے ثابت ہوا کہ صحابہ میں بہت سے صحابی وہ تھے جو قرآن کے حافظ تھے اور محض حافظ ہی نہ تھے بلکہ آنحضرت کو بھی پورا قرآن سُنایا تھا اور پھر انہی سے تمام دنیا میں قرآن شائع ہوا آج جو قرآن پڑھا یا جاتا ہے یہ وہی ہے جو ان صحابہ نے پڑھایا ہے اور ان کو آنحضرت نے ۔۔۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تمام قرآن آنحضرت ہی کے عہد میں مرتب تھا۔ امام بخاری وغیرہ نے جو انس سے یہ نقل کیا ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ابی بن کعب، معاذ، زید، ابو زید۔ ان چار کے سوا کسی نے قرآن جمع نہیں کیا تھا اور دوسرا بیان انس سے یہ بھی ہے کہ ان چار نے قرآن جمع کیا اور بجائے ابی کے بعض نے انس سے ابوالدردا رکا نام نقل کیا ہے۔ یہ بیان ظاہر میں ذہبی کے اس بیان کے مخالف ہے کہ صحابہ میں علاوہ دیگر صحابہ کے ایک جماعت صحابہ کی ایسی تھی جنھیں پورا قرآن حفظ تھا اور انھوں نے آنحضرت کو پورا قرآن سُنایا ہی تھا، جن میں سات قرار سبعہ بھی ہیں اور نیز ہماری اس تحقیق کی بھی مخالف ہے کہ صحابہ میں حفاظِ قرآن بہت تھے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ روایت انس کی صحیح ہے مگر یہ روایت اس تحقیق کے مخالف ہرگز نہیں ہے۔ ہاں اگر اس روایت میں یہ ہوتا کہ ان چار نے قرآن حفظ کیا تھا تو البتہ مخالف تھے مگر اس روایت میں تو یہ ہے کہ ان چار نے جمع کیا تھا اور جمع کے معنی لغت میں یکجا اور اکٹھا کرنے کے ہیں۔ بخاری میں ہے۔ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ تَاليف بَعْضِهٖ اِلٰى بَعْضٍ فَاِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ فَاِذَا جَمَعْنَاهُ وَاَلَّفْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ اَىْ مَاجُمِعَ فِيْهِ وَيُقَالُ لَيْسَ لِشِعْرِهٖ قُرْاٰنٌ اَىْ تَالِيْفٌ۔ اسی لئے حضرت عثمانؓ یا حضرت ابوبکرؓ کو جامع القرآن مشہور کرتے ہیں۔ انس کے اس کلام کا حاصل صرف یہ ہے کہ ان چار نے عہدِ مبارک میں قرآن کو لکھ کر جمع کیا تھا۔ جیسا اسی حدیث میں انس کے اس کہنے سے ثابت ہوتا ہے کہ ابو زید کے مرنے کے بعد چونکہ ان کی اولاد میں کوئی نہ تھا اور میں اُن کا رشتہ دار تھا اس لئے اُن کا قرآن مجھے ترکہ میں ملا اور میں اس کا وارث ہوا۔ حدیث بخاری کے الفاظ یہ ہیں:۔
قَالَ مَاتَ النَّبِىُّ صَلَّى اللهُ عليهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَجْمَعِ الْقُرْاٰنَ غَيْرُ اَرْبَعَةٍ اَبُوالدَّرْدَاءِ وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ. وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَاَبُوْزَيْدٍ. قَالَ وَنَحْنُ وَرِثْنَاهُ۔ یعنی آنحضرت کا انتقال ہوا اور ان چار کے سوا کسی نے قرآن جمع نہیں کیا تھا۔ ابوالدردار، معاذ، زید، ابو زید۔ اور ابو زید کے قرآن کا وارث میں ہوا جو انس کے اس کلام سے یہ سمجھتے ہیں کہ ان چار کے سوا کسی کو قرآن یاد نہ تھا اُن کو امور ذیل پر غور کرنا لازم ہے تاکہ وہ اپنی غلطی پر متنبہ ہوں اور اس فحش غلطی سے محفوظ رہیں۔
(۱) جمع کے معنی ضم اور تالیف کے ہیں۔ جو کتابت کے ہم معنی ہے نہ حفظ اور یاد کے البتہ حفظ

پر جمع کا استعمال مجاز ہے نہ حقیقت اور اصل یہ ہے کہ ہر لفظ کے معنی اول حقیقی لیں گے۔ ہاں کسی وجہ سے حقیقی معنی کا لینا صحیح نہ ہو تو دوسرے مجازی معنی لے سکتے ہیں یہاں کوئی وجہ ایسی نہیں کہ معنی حقیقی جمع کے نہ لیں۔ بلکہ معنی حقیقی نہ لینے میں یہ روایت غلط ہو گی۔ کیونکہ حفاظ قرآن صحابہ میں چار کے سوا بہت تھے جیسا کہ علامہ ذہبی بیان کرتے ہیں۔

(۲) اگر جمع کے معنی یہاں حفظ کے لئے جائیں اور کہا جائے کہ حافظِ قرآن چار تھے تو اس وقت میں انس کا یہ کہنا غلط ہو گا جیسا ہمارے اس بیان سے واضح ہے اور یہ خیال ممکن ہے کہ انس کو ان چار کے سوا کی یاد کا علم نہ ہو۔ اور انس رضؓ نے اپنے علم کے مطابق اِن چار کا نام لیا ہو تو اس کے متعلق صرف یہ کہنا کافی ہو گا کہ انس کے اس بیان میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ انس کو اپنی معلومات کی حکایت اور بیان مقصود ہے نہ ایک واقعی بات کا ظاہر کرنا مقصود ہے اور اگر اس قسم کے معنی کی مؤرخ کے کلام میں گنجائش ہو اور تاریخ کے یہی معنی ہوں کہ مورخ اپنے علم اور معلومات کو ظاہر کرے تو پھر کبھی کسی مورخ سے تاریخی غلطی ممکن نہیں۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ یہ روایت غلط تسلیم کی جاوے اس لئے کہ حفاظِ قرآن کا چار سے زیادہ ہونا ایسا یقینی اور مضبوط ہے کہ اس میں کسی قسم کے احتمال اور شک و شبہ کی راہ باقی نہیں۔

(۳) انسؓ کا ابوزید کے متعلق یہ کہنا وَنَحْنُ وَرِثْنَاهُ یعنی ہم اُس کے قرآن کے وارث ہوئے اِس امر کی روشن شہادت ہے کہ انسؓ کی غرض یہ ہے کہ ان چاروں نے عہدِ مبارک میں تمام و کمال قرآن لکھ کر جمع کیا تھا اور ابوزید کے لکھے ہوئے قرآن کے انس وارث ہوئے۔ کیونکہ انس ابوزید کے رشتہ دار تھے۔ اس لئے ابوزید کا لکھا ہوا قرآن انسؓ کو ملا اور ان کے ترکہ کے وارث انس رضؓ ہوئے اور یہ اس لئے کہ ابوزید کے بعد کوئی اُن کا وارث انسؓ سے قریب تر نہ تھا۔ انس کے اس کلام کے اگرچہ یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ انسؓ ابوزید کے مال کے وارث ہوئے نہ قرآن کے لیکن اِس صورت میں انس کا یہ کلام پہلے کلام سے بے تعلق ہو گا اور اس جملہ کو پہلے کلام سے کوئی رابطہ نہ ہو گا اور وراثتِ قرآن اگر مراد ہو تو اس میں چاروں کے لکھنے پر شہادت ہو گی اور جمع کے معنی کی توضیح ہو گی کہ اس کے معنی لکھنے کے ہیں نہ یاد کے۔ اور انس کا یہ مقصود ہو گا کہ ان چاروں نسخوں میں سے ایک مجھ تک بھی پہنچا تھا جس کو میں نے بچشمِ خود دیکھا جس سے غرض روایت کی توثیق ہے۔ پھر ظاہر اور مرتبط کلام اور معنی سے گریز کر کے ایسے معنی لینا جو بے تعلق اور غیر مفید ہیں اس کی کوئی وجہ نہیں۔

(۴) ابی بن کعب، ابن مسعود، سالم مولیٰ ابی حذیفہ، عبداللہ بن عمرو بن العاص وغیرہ اُن حفاظ میں ہیں جن کا نام حفاظ کی فہرست میں سُنہرے حرفوں میں موٹے قلم سے سرِ فہرست تھا۔ مدینہ والوں میں کوئی ایسا نہیں ہو سکتا جو اُن کے اس کمال سے ناواقف ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام اعلان

دے دیا تھا کہ پہلے انھیں سے لوگ قرآن پڑھیں اور اَقْرَأُنَا اُبَیّ کا خطاب بھی آپ عطا فرما چکے تھے اور اُبی کے اس خطاب سے بھی کوئی ناواقف نہ تھا۔ انسؓ جو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خادم اور ہر وقت کے حاضر باش تھے تعجب ہے کہ اُبی سے واقف نہ ہوں اور ایسا کہیں کہ ان چاروں کے سوا کوئی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں حافظِ قرآن نہ تھا۔

(۵) انسؓ کا یہ بیان مختلف ہے۔ قتادہؒ نے اپنی روایت میں چار شخصوں کا نام لیا ہے ان میں ابی ہیں لیکن ثابت کی روایت میں بجائے ابی کے، ابوالدرداء ہیں۔ دوسرے قتادہ نے اپنی روایت میں انھیں چار میں حصر نہیں کیا ثابت نے حصر کیا ہے۔ دونوں روایتیں بخاری میں موجود ہیں۔ باقی انسؓ کا اِن چار کو خاص کرنا اور یہ کہنا کہ انہی چار نے قرآن لکھا تھا حالانکہ اور بھی صحابہ ایسے تھے جنھوں نے پُورا قرآن لکھا تھا۔ اس کی مفصل بحث آئندہ معلوم ہوگی۔

قرآن کی کتابت

یہاں تین امر قابلِ بحث ہیں۔ (۱) قرآن کے لکھوانے میں جن امور کی ضرورت تھی وہ آلات اُس وقت تھے یا نہیں (۲) رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یہ امر ضروری تھا یا نہیں کہ مسلمان قرآن کو تمام وکمال لکھتے اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم خود تمام قرآن کو لکھواتے (۳) رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اور اس وقت کے مسلمانوں نے قرآن کو لکھا یا لکھوایا تھا یا نہیں۔

پہلا امر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں آلاتِ کتابت کا ہونا۔ کتابت میں دو امر کا ہونا ضروری ہے۔ اول ایسے اشخاص جو لکھنا پڑھنا جانتے ہوں دوسرے وہ شے جس پر لکھا جا سکے۔ عرب میں گو کتابت کا فن کم تھا اور اس کا زیادہ رواج نہ تھا لیکن اہلِ مکہ میں کچھ لوگ اس کو ضرور جانتے تھے اور اور جگہوں سے یہاں اس کا رواج زیادہ تھا۔ طبقات ابن سعد ج ا قسم ۲ ص۱۲۱ میں ہے کہ اہلِ مکہ کتابت جانتے تھے۔ اور اہلِ مدینہ واقف نہ تھے۔ علامہ شبلی کے الفاروق میں ہے کہ صرف قریش میں ۱۷ آدمی لکھنا جانتے تھے۔ غرض مسلمانوں میں بہت سے وہ لوگ تھے جو اسلام کے پہلے سے لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ یہاں طبقات ابن سعد سے بعض کے نام ہم بھی لکھتے ہیں۔

(۱) ابوعبس بن جبر اسمہ عبدالرحمان یَکْتُبُ بِالْعَرَبِیَّۃِ قَبْلَ الْاِسْلَامِ وَکَانَتِ الْکِتَابَۃُ فِی الْعَرَبِ قَلِیْلاً۔ طبقات قسم ثانی ج ۳ ص۲۲۔ یہ اسلام کے پہلے ہی سے لکھنا جانتے تھے حالانکہ اُس وقت اس کا رواج کم تھا۔

(۲) وکان اُبَیّ یَکْتُبُ فِی الْجَاہِلِیَّۃِ قَبْلَ الْاِسْلَامِ وَکَانَتِ الْکِتَابَۃُ فِی الْعَرَبِ قَلِیْلاً۔ طبقات قسم ثانی ج ۳ ص۵۹۔ اُبی، اسلام کے پہلے سے لکھنا جانتے تھے جبکہ اس کا رواج کم تھا۔

(۳) سَعدُ بنُ الرَّبیعِ یَکتُبُ فِی الجَاھِلِیۃِ وَکَانَتِ الکِتَابَۃُ قَلِیلاً طبقات قسم ثانی ج ۳ ص۷۴
سعد اسلام کے قبل سے لکھنا جانتے تھے جبکہ اس کا رواج کم تھا۔

(۴) شَھرُ بنُ سَعدٍ یکتُبُ بالعَرَبِیَّۃِ فِی الجَاھِلِیۃِ وکَانَتِ الکِتَابَۃُ فِی العَرَبِ قَلِیلاً۔۔۔۔ طبقات قسم ثانی ج ۳ ص۸۳ شہر اسلام کے پہلے سے لکھتے تھے جبکہ اس کا رواج کم تھا۔

(۵) عبداللہ بن زید یَکتُبُ بِالعَرَبِیَّۃِ قَبلَ الاِسلَامِ طبقات قسم ثانی ج ۳ ص۸۸ ابن زید اسلام کے پہلے سے لکھتے تھے۔

(۶) اوس بن خولی یَکتُبُ بِالعَرَبِیۃِ قَبلَ الاِسلَامِ۔ طبقات قسم ثانی ج ۳۔ اوس اسلام کے قبل سے لکھنا جانتے تھے۔

(۷) المُنذِرُ بنُ عَمرٍو یَکتُبُ بِالعَرَبِیَّۃِ قَبلَ الاِسلَامِ۔ طبقات قسم ثانی ج ۳ ص۱۰۸ منذر اسلام کے قبل سے لکھنا جانتے تھے۔

(۸) اُسَیدُ بنُ حُضَیرٍ یَکتُبُ بِالعَرَبِیَّۃِ فِی الجَاھِلِیَّۃِ۔ طبقات قسم ثانی ج ۳ ص۱۳۶۔ اسید کفر ہی کے وقت میں لکھنا جانتے تھے۔

(۹) سَعدُ بنُ عُبَادۃَ کَانَ فِی الجَاھِلِیَّۃِ یَکتُبُ بِالعَرَبِیَّۃِ۔ طبقات قسم ثانی ج ۳ ص۱۴۲ سعد کفر ہی میں لکھ لیتے تھے۔

(۱۰) رافعؓ[1] بنُ مَالِکٍ مِنَ الکَمَلَۃِ وَکَانَ الکَامِلُ فِی الجَاھِلِیَّۃِ الَّذِی یَکتُبُ وَیُحسِنُ العَومَ وَالرَّمیَ وَکَانَ رَافِعٌ کَذٰلِکَ وَکَانَتِ الکِتَابَۃُ فِی القَومِ قَلِیلاً۔ طبقات قسم ثانی ج ۳ ص۱۴۸

علاوہ ان دس کے اور بھی صحابہ میں بہت سے تھے جو لکھنا اسلام کے پہلے سے جانتے تھے جن میں خلفأ اربعہ بھی ہیں۔ اب اس کے بعد یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر سب میں اوّل جو نازل ہوا تھا اس میں یہ بھی ہے۔ اِقرَأ وَرَبُّکَ الاَکرَمُ الَّذِی عَلَّمَ بِالقَلَمِ عَلَّمَ الاِنسَانَ مَالَم یَعلَم۔ یعنی خدا ایسا کریم ہے جس نے تحریر کے ذریعہ سے وہ باتیں بتلائیں جن کا اس کو علم نہ تھا۔ یہاں مسلمانوں کو سب میں پہلے اس انعام پر توجہ دلائی گئی کہ اُن کو لکھنا بتلایا جس سے صاف ظاہر ہے کہ انسان کے تمام کمالات میں یہ اعلیٰ اور مقدم ہے اور اسی آیت سے یہ بھی قطعاً ثابت ہے کہ مسلمانوں کو سب میں پہلے اسی کو حاصل کرنا چاہیئے اور وہ تحریر کو اوروں سے پہلے حاصل کریں۔ ہجرت کے قبل مکہ میں مسلمانوں نے اس حکم کی تعمیل کی یا نہیں اگرچہ تاریخی صفحات اس کے جواب میں ساکت ہیں لیکن جبکہ ہمیں معلوم ہے کہ لکھنا پڑھنا ایسا کمال ہے کہ ہر انسان میں فطرتی اس کا ذوق اور میلان ہے اور مکہ میں ایسے آدمی خود اہلِ اسلام میں بھی تھے جو اس کو جانتے تھے۔ پھر ایسی صورت

---

[1] رافع اہلِ کمال سے تھے اور اس وقت کامل وہ شخص شمار کیا جاتا تھا جو لکھنا جانتا ہو اور پیراکی اور تیر اندازی میں کمال رکھتا ہو۔

میں مذہب کی طرف سے بھی جب مسلمانوں کو اس کا حکم ملے تو اب ہمارے پاس کوئی سند ایسی نہیں ہے جس کی رُو سے یہ کہا جائے کہ مسلمانوں نے اس طرف توجہ نہیں کی۔ خصوصاً جبکہ خود تاریخ ہی ہمیں بتاتی ہے کہ مسلمانوں نے باوجود کشاکشی اور سخت رُکاوٹ اور مصائب برداشت کرنے کے اپنی مذہبی امور کی کامل پابندی کی۔ جو لوگ واقعات پر اُن کے اسباب وعلل کی راہ سے پہنچتے ہیں اور فی الحقیقت یہ راستہ نہایت پُرامن اور بلاخوف وخطر ہے جس سے منزلِ مقصود بہت قریب ہوجاتی ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے یہاں یہ راستہ کھلا ہوا ہے اور یہاں سے وہ اس امر پر نہایت آسانی سے پہنچ سکتے ہیں کہ اسلام نے اپنے مکہ کی زندگی میں ضرور ایک جماعت ان لوگوں کی تیار کی جن کو لکھنا پڑھنا آتا ہو۔ مکہ کی زندگی گو اسلام کے لئے نہایت بے اطمینانی اور خطرے کی تھی جس میں ایک لمحہ کے لئے بھی وہ بخوف اور امن میں نہ تھے اِس لئے وہ اس کو اگرچہ پوری ترقی نہیں دے سکتے تھے اور نہ کسی ضابطے میں اس کو لاسکتے تھے۔ مگر یہ بھی ناممکن ہے کہ بالکل وہ اس سے غافل رہے ہوں اور اس کی جانب سے بے اعتنائی کی ہو۔ اس کا پتہ ہمیں اس سے بخوبی چلتا ہے کہ مکہ میں ابتدا ہی میں یہ رواج ہوگیا تھا کہ مسلمان قرآن کی تعلیم لکھ کر دیتے تھے اور لکھے ہوئے قرآن کو لوگ پڑھتے تھے۔ دیکھو فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے میں مؤرخین لکھتے ہیں کہ ان کے بہن اور بہنوئی کو ایک صحابی لکھے ہوئے قرآن سے تعلیم دے رہے تھے۔ مگر جس وقت سے اسلام نے اپنی جگہ بدلی اور بجائے مکہ مدینہ میں اپنا دارالخلافہ قرار دیا اُس وقت سے چونکہ بتدریج اس نے امن اور اطمینان کی زندگی میں قدم رکھا اور رفتہ رفتہ ان کا خوف واندیشہ اطمینان اور امن سے بدلتا گیا اسی لئے صاحبِ شریعتِ اسلامیہ نے یہاں پہنچ کر تعلیم کتابت کا بھی باضابطہ انتظام فرمایا اور عبداللہ بن سعید بن العاص کو جن کا خط اچھا تھا اور عمدہ لکھتے تھے اس کام پر مقرر کیا کہ لوگوں کو لکھنا بتائیں۔

غزوۂ بدر میں کفارِ مکہ سے جن کو مسلمانوں نے گرفتار کیا تھا کچھ نے تو اپنی طرف سے فدیہ دیا اور اس طرح انھوں نے رہائی حاصل کی لیکن جن کے پاس کچھ دینے کو مال نہ تھا اُن کی رہائی کے لئے یہ قرار پایا کہ ان میں جو عمدہ لکھنا جانتے ہیں اُن میں سے ہر ایک مسلمانوں کے دس دس لڑکوں کو اپنے ذمہ لے اور انھیں لکھنے کی تعلیم دے اور خطاطی سکھائے۔ چنانچہ اسی تجویز کے مطابق ہر ایسے شخص نے جسے اِس فن میں کمال اور ملکہ تامہ تھا اپنے ذمہ دس دس بچوں کو لیا اور اس کی انھیں تعلیم دی اور انھوں نے اپنے متعلقہ کام کو انجام کو پہنچادیا تو رِہا کردیئے گئے۔ منجملہ اُن لڑکوں کے جنھوں نے اُس وقت میں خطاطی سیکھی تھی زید بن ثابت بھی ہیں[1] اور اس وقت مسلمانوں نے اس درجہ اس میں ترقی کی کہ عورتوں کو بھی لکھنے کی تعلیم دینے لگے۔ ابوداؤد میں ہے۔ عَنِ الشِّفَاءِ بِنْتِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَتْ دَخَلَ عَلَیَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ

---

[1] طبقات ابن سعد، مسند امام احمد ج ۱ ص ۲۴۷

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنَا عِنْدَ حَفْصَۃَ فَقَالَ لِی اَلَا تُعَلِّمِیْنَ ھٰذِہٖ رُقْیَۃَ النَّمْلَۃِ کَمَا عَلَّمْتِہَا الْکِتَابَۃَ۔
(کتاب الطب) شفا عبداللہ کی لڑکی کہتی ہیں کہ آنحضرت میرے پاس تشریف لائے اور میں حضرت حفصہ کے پاس تھی اور مجھ سے فرمایا کہ تُو نے اس کو نملہ زخم کا رقیہ یعنی دعا کیوں نہ بتا دی جس طرح کہ اس کو لکھنا سکھایا ہے۔ اب خیال کرو کہ آپ کے عہد ہی میں اس قدر اس میں ترقی ہوئی کہ مردوں کے علاوہ عورتیں بھی اس کو جانتی تھیں اور ان میں بھی اس کا رواج ہو گیا تھا۔ اور عربی کے علاوہ بھی... دوسری زبانوں میں لکھنا پڑھنا سیکھا تھا۔ چنانچہ انہیں زید کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے عبرانی کے لکھنے پڑھنے کے سیکھنے کو فرمایا اور سوا ان لوگوں کے جن کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دلائی اور لکھنا سکھایا تھا اور بہت سے ایسے لوگ بھی مسلمان ہوئے تھے جو پہلے سے لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ مثل علمائے یہود اور نصاریٰ کے غرضکہ اس وقت مسلمانوں میں بہت بڑی جماعت وہ تھی جو بخوبی لکھ پڑھ سکتی تھی اور اس میں پوری مہارت تھی۔ ابن عبدالبر نے استیعاب کی پہلی جلد ص۲۶ میں ایسے چوبیس[۲۴] لوگوں کے نام لکھے ہیں جن سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے پڑھنے کا کام لیتے تھے۔ ابیؓ بن کعب، زیدؓ بن ثابت، عبداللہ بن سعد، ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، زبیر بن العوام، خالد، ابانؓ، سعیدؓ، حنظلہؓ، علاءؓ، خالدؓ بن ولید، عبداللہ بن رواحہؓ، محمدؓ بن مسلمہ، عبداللہ بن عبداللہ بن سلول، مغیرہؓ بن شعبہ، عمروؓ بن العاص، معاویہؓ بن سفیان، جہمؓ بن الصلت، معیقیب بن فاطمہ، شرحبیل بن حسنہ، عبداللہ بن ارقم الزہری۔ یہ تو وہ لوگ ہیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے کا کام لیا کرتے تھے اور کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ ان کے علاوہ بھی ایسے ہوں جو لکھنا جانتے ہوں۔ اب قرآن نہ لکھنے کے لئے یہ عذر نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص اس وقت لکھنا نہیں جانتا تھا کیونکہ اس وقت اُن کی کافی تعداد تھی۔ رہا آلاتِ کتابت میں سے دوسری شے یعنی وہ چیز جس پر قرآن لکھا جاتا وہ بھی اُس وقت میں تھی یا نہیں اس میں شک نہیں کہ کاغذ اُس وقت عرب میں رائج نہ تھا۔ کاغذ کے ایجاد کی ابتدا تاریخ سے معلوم نہیں ہوتی مگر زیادہ مورخین کا خیال ہے کہ عیسوی سال کے دو سال قبل چین میں اس کا رواج پا گیا ہے اس کے بعد چین ہی سے تمام دنیا میں پہنچا۔ سب سے پہلے چین سے عرب میں آیا اور فضل بن یحییٰ برمکی۔ یا حجاجؒ بن یوسف کی رائے سے عرب میں بنایا گیا اور پھر عرب سے دیگر بلاد میں گیا۔ بہرحال کاغذ زمانۂ نبوت اور خلافتِ راشدہ میں نہ تھا اور یہ جو فہرست ابن ندیم میں ہے کہ محمد بن اسحاق نے اپنے ایک دوست کے کتب خانہ میں یحییٰ بن یعمر کے ہاتھ کے کچھ نحوی مسائل کاغذ پر لکھے ہوئے دیکھے اور یہ وہ مسائل تھے جن کو ابوالاسود دئلی نے جمع کیا تھا۔ اس کی نسبت۔ اوّل تو محمد بن اسحاق کا یہ خیال ہے کہ وہ چینی کاغذ پر تھا۔ دوسرے یہ صحابہ کے بعد میں ہے کیونکہ یحییٰ بن یعمر صحابی نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ اگر

۱؎ کلوپیڈیا میں ہے کہ [illegible] میں کاغذ عرب میں آیا اور یہ زمانہ حجاج بن یوسف کا ہے۔

یہ ثابت بھی ہو جائے کہ صحابہ کے عہد میں کاغذ تھا تو وہ ہمارے لئے اور زیادہ مفید ہے جس سے کاغذ کا ہونا آنحضرت کے یا صحابہ کے عہد میں ثابت ہوگا اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ کاغذ اُس وقت میں نہ تھا تو کیا اس سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت کوئی دوسری شے بھی ایسی نہ تھی جو کاغذ کا کام دیتی۔ تاریخ سے جو واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ چین کے سوا دنیا میں عظیم الشان کتب خانہ عہدِ نبوی کے قبل اور اُس وقت میں بھی تھے اور خود عرب میں بھی توریت و انجیل یہود و نصاریٰ کے پاس لکھی ہوئی تھی۔ عرب میں لکھنے کا رواج تھا۔ باہمی خط و کتابت کا سلسلہ جاری تھا۔ چنانچہ فہرست ابن ندیم میں ہے۔ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ اِسْحَاقَ كَانَ بِمَدِيْنَةِ الْحَدِيْثَةِ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ وَيُعْرَفُ بِابْنِ اَبِيْ بَعْرَةَ جَمَّاعَةٌ لِلْكُتُبِ لَهُ خِزَانَةٌ لَمْ اَرَ لِاَحَدٍ مِثْلَهَا كَثْرَةً تَحْتَوِيْ عَلٰى قِطْعَةٍ مِنَ الْكُتُبِ الْعَرَبِيَّةِ فِي النَّحْوِ وَاللُّغَةِ وَالْاَدَبِ وَالْكُتُبِ الْقَدِيْمَةِ فَاَخْرَجَ لِيْ قِمَطْرًا كَبِيْرًا فِيْهِ نَحْوَ ثَلٰثَمِائَةِ رَطْلِ جُلُوْدِ فَلْجَانٍ وَصِكَاكٌ وَقِرْطَاسُ مِصْرَ وَوَرَقٌ صِيْنِيٌّ وَوَرَقٌ تِهَامِيٌّ وَجُلُوْدُ اُدْمٍ وَوَرَقٌ خُرَاسَانِيٌّ فِيْهَا تَعْلِيْقَاتٌ مِنَ الْعَرَبِ وَقَصَائِدُ مُفْرَدَاتٌ مِنْ اَشْعَارِهِمْ وَشَيْءٌ عَنِ النَّحْوِ وَالْحِكَايَاتِ وَالْاَخْبَارِ وَالْاَسْمَاءِ وَالْاَنْسَابِ وَغَيْرُ ذٰلِكَ مِنْ عُلُوْمِ الْعَرَبِ وَرَاَيْتُ مَا يَدُلُّ عَلٰى اَنَّ النَّحْوَ عَنْ اَبِي الْاَسْوَدِ مَا هٰذَا حِكَايَتُهُ وَهِيَ اَرْبَعَةُ اَوْرَاقٍ اَحْسَبُهَا مِنْ وَرَقِ الصِّيْنِ تَرْجَمَتُهَا "هٰذَا" فِيْهَا كَلَامٌ فِي الْفَاعِلِ وَالْمَفْعُوْلِ مِنْ اَبِي الْاَسْوَدِ بِخَطِّ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ" [1] محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ ایک شخص محمد بن حسین نامی جو ابن بعرہ کے نام سے مشہور تھا اور کتابوں کے جمع کرنے کا بہت شائق تھا اس کے پاس ایک ایسا کتب خانہ تھا کہ اس قدر کثیر کتابیں میں نے کسی دوسرے کے کتب خانہ میں نہیں دیکھیں جن میں نحو، لغت، ادب اور کتبِ قدیمہ کا حصہ بھی تھا۔ جب میں اس کا کتب خانہ دیکھنے گیا تو اس نے ایک صندوق کتابوں کا ایسا نکالا جس میں قریب چار من کے کتابیں مختلف اشیاء پر لکھی ہوئی تھیں۔ کچھ تو جلد پر، کچھ مصری کاغذ پر، کچھ ہرن کی جلد پر، کچھ تہامی اور خراسانی اوراق پر۔ ان میں بعض عرب کے تعلیقات تھے اور بعض قصائدِ مفردہ اور کچھ نحوی مسائل اور کچھ تاریخ وغیرہ اور یحییٰ بن یعمر کے ہاتھ کے نحو کے چند مسائل کاغذ پر لکھے ہوئے دیکھے۔ غالباً یہ چین کا کاغذ تھا۔ اس کے سوا بھی یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ ۸۵ھ میں حجاج نے کاغذ کو استعمال کیا۔ اس کے قبل عہدِ نبوت سے لے کر ۸۵ھ تک اس کا پتہ نہیں چلتا کہ خلفاءِ اربعہ نے اپنے وقت میں لکھنے کے واسطے کسی ایسی شے کی ایجاد یا استعمال کیا ہو جو زمانۂ نبوت میں نہ تھی بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ بجائے کاغذ اس وقت تک برابر وہی شے مستعمل تھی جو پہلے سے رائج تھی اور اس وقت عرب میں ایسی شے موجود تھی جس پر کاغذ کی طرح لکھا جا سکے۔ کیونکہ خلیفۂ اوّل نے عہدِ نبوت کے کچھ ہی روز بعد قرآن لکھوایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھی قرآن لکھا ہوا تھا[1]

---

[1] بخاری کتاب الاذان و فضائل القرآن۔

عبداللہ بن عمرؓ[1] اور حفصہ ام المومنین کے پاس بھی تھا[2] حنظلہ کہتے ہیں کہ میں طاؤس کے ہمراہ اُس قوم پر گزرا جو قرآنوں کو بیچتے تھے۔ اس پر طاؤس نے اِنَّا لِلّٰہ پڑھا[3]۔ فاروقِ اعظم کے پاس بھی قرآن تھا۔[4] ناجیۃ الطفاوی صحابی کا یہی کام تھا کہ وہ مصحف لکھا کریں[5] ایک شخص[6] نے قرآن میں ہر ایک آیت کے ہمراہ اُس کی تفسیر بھی لکھی۔ خلیفۂ دوم نے اس مصحف کو ضائع کرا دیا۔ خلیفہ موصوف نے نیز ایک اور دوسرے شخص کو دیکھا کہ قرآن باریک قلم سے لکھا ہے اُسے تنبیہ کی اور فرمایا کہ قرآن کی عظمت چاہیے۔ عقبہ بن عامر صحابی کا لکھا ہوا قرآن ابن یونس نے مصر میں دیکھا ہے[7] حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے ایک مصحف مطلا دیکھا تو فرمایا قرآن کی بہتر زینت تلاوت ہے[8] رسولِ[9] خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مصاحف لٹکے ہوئے دیکھے تو فرمایا تمھیں یہ فریب نہ دیں خدا ایسے شخص کو عذاب نہ دے گا جسے قرآن یاد ہو[10] حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا مصحف کو باریک قلم سے لکھ کر چھوٹا نہ کرو[11]۔ عبداللہ بن نافع سے حضرت ام سلمہؓ نے قرآن لکھوایا[12]۔ ابو الدرداء صحابی کے ہمراہ خلافت عمری میں دمشق سے ایک گروہ آیا تاکہ وہ اپنا اپنا لکھا ہوا قرآن، اُبَی، زید، علی وغیرہ اہلِ مدینہ کو دکھائیں[13]

اب اگر کوئی شے کاغذ کے سوا عرب میں نہ ہوتی تو پھر اس قدر کثرت سے مصاحف کا لکھا جانا کیونکر ممکن تھا۔ اصل یہ ہے کہ اس زمانہ میں چمڑے یا کپڑے پر روغن دے کر بجائے کاغذ کے استعمال کرتے تھے۔ جیسا کہ علامہ ابن خلدون مغربی نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں لکھا ہے۔ اب اس امر میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہے کہ عہدِ نبوت میں لکھنے والے اور وہ شے جس پر لکھا جائے موجود تھی اور لکھنے والے بھی ایک دو نہیں بلکہ سیکڑوں کی تعداد میں تھے اور وہ مصحف بھی جن پر لکھتے تھے بکثرت ملتے تھے۔ اور یہ خیال کہ صحف اگرچہ اس وقت میں تھے لیکن عرب میں ان کا رواج نہ تھا۔ خلفاء کے زمانے میں جب فتوحات ہوئیں اور مسلمان دوسرے ملکوں میں گئے تو وہاں سے صحف لائے اور عرب میں ہوں بھی تو ممکن ہے کہ وہ اس قدر قیمتی ہوں جسے مسلمان اپنے افلاس کی وجہ سے استعمال نہ کرتے ہوں۔ گو ایک ناواقف کو یہ خیال ہو لیکن جس نے تاریخ دیکھی ہے وہ کبھی ایسا لغو خیال نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ خلیفۂ اول نے اپنے عہد میں ابتدا ہی میں قرآن کو صحیفوں میں لکھوایا اور اُس وقت تک مسلمان کسی ایسے نئے ملک میں داخل نہیں ہوئے تھے جہاں پہلے سے اُن کی آمد و رفت نہیں تھی بلکہ اُس وقت

---

۱ طبقات قسم ۲ ج ۴ ص۱۰ ۲ طبقات قسم ۲ ج ۵ ص۲۲ ۳ طبقات قسم ۲ ج ۴ ص۳۱۲

۴ استیعاب قسم ۲ ج ۱ ص۳۰۲ ۵ استیعاب قسم ۲ ج ۱ ص۳۱۷ ۶ یہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ خلیفۂ دوم کے عہد میں اس قدر رواج ہو گیا تھا کہ قرآن کے سوا تفسیر بھی لکھتے تھے اور لکھنے کے لئے کافی شے اُس وقت میں موجود تھی۔ ۷ ذہبی ج ۱ ص۳۶

۸ کنز العمال ج ۱ ص۲۳ ۹ اس واقعہ سے نہایت واضح طور سے یہ امر روشنی میں آجاتا ہے کہ آنحضرت کے عہد میں بہت سے صحابہ نے قرآن لکھے تھے مگر لکھنے کے سوا آپ یاد اور حفظ کی تاکید بھی فرماتے تھے۔ کنز العمال ج ۱ ص۲۳۱

۱۰ کنز العمال ج ۱ ص۲۳ ۱۱ کنز العمال ج ۱ ص۲۳۴ ۱۲ کنز العمال ج ۱ ص۲۱۸۔

تک اُنھیں ملکوں میں داخل ہوئے تھے جن میں قبل سے عربوں کی آمد ورفت اور تجارت وغیرہ تھی۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ ہجرت کے بعد سے بہت سے ملک اسلامی سایہ میں پناہ لے چکے تھے اور اب مسلمانوں کی ایسی حالت نہیں رہی تھی کہ وہ صحیفوں کی قیمت نہ رکھتے ہوں بلکہ میں کہہ سکتا ہوں کہ صحابہ میں بعض وہ بھی تھے جو بڑے مالدار تھے اور ابتداہی سے اسلام کے حامی اور ناصر تھے جنھوں نے تنہا مسلمانوں کی ایسی امداد کی کہ اس وقت بھی بڑے سے بڑے مالدار سے ناممکن ہے۔

دوسرا امر | رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یہ ضروری تھا یا نہیں کہ رسولِ خدا اور نیز مسلمان قرآن کو پورا لکھتے۔

قرآن مسلمانوں کے اعتقاد میں آسمانی کتاب ہے جس پر اُن کے مذہب کی عمارت قائم ہے۔ اسلام کا دار ومدار اور اس کی بنیاد قرآن ہے۔ یہی قرآن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا زندہ نشان ہے اور اسلام کی حقانیت کا روشن آفتاب۔ اسلام کے احکامات اور ہدایات کا سرچشمہ اور منبع قرآن ہی ہے اور اسی کی تبلیغ کے واسطے آپ دنیا میں بھیجے گئے اور اسی کی اشاعت اور تعلیم آپ کا اصلی منصب اور کام تھا۔ اِس لئے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور نیز ہر ایک مسلمان کا فرض اوّلی یہ تھا اور ہے کہ قرآن کی پوری اور کامل حفاظت کرے۔ کیونکہ اسلام کی موت وحیات اور اُس کا بقا صرف قرآن کی حفاظت پر منحصر ہے۔ قرآن کی حفاظت اسلام کی حفاظت ہے اور قرآن کی موت اسلام کی موت ہے اور مسلمان دنیا میں جس قدر پھلے پھولے وہ قرآن کی وجہ سے۔ اگر وہ اپنے مذہب کی اشاعت کر سکتے ہیں تو قرآن کی وجہ سے اگر اُن کے ہاتھ میں صداقت کا کوئی نشان ہے تو وہ قرآن ہے۔

اب ایسی صورت میں یہ ناممکن ہے کہ عہدِ اوّل کے مسلمانوں نے قرآن کی حفاظت میں کسی قسم کی کمی کی ہو اور قرآن کی حفاظت کے جو اسباب ووسائل ہیں اُن میں سے کسی کو چھوڑا ہو۔ کیونکہ موافق اور مخالف دونوں کو یہ اقرار ہے اور تاریخ بھی اس پر گواہ ہے کہ اپنے مذہب کی حفاظت اور حمایت میں جو کارنمایاں مسلمانوں کے ہیں اور جان ومال، راحت وآرام کی جس قدر قربانیاں مسلمانوں نے کیں اور مزاحمت کرنے والوں کا جو مقابلہ اہلِ اسلام نے کیا کوئی مذہب اس کے مقابلہ میں اپنے فرزندوں میں کسی کو ایسا پیش نہیں کر سکتا جس نے مسلمانوں کی طرح سے اپنے مذہب کے لئے ایثار کیا ہو۔ اور کوئی اہلِ اسلام کے سامنے اِس میدان میں آگے نہیں بڑھ سکتا۔

بانیٔ اسلام کے تمام اقوال وافعال کا مجموعہ مسلمانوں نے جس طرح تیار کیا اور اس کی تنقید اور تصحیح کی کیا کوئی مذہب اسلام کے سوا بھی اپنے بانیوں کی ایسی مکمل اور منضبط تاریخ لا سکتا ہے۔ پس جس مذہب نے اپنے مذہب کے بانی کے اقوال اور افعال کی اس درجہ حفاظت کی ہو کہ اُس میں وہ خود بھی [illegible] ہو تو کیا خطرے کے طور پر بھی یہ بات خیال میں آسکتی ہے کہ اُس نے آسمانی

کتاب کی حفاظت میں کسی قسم کا قصور کیا ہوگا یا اُس کا ایک حرف یا نقطہ بھی ضائع ہو لے دیا گیا ہوگا۔
اب یہ امر البتہ تنقیح طلب ہے کہ کسی کتاب یا کلام کی کامل حفاظت اور پوری حمایت کا کیا ایسا ذریعہ ہے جو لائقِ اعتبار ہو اور جس پر ایسا وثوق اور اعتماد ہو سکے جس میں تمام شک و شبہات کے راستے بند ہو جائیں اور عین الیقین کے اول درجہ پر ہو۔
کتابوں وغیرہ کی حفاظت کے دو طریقے ہیں۔ اوّل یہ کہ اُن کو سینہ کے صفحات میں جگہ دی جائے اور اس میں ان کو بند کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ قرطاس میں اُنھیں جمع کر کے محفوظ رکھا جائے۔ اِس میں شبہ نہیں ہے کہ پہلی صورت بھی (یعنی یہ کہ کتاب لوگ یاد کر لیں) حفاظت کا ذریعہ ہے لیکن انسان خواہ وہ کیسا ہی حافظ قوی اور مستحکم رکھتا ہو مگر بھول چوک سے جو انسان کے لوازمات سے اور اُس کے خواص سے ہے کبھی پاک اور بالکلیہ جدا نہیں ہو سکتا اور اس میں کسی کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ تمام انسان اس میں یکساں شریک ہیں خواہ وہ نبی ہو یا ولی یا فلاسفر ہو یا عامی۔ اب میں یہاں چند واقعات ایسے لکھتا ہوں جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سہو اور نسیان کا ہونا ظاہر ہو۔ اور نیز اس سے یہ نتیجہ بھی بسہولت حاصل ہوتا ہے کہ جب آنحضرت کو خود سہو اور نسیان ہوا تو ایسی حالت میں آنحضرت وحیِ الٰہی اور قرآن کو محض حافظہ کے حوالے نہیں فرما سکتے تھے یہ تو ایک معمولی شخص سے بھی بعید ہے۔ اور آپ کی شان تو نہایت ہی اعلیٰ اور ارفع ہے۔
ابو داؤد میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں بھول ہوئی۔ ایک صحابی کے یاد دلانے پر آپ نے سجدہ سہو کرنے کے بعد فرمایا۔ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اَنْسیٰ کَمَا تَنْسَوْنَ فَاِذَا نَسِیْتُ فَذَکِّرُوْنِی۔ تمھیں جس طرح بھول ہوتی ہے مجھ سے بھی ہوتی ہے کیونکہ میں بھی انسان ہوں۔ جب مجھ سے بھول ہوا کرے یاد دلا دیا کرو۔
ایک[1] بار صبح کی نماز میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے چند آیتیں درمیان سے چھوڑ دیں اور انھیں بھول گئے۔ نماز کے بعد کسی صحابی نے عرض کیا کہ فلاں فلاں آیات آپ نے نہیں پڑھیں۔ فرمایا یاد کیوں نہ دلایا[2]۔
بخاری میں ہے کہ ایک شخص کو مسجد میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھتے سُنا تو فرمایا خدا اس کو جزائے خیر دے اِس نے مجھے فلاں سورت کی فلاں آیت یاد دلا دی جس کو میں بھول گیا تھا۔ (کتاب الشہادت)
اس کے علاوہ بے انتہا واقعات گذشتہ اور موجودہ ایسے ہیں جو انسان کی بھول چوک اور خطا کی بیّن شہادت ہیں اور جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ اب جبکہ انسان کی یاد اور حافظہ متہم ہے اور پورے

---

[1] اس سے ثابت ہوا کہ صحابہ میں قرآن کے حفاظ تھے اور مسلمانوں کو اس کی ضرورت تھی اور ہے۔ [2] استیعاب ج ۱ صفحہ ۲۷

اعتماد اور وثوق کے لائق نہیں ہے تو کوئی فہمیدہ انسان محض اسی کو سند نہیں بنا سکتا اور کسی کتاب کی حفاظت کا ذریعہ تنہا اسے قرار نہیں دے سکتا۔ ہاں اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ قرطاس سے بھی کام لیا جائے اور جو نقش سینہ کے صفحوں پر کیا جائے وہی قرطاس پر بھی جمایا جائے۔ یہ نقش واقعی قابلِ وثوق اور معتبر اور یقینی ہوگا۔ اِس لئے دنیا میں ہر ملک و ملت میں عام طور سے اس کا رواج ہے کہ جب کسی شے کا زیادہ اہتمام ہوتا ہے اور اس کو زیادہ مستحکم اور مضبوط اور قابلِ اطمینان کرنا منظور ہوتا ہے تو اس کو لکھ لیتے ہیں۔ چنانچہ قرآن نے بھی ایسے معاملات کے لکھنے کا حکم دیا ہے جن کا یاد رکھنا ضروری ہے اور ان کو محض یاد پر نہیں چھوڑا۔ قرآن میں ہے۔ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْہُ۔ اے مسلمانو! اگر تم اُدھار کا معاملہ کرو اور اُس کے ادا کے لئے ایک وقت مقرر کرو تو اس معاملے کو لکھ لو۔ اِس آیت سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱) یہ کہ مسلمان لکھنا پڑھنا آنحضرتؐ کے عہد میں جانتے تھے۔ (۲) ایسی اشیا اُس وقت موجود تھیں جن پر لکھ پڑھ سکیں۔ (۳) جن چیزوں کی حفاظت اور یاد رکھنے کی ضرورت ہے اُس میں محض یاد پر بھروسہ نہ کرو بلکہ اُسے لکھ لیا کرو۔ اب مسلمانوں کو خدا ہی نے یہ حکم دے دیا کہ حفاظت کی کی چیزوں کو لکھو اور یہ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے یہاں معاملاتِ دنیاوی سے بہت زیادہ دین کے معاملات کی حفاظت کی ضرورت ہے خصوصًا قرآن کی۔ تو اس سے صاف یہ نتیجہ نکلا کہ خدائے تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ قرآن کو ضرور لکھو۔ اِس کے سوا بھی لکھنے میں چند فائدے ہیں۔

(۱) اول یہ کہ جب انسان سے بھول چوک اور خطا ممکن کیا بلکہ واقع ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ تمام انسان حافظہ اور یاد میں یکساں نہیں بلکہ مختلف ہیں بعض کا حافظہ نہایت قوی اور مضبوط ہے اور بعض کا نہایت ضعیف اور کمزور ہے اور بعض کا متوسط۔ اب اگر کوئی چیز محض یاد ہی پر چھوڑ دی جائے اور لکھی نہ جائے تو یاد کرنے والے کسی وقت اگر اس میں اختلاف کریں اور ہر ایک کو اپنی یاد پر پورا بھروسہ ہو تو اس اختلاف میں حکم اور اُس کا فیصلہ بجز تحریر کچھ نہیں ہو سکتا۔ یا کسی شخص کو خود کسی وقت اپنی یاد میں شبہ ہو جائے تو تحریر سے وہ اپنے شبہ کو رفع کر سکتا ہے اِس لئے بھی تحریر نہایت ضروری ہے۔

(۲) دوسرے حفظ اور یاد ایسا خزانہ اور سرمایہ ہے جس سے انسان خود فائدہ اُٹھا سکتا ہے یا وہ لوگ جو اُس کے پاس ہوں اور جو اُس سے جُدا ہیں یا بعد میں ہوں وہ اس سے نفع نہیں اُٹھا سکتے۔ کیا آج دنیا میں بے انتہا ایسے واقعات نہیں ہیں جو یاد اور حافظہ کے ساتھ ہی زمین میں مدفون ہیں اور واقفیت کے تمام ذرائع وہاں بیکار و معطّل ہیں۔ اگر وہ سینہ سے نکل کر سیاہ لباس میں صفحات پر متمکن ہوتے جس پر ہر شخص کی نگاہ پڑ سکتی اور اُن کو دیکھتا تو آج کیوں وہ گمنامی کے ایسے تاریک غار میں ہوتے جس

سے نکالنا انسان کی قدرت سے باہر ہے اور نہ وہاں کسی قسم کی روشنی پہنچ سکتی ہے اس لئے بھی انسان کو تحریر کی سخت ضرورت ہے۔ اگر انسان کا حافظہ اور یاد ہی کامل کفالت کرتی اور اس بار کی متحمل ہوتی اور امانت کا پورا پورا حق ادا کرتی تو پھر بھی تحریر کی اِس لئے ضرورت پڑتی اگر غور سے دیکھا جائے تو خط اور تحریر کی موجد یہی ضرورت ہے۔

اب جب یہ معلوم ہوگیا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ پر یہ امر نہایت ضروری اور اُن کا پہلا فرض یہی تھا کہ وہ قرآن کی حفاظت کریں اور چونکہ بلا تحریر یقینی اور کامل حفاظت ناممکن ہے اِس لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور نیز صحابہ پر فرض تھا کہ وہ قرآن کو پورا اِس طرح پر لکھواتے جس سے اُس کا ہر لفظ اور نقطہ محفوظ ہو جاتا۔ اور نیز جو امور قرآن میں داخل ہیں مثلاً الفاظ یا اِعراب کی صحت آیتوں کی ترتیب، سُورتوں کی ترتیب یہ تمام بھی اُسی طرح محفوظ رہیں جس طرح اس میں داخل ہیں۔ اب اگر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عہد میں تمام قرآن کو کامل اُسی ترتیب سے جیسا وہ ہے لکھواتے تو ضرور سمجھا جاتا کہ انھوں نے اپنے کام میں تقصیر کی۔ اور چونکہ آپ خاتم الانبیاء ہیں روزِ قیامت تک آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں اور آپ کی رسالت عامّہ ہے اور تمام کے لئے ہے خواہ وہ آپ کے عہد میں ہوں خواہ بعد میں ہوں۔۔۔ قیامت تک جو ہوں گے اُن تمام کے لئے آپ کی نبوّت ہے قرآن میں ہے۔ وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (پارہ بائیس۲۲ سورہ سبا رکوع ۳) یعنی ہم نے تم کو تمام خلق کے لئے نبی ٹھہرایا اور یہ اسی وقت ہوگا کہ آپ اپنے عہد کے اور نیز تمام اُن لوگوں کے لئے جو آپ کے بعد قیامت تک ہوں نبی ہوں ورنہ آپ کے بعد میں کوئی نبی ہو تو پھر اس نبی کے عہد کے لوگوں کے آپ نبی نہ ہوں گے یعنی تمام خلق کے نبی نہ ہوں گے۔ اب ضرور آپ کی تبلیغ بھی عام ہونی چاہیئے۔ اور آپ پر فرض ہے کہ قیامت تک کے لوگوں کو آپ تبلیغ کریں اور خدا کا حرف حرف اُن تک پہنچاویں اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ قرآن بعینہٖ اپنے بعد محفوظ چھوڑیں چونکہ قرآن کا تمام و کمال لکھوا کر اپنے بعد میں چھوڑنا بھی تبلیغ کا جُز تھا اِس لئے یہ خیال نہیں ہوسکتا کہ اس کام کو ویسے ہی چھوڑا ہوا اور انجام نہ دیا ہو اور اگر یہ خیال کیا جائے کہ قرآن کا لکھوانا واقعی اُس کی حفاظت کی بہتر صورت ہے لیکن رسولِ خدا کو اس کا خیال نہ ہوا ہو تو اس کے متعلق یہ کہنا کافی ہے کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی معاملہ فہمی اور دُوراندیشی اور فہم و فراست ایسی نہ تھی جو آپ ایسی موٹی اور کھلی ہوئی بات کو بھی نہ سمجھتے بلکہ یہ امر مخالفین کو بھی مسلّم ہے کہ آپ اعلیٰ درجہ کے فلاسفر اور مصلح اور دُور اندیش تھے۔ اس کے سِوا بھی ہم آپ کے عہد کی بہت سی ایسی مثالیں پیش کر سکتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے اُن اُمور کو لکھوایا جن کی احتیاط اور استحفاظ آپ کو مقصود تھا۔ جس طرح صدقہ کے احکام حضرت علیؓ کو لکھوا دیئے عمّال کو جب کسی جگہ روانہ فرماتے تو ضروری

ہدایات لکھوا دیتے۔ آخر وقت میں بھی آپ نے کچھ لکھوانا چاہا تھا تو کیا قرآن کو آپ ضروری خیال نہیں فرماتے تھے۔

تیسرا امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور نیز آپ کے عہد میں صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے پورا قرآن لکھا تھا یا نہیں۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی تھے لکھنا پڑھنا آپ کو نہیں آتا تھا اس لئے یہ یقینی ہے کہ آپ نے اپنے ہاتھ سے قرآن نہیں لکھا اور نہ خاص اپنے لئے قرآن کا کوئی نسخہ لکھوایا۔ آپ اگر کوئی نسخہ لکھواتے تب بھی آپ اُس سے متمتع نہیں ہو سکتے تھے۔ لکھے ہوئے سے منتفع وہ ہو سکتا ہے جو پڑھ سکتا ہو۔ اب ایسی صورت میں اگر آپ اپنے لئے قرآن لکھواتے وہ بیکار ہوتا جس سے آپ کی شان ارفع تھی۔ تاریخ سے بھی اس کا پتہ نہیں چلتا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد متروکات میں قرآن کا کوئی نسخہ چھوڑا ہو، یا آپ کے پاس کوئی قرآن لکھا ہوا تھا۔ مگر اسی کے ساتھ آپ کا یہ خیال ضرور تھا کہ قرآن جو آسمانی کتاب ہے اور قیامت تک کے لئے تمام لوگوں کا دستور العمل اور چشمۂ ہدایت ہے اس کا حرف حرف اور نقطہ نقطہ محفوظ رہے اور اُس کی یہی صورت تھی کہ جس وقت جو آیت نازل ہو اُسی وقت آپ اُسے بعینہٖ لکھا دیں اور اس آیت کو اسی جگہ لکھائیں جہاں کی وہ آیت ہے اور جو لکھے پڑھے ہیں وہ اُسے اُسی طور سے لکھیں جس طرح سے آپ فرمائیں قرآن اور تاریخ اور تمام کتبِ احادیث سے یہ ثابت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر جب قرآن نازل ہوتا اُسی وقت آپ صحابہ سے اُن افراد کو طلب فرماتے جو لکھنا جانتے تھے اور اُن کو وہ آیت لکھا دیتے اور جب وہ لکھ لیتا تو دوبارہ بھی پھر اُسے اُس سے سُن لیتے اور وہ صحابی دوسروں کو لکھا دیتا اور اس طرح اکثر صحابہ اُس سے نقل کر لیتے بلکہ یہ بات قرآن ہی سے ثابت ہے کہ آنحضرت نے تمام قرآن لکھوایا اور مخالفین کو بھی اس کا اقرار تھا۔ قرآنِ پاک میں ہے۔ قَالُوْٓا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اکْتَتَبَهَا فَهِیَ تُمْلٰی عَلَیْهِ بُکْرَةً وَّاَصِیْلًا۔ (سورہ فرقان۔ رکوع ۱ جز ۱۹)۔ یعنی یہ قرآن اگلوں کے قصّے ہیں جس کو آنحضرت نے لوگوں کو لکھوایا ہے اور صبح و شام لوگ آپ سے لکھتے ہیں اور پھر اُس کو سُناتے ہیں۔

مجمع الزوائد میں ہے:۔

عَنْ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ کُنْتُ اَکْتُبُ الْوَحْیَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَکَانَ اِذَا نَزَلَ عَلَیْهِ الْوَحْیُ اَخَذَتْهُ بُرَحَاءُ شَدِیْدَةٌ وَعَرِقَ عَرَقًا شَدِیْدًا مِثْلَ الْجُمَانِ ثُمَّ سُرِّیَ عَنْهُ فَکُنْتُ اَدْخُلُ عَلَیْهِ بِقِطْعَةِ الْکَتِفِ اَوْ کِسْرَةٍ فَاَکْتُبُ وَهُوَ یُمْلِیْ عَلَیَّ فَمَا اَفْرُغُ حَتّٰی تَکَادُ رِجْلِیْ تَنْکَسِرُ مِنْ ثِقْلِ الْقُرْاٰنِ حَتّٰی اَقُوْلَ لَا اَمْشِیْ عَلٰی رِجْلِیْ اَبَدًا فَاِذَا فَرَغْتُ قَالَ اقْرَاْهُ فَاَقْرَؤُهُ فَاِنْ کَانَ فِیْهِ سَقْطٌ اَقَامَهُ ثُمَّ اَخْرُجُ بِهٖ اِلَی النَّاسِ۔ (مجمع الزوائد۔ ج ۱ ص ۱۵۶)

ترجمہ :- زید بن ثابت کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی کو مجھ سے لکھاتے تھے۔ نزولِ وحی کے وقت آپ کو نہایت گرانی ہوتی۔ موتی کی طرح پسینہ چہرے سے نمودار ہوتا اور بہت پسینہ آتا۔ جب وحی ختم ہو جاتی میں شانہ کی ہڈی لے کر حاضر ہوتا۔ آپ بتلاتے جاتے اور میں لکھتا۔ مجھے بھی اس کی اس قدر گرانی محسوس ہوتی جس سے معلوم ہوتا کہ میرا پیر ٹوٹا جارہا ہے اور میں اپنے پیروں سے اب چل نہ سکوں گا۔ جب میں لکھ لیتا تو آپ فرماتے کہ اسے سناؤ میں پڑھتا اگر اُس میں کوئی غلطی ہوتی اس کی اصلاح فرماتے۔ پھر اسے میں لوگوں میں لاتا۔

زید کے اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم وحی لکھواتے اور اُس میں اِس قدر اہتمام کرتے کہ دوبارہ سُنتے۔ اگر اس میں غلطی ہوتی اصلاح کرتے۔ پھر اُسے زید صحابہ میں لے جاتے اور چونکہ زید کا یہ لکھنا محض یادداشت کے لئے ہوتا تھا نہ حفاظت اور جمع کے لئے اِس لئے وہ اُس وقت ہڈی وغیرہ پر یادداشت کے طور سے لکھ لیتے البتہ حفاظت کے لئے جو صحابہ لکھتے تھے وہ قرطاس پر لکھتے تھے۔

عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ادْعُوْا فُلَانًا فَجَاءَهُ وَمَعَهُ الدَّوَاةُ وَاللَّوْحُ اَوِ الْكَتِفُ فَقَالَ اكْتُبْ۔ (بخاری)

بخاری میں براء سے روایت ہے جب قرآن کی یہ آیت (لایستوی القاعدون الخ) نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے فرمایا۔ فلاں لکھنے والے کو بلاؤ وہ شخص مع دوات اور شانے کی ہڈی یا تختی کے حاضر ہوا۔ فرمایا اس آیت کو لکھو۔

اِس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی نازل ہونے کے بعد اُسے یادداشت کے طور پر لکھا دیتے تھے جسے وہ تختی وغیرہ پر لکھ کر یادداشت قائم کر لیتے تھے۔ ورنہ یہ ظاہر ہے کہ جس شے کی حفاظت مقصود ہوتی ہے اور ہمیشہ کے لئے لکھتے ہیں وہ تختے پر نہیں لکھتے۔

قَالَ عُثْمَانُ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ عَلَيْهِ السُّوَرُ ذَوَاتُ الْعَدَدِ فَكَانَ إِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ الشَّيْءُ دَعَى بَعْضَ مَنْ يَكْتُبُ فَيَقُوْلُ ضَعُوْا هٰؤُلَاءِ الْاٰيَاتِ فِي السُّوْرَةِ الَّتِيْ يُذْكَرُ فِيْهَا كَذَا اكَذَا۔ (اتقان۔ عن احمد۔ ابی داؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن حبان۔ حاکم)

ترجمہ :- اتقان میں مسند امام احمد۔ سنن ابی داؤد۔ جامع ترمذی۔ سنن نسائی۔ ابن حبان۔ مستدرک حاکم سے نقل ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر سورتیں قرآن کی نازل ہوا کرتی تھیں جب کوئی آیت نازل ہوتی آپ اُن لوگوں سے جو قرآن لکھتے تھے بعض کو بُلا کر فرماتے۔ ان آیتوں کو فلاں سورت میں لکھو۔

اِس سے ثابت ہوا کہ قرآن برابر صحابہ لکھتے تھے اور جس وقت قرآن نازل ہوتا رسولِ خدا

صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو طلب فرماتے جو قرآن لکھتے تھے اور اُسی وقت اُنھیں لکھوا دیتے اور یہ بھی بتلا دیتے کہ یہ آیت فلاں سورت کی فلاں مقام کی ہے اور حسبِ ارشاد صحابہ اُسے اُسی ترکیب سے لکھ لیتے تھے حضرت عثمان کے بیان سے معلوم ہوا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادتِ مستمرہ تھی کہ قرآن کا جب کوئی حصہ یا آیت نازل ہوتی فوراً بلا توقف اُسے لکھا دیتے اور اس کی ترتیب بھی بتاتے اور صحابہ میں جو قرآن لکھتے تھے وہ اُسے اُسی وقت لکھ لیتے اور نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ میں ایک ایسی جماعت تھی جو قرآن لکھتے تھے اور اس طریقہ سے آپ نے پورا مرتب قرآن لکھا دیا اور صحابہ نے اُسے لکھا اور یہ پورا مرتب قرآن اُن صحابہ کے پاس موجود تھا جو قرآن کو تھوڑا تھوڑا حسبِ نزول لکھتے جاتے تھے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَکْتُبُوْا عَنِّیْ شَیْئًا اِلَّا الْقُرْآنَ فَمَنْ کَتَبَ عَنِّیْ شَیْئًا غَیْرَ الْقُرْاٰنِ فَلْیَمْحُہٗ (دارمی و مسلم عن ابن مسعود)

ترجمہ:۔ دارمی میں ابو سعید اور مسلم میں ابن مسعود سے روایت ہے۔ آنحضرت نے فرمایا قرآن کے سوا مجھ سے کچھ نہ لکھو۔ اگر کسی نے قرآن کے سوا مجھ سے کچھ لکھا ہو تو مٹا دے۔

اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو قرآن لکھواتے تھے اور صحابہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اُسے لکھتے تھے اور یہ لکھا ہوا اُن کے پاس محفوظ تھا۔ اور یہاں سے یہ امر بھی بخوبی روشن ہو گیا کہ وحی کے کاتب وہی لوگ کہلاتے تھے جو قرآن کو اپنے لئے التزام سے لکھتے تھے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اِس قدر احتیاط فرمائی کہ قرآن کے سوا آپ سے اور شے کے لکھنے کی عام طور سے ممانعت فرما دی۔ یہ اس لئے کہ ممکن تھا کہ غیر قرآن کو غلطی سے لوگ قرآن سمجھ لیں اور اس طرح وہ قرآن سے مخلوط ہو جائے اور غیر قرآن کو بھی قرآن سمجھ کر قرآن میں لکھ لیں اور اس میں پوری احتیاط اسی وقت ہو سکتی تھی جب قرآن کے علاوہ اُسے لکھنے کی اجازت ہی نہ ہو اور لوگ اس کے سوا آپ سے لکھیں ہی نہیں۔ چنانچہ بمزید احتیاط اور دور اندیشی آپ نے ایسا ہی کیا کہ قرآن کے سوا لکھنے کی ممانعت فرما دی اور اس میں اس قدر سختی اور تاکید فرمائی کہ اگر کسی نے کچھ قرآن کے علاوہ لکھا ہو تو وہ اُسے مٹا دے۔

عَنْ اَبِیْ نَضْرَۃَ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَلَا تُکْتِبُنَا فَاِنَّا لَا نَحْفَظُ فَقَالَ لَا وَلَنْ نَجْعَلَہٗ قُرْاٰنًا وَلٰکِنِ احْفَظُوْا عَنَّا کَمَا حَفِظْنَا نَحْنُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (دارمی)

ترجمہ:۔ ابو نضرہ نے ابو سعید صحابی سے کہا جو روایت کرو اُسے لکھا دیا کرو کیونکہ ہمیں یاد نہیں رہتا۔ ابو سعید نے کہا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کیا میں اسے قرآن بنا دوں یعنی قرآن لکھا جاتا ہے اُسے بھی قرآن کی طرح لکھاؤں تم بھی یاد کرو جس طرح ہم نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد کیا۔

یہاں سے بھی معلوم ہوا کہ صحابہ قرآن لکھتے تھے اور قرآن کے سوا کے لکھنے کا صحابہ میں رواج نہ تھا کیونکہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا۔

قرآن کے لکھانے میں کبھی تو یہ ہوتا کہ جو آیت نازل ہوتی آپ لکھنے والوں سے کسی کو بُلا کر یادداشت کے طور سے اُسے لکھا دیتے اور وہ دوسروں کو لکھا دیتا اور کبھی خود ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لکھواتے اور لکھنے والے آپ کے گرد حلقہ کئے ہوتے اور لکھتے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ حَوْلَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَكْتُبُ اِذْ سُئِلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الْمَدِيْنَتَيْنِ تُفْتَحُ اَوَّلًا قُسْطَنْطِنِيَّةُ اَوْ رُوْمِيَّةُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا بَلْ مَدِيْنَةُ هِرَقْلَ۔ (دارمی ص۶۵)

ترجمہ:۔ دارمی میں ابن عمرو سے ہے وہ کہتے ہیں ایک وقت ہم لوگ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چاروں طرف حلقہ کئے ہوئے لکھ رہے تھے۔ اس میں ایک نے دریافت کیا کہ قسطنطنیہ اور رومیہ سے پہلے کون فتح ہوگا۔ فرمایا پہلے ہرقل کا شہر فتح ہوگا۔

اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ کبھی صحابہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بیٹھ جاتے اور آپ قرآن بتاتے اور صحابہ لکھتے کیونکہ قرآن کے سوا تو لکھنے کی ممانعت تھی اب لامحالہ حلقہ باندھ کر قرآن ہی لکھتے ہوں گے نہ دوسری شے۔ طبقات القراء میں علامہ فتوی لکھتے ہیں:

اِعْلَمْ اَنَّ كَلَامَ اللهِ بَلَّغَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا سَمِعَهُ مِنْ غَيْرِ زِيَادَةٍ وَلَا نَقْصٍ وَاَمْلَاهُ عَلٰى كُتَّابِ الْوَحْيِ لَفْظًا وَمَعْنًى فَنِعْمَتِ الرِّسَالَةُ فَمِنَ الصَّحَابَةِ مَنْ حَفِظَ سُوَرًا مِنْ نَبِيِّ اللهِ تَلْقِيْنًا وَمِنْهُمْ مَنْ حَفِظَ اِمْلَاءً وَمِنْهُمْ مَنْ حَفِظَهُ مِنْ رَفِيْقِهِ ثُمَّ عَرَضَهُ عَلَى الرَّسُوْلِ وَمِنْهُمْ مَنْ حَفِظَ مِنْ رَفِيْقِهِ وَلَمْ يَعْرِضْ اَوْ عَرَضَ بَعْضَ ذٰلِكَ فَاَمَّا مَنْ حَفِظَهُ كُلَّهُ مِنْهُمْ وَعَرَضَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَمَاعَةٌ مِنْ نُجَبَاءِ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ اِنْتَدَبُوْا لِاِقْرَائِهِ وَانْتَصَبُوْا لِاَدَائِهِ فَكَانَ مِنْ جُمْلَتِهِمْ سَبْعَةُ اَئِمَّةٍ اَعْلَامٍ دَارَتْ عَلَيْهِمْ اَسَانِيْدُ الْقِرَاءَاتِ وَذَكَرُوْا فِيْ صَدْرِ الْكُتُبِ وَالْاِجَازَاتِ۔

عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ، عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ، اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ، عَبْدُ اللهِ ابْنُ مَسْعُوْدٍ، زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ، اَبُوْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيُّ، اَبُو الدَّرْدَاءِ۔

ترجمہ:۔ قرآن جس طرح سے نازل ہوا بلا کمی زیادتی کے بعینہٖ اُسی طرح سے آنحضرتؐ نے اُسے لوگوں تک پہنچایا اور جو قرآن لکھتے تھے اُنہیں لکھایا۔ صحابہ نے بعض قرآن کی سورتیں آنحضرت سے زبانی یاد یاد کیں اور بعض کو آپ نے لکھایا اُنھوں نے لکھ کر یاد کیں۔ بعض نے اپنے ساتھ والوں سے یاد کیا۔ اور پھر آنحضرت کو سُنا دیا اور بعض نے نہیں سُنایا۔ جن صحابہ نے پورا قرآن یاد کیا اور آنحضرتؐ کو

سنا یا وہ صحابہ کی ایک جماعت ہے جنھوں نے قرآن پڑھا یا انھیں میں وہ سات قاری بھی ہیں جن کی سندوں سے لوگ قرآن پڑھتے ہیں۔ یعنی حضرت علی، عثمان بن عفان، ابی بن کعب، عبداللہ ابن مسعود، زید بن ثابت، ابوموسیٰ اشعری، ابوالدرداء۔

یہاں یہ امر بھی قابلِ توجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن میں جب اس قدر احتیاط فرماتے اور اس کی حفاظت میں سعی کرتے کہ جس وقت قرآن کا کوئی حصہ یا آیت نازل ہوتی اُسی وقت اُسے لکھا دیتے اور محض یاد کے حوالے نہ فرماتے اور یہ نہ کرتے کہ اُس وقت محض یاد پر اعتماد اور وثوق کرتے اور دوسرے وقت یاد سے لکھا دیتے اور تعلیم دیتے۔ حالانکہ ایک دو آیت کا یاد رکھنا اور اُن کی ترتیب کا خیال رکھنا تمام قرآن کے یاد رکھنے اور تمام آیتوں کے ترتیب کے خیال رکھنے سے بہت زیادہ آسان تھا مگر جب اس میں بھی آپ نے محض اپنی یاد پر وثوق نہیں کیا تو اب کیا یہ ممکن تھا کہ آپ تمام قرآن اور اُس کی ترتیب میں جو کہ اول سے بہت زیادہ دشوار ہے محض اپنی یا کسی دوسرے کی یاد پر وثوق کرتے اور تمام قرآن کو نہ لکھواتے۔ اِس بات سے ایک معمولی فہم والا بھی یہ اقرار کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلاشک تمام قرآن مرتب لکھوایا اور محض یاد کے حوالے نہیں کیا۔ جن کُتّابِ وحی کے نام کی فہرست کتبِ حدیث یا تاریخوں میں ہے یہ وہی لوگ ہیں جو اپنے سے قرآن لکھتے تھے اور جنھوں نے پورا قرآن لکھا تھا۔

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ مَا كَتَبْنَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا الْقُرْاٰنَ وَمَا فِي هٰذِهِ الصَّحِيْفَةِ

(بخاری)

بخاری میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہے ہم نے بجز قرآن کے اور اُس کے جو اس صحیفہ میں ہے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں لکھا۔

یہ روایت صحیح بخاری کی ہے جس سے ثابت ہوا کہ بعض صحابہ نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن لکھا تھا۔

عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ مَاتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَجْمَعِ الْقُرْاٰنَ غَيْرُ اَرْبَعَةٍ اَبُو الدَّرْدَاءِ وَ مُعَاذُ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَاَبُوْزَيْدٍ وَنَحْنُ وَرِثْنَاهُ۔ (بخاری فضائل القران)

ترجمہ:۔ بخاری میں انسؓ سے ہے۔ عہدِ نبوی میں ان چار یعنی ابوالدرداء، معاذ بن جبل، زید بن ثابت۔ ابوزید کے سوا کسی نے پورا قرآن نہیں لکھا اور ابوزید کے قرآن کا وارث میں ہوا۔

انسؓ کی اس روایت سے جسے بخاری نے روایت کیا ہے ظاہر میں معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اِن چار صحابہ نے پورا قرآن لکھا تھا اور ابوزید کا لکھا ہوا قرآن انسؓ کو ترکہ میں ملا تھا۔ ترمذی میں بھی اسی کی مؤید یہ روایت ہے۔ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نُؤَلِّفُ الْقُرْاٰنَ مِنَ الرِّقَاعِ۔ یعنی ہم (صحابہ) آنحضرت کے رُوبرو قرآن کو ترتیب سے لکھ رہے تھے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت کے امر کے موافق قرآن کو مرتب کر رہے تھے جن میں زید بھی ہیں۔

اگرچہ ظاہر میں انس رضؓ کے اِس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان چار کے سوا کسی صحابی نے پورا قرآن نہیں لکھا لیکن اگر انس کا بیان محض اسی قدر ہوتا تو واقعی یہ امر ثابت ہوتا کہ ان چار کے سوا قرآن کسی نے نہیں لکھا تھا لیکن اصل میں انس رضؓ کا یہ بیان ایک مقامِ خاص پر ہوا تھا جس کو ابن عبدالبر نے استیعاب ج ا ص۲۰ میں نقل کیا ہے کہ انصار کے قبائل سے اوس، خزرج میں ایک بار گفتگو ہوئی۔ قبیلہ اوس نے خزرج سے فخراً کہا ہمارے قبیلہ میں حنظلہ بن غسیل الملائکہ ہے اس کے جواب میں خزرج نے فخراً کہا۔ ہمارے قبیلہ سے چار شخصوں نے پورا قرآن لکھا یعنی تمہارے قبیلہ میں کوئی ایسا نہیں ہوا۔ اس جگہ نفی سے مقصود صرف قبیلہ اوس ہے نہ عام مسلمان ورنہ تاریخوں سے ثابت ہے کہ بہت سے صحابہ نے قرآن لکھا چنانچہ اُن میں سے بعض کے نام ہم پہلے لکھ آئے ہیں منجملہ اُن کے عبادۃ بن الصامت نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں پورا قرآن لکھا تھا۔ تہذیب التہذیب جلد ۵ ص۱۱۲ میں ہے۔ ھُوَ اَحَدُ مَنْ جَمَعَ الْقُرْاٰنَ فِیْ زَمَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَرْسَلَہٗ عُمَرُ اِلٰی فَلَسْطِیْنَ لِیُعَلِّمَ اَھْلَھَا الْقُرْاٰنَ فَاَقَامَ بِھَا اِلٰی اَنْ مَاتَ۔ اور نیز حدیثوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ جہاد میں جب کفار کی طرف سفر کرتے تو اُس وقت میں بھی قرآن اپنے ہمراہ رکھتے تھے اور جبکہ ایسے سفر میں قرآن کو ساتھ رکھتے اور نہ چھوڑتے تو دوسرے سفروں میں ضرور ساتھ رکھتے ہوں گے اِس لئے کہ جو لوگ قرآن کے حافظ ہیں اُن کو بھی اِس لئے ضروری ہے کہ اگر تلاوت میں کسی جگہ متشابہ ہو یا بھول تو قرآن دیکھ کر اطمینان کیا جائے ورنہ اگر قرآن لکھا ہوا نہ ہو تو پھر متشابہ اور بھول سے اطمینان حاصل کرنے کی کوئی صورت نہیں۔ صفحاتِ تاریخ کے دیکھنے سے یہ صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ایسے مقامات میں تنہا ایک ہی صحابی کو قرآن کی تعلیم کے لئے روانہ فرمایا جہاں کوئی دوسرا قرآن کا حافظ نہ تھا۔ پھر ایسی حالت میں اگر قرآن لکھ کر ہمراہ نہ لیا جاتا تو متشابہ اور بھول سے نجات اور رہائی کی کیا صورت ہوتی کیونکہ وہاں کوئی دوسرا حافظِ قرآن بھی نہیں جو اسے بتائے اور اگر مان لیا جائے کہ دوسرا حافظ بھی ہو تب بھی اگر اُن دونوں کے مابین اختلاف ہو جائے تو اس کے فیصلہ کے لئے بھی قرآن کی ضرورت ہوگی اس لئے بھی صحابہ پر ضروری تھا کہ وہ قرآن کو لکھ کر اپنے ہمراہ رکھتے۔ اِسی وجہ سے صحابہ کفار کے ملک میں جاتے وقت بھی قرآن ساتھ رکھتے تھے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرما دی۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی اَنْ یُّسَافَرَ بِالْقُرْاٰنِ اِلٰی اَرْضِ الْعَدُوِّ۔ (بخاری کتاب الجہاد)

بخاری میں ابن عمرؓ سے ہے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں (کفار) کے سرزمین میں قرآن لے جانے کی ممانعت فرمائی۔

بخاری کی اِس روایت سے ثابت ہوا کہ صحابہ کفار کی سرزمین پر سفر کرتے وقت بھی قرآن ہمراہ لے جاتے تھے جس کی اُن کو ممانعت کی گئی اور نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ صحابہ کے پاس قرآن لکھا ہوا رہتا تھا اور جو لوگ قرآن کے حافظ نہیں تھے وہ تلاوت کے لئے قرآن ہمراہ رکھتے تھے۔ کیونکہ صحابہ میں قرآن کا وِرد مقرر تھا جس کو وہ روزانہ پڑھتے تھے۔ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک ہفتہ میں صحابہ کے ختم کا معمول تھا۔ پہلے روز تین سورت (بَقَرَہ، آلِ عِمرَان، نِسَاء)، دوسرے روز پانچ (مائدہ سے بَرَاءَۃ تک) تیسرے روز سات (یونس سے نحل تک) چوتھے روز نو (بنی اسرائیل سے فُرقان تک) پانچویں روز گیارہ (شُعَرَا سے یٰسین تک) چھٹے روز تیرہ (صافات سے حُجرات تک) ساتویں روز تمام مُفَصَّل (قٓ سے آخر تک)۔

عَنْ اَوْسِ بْنِ اَبِیْ حُذَیْفَۃَ الثَّقَفِیِّ قَالَ کُنْتُ فِی الْوَفْدِ الَّذِیْنَ اَسْلَمُوْا مِنْ ثَقِیْفٍ الحدیث وَ فِیْہِ فَقَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ طَرَأَ عَلَیَّ حِزْبِیْ مِنَ الْقُرْاٰنِ فَاَرَدْتُّ اَنْ لَّا اَخْرُجَ حَتّٰی اَقْضِیَہٗ فَسَاَلْنَا اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قُلْنَا کَیْفَ تُحَزِّبُوْنَ الْقُرْاٰنَ قَالُوْا نُحَزِّبُہٗ ثَلٰثَ سُوَرٍ وَّخَمْسَ سُوَرٍ وَّتِسْعَ سُوَرٍ وَّاِحْدٰی عَشَرَۃَ سُوْرَۃً وَّثَلَاثَ عَشَرَۃَ سُوْرَۃً وَّحِزْبَ الْمُفَصَّلِ مِنْ قٓ حَتّٰی یَخْتِمَ۔ (اتقان) عن احمد وابن داؤد

اتقان میں علامہ سیوطی نے مسند امام احمد اور ابن ابی داؤد سے نقل کیا ہے طائف سے قبیلہ ثقیف جو مسلمان ہوگیا تھا آیا اس میں ابو حذیفہ ثقفی بھی تھا وہ کہتا ہے۔ ایک روز رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے معمولی وقت سے باہر تشریف لانے میں تاخیر ہوئی آپ نے فرمایا۔ آج اس وجہ سے تاخیر ہوئی کہ قرآن کا ورد روزانہ مجھ سے رہ گیا تھا اُسے پڑھنے میں دیر ہوگئی۔ تب اُس نے صحابہ سے دریافت کیا کہ قرآن پڑھنے میں تمہارا کیا معمول ہے۔ صحابہ نے کہا اوّل روز تین سورۃ پھر پانچ پھر نو پھر گیارہ پھر تیرہ پھر تمام مفصل یعنی قٓ سے آخر تک۔

اِس حدیث کو ابو داؤد اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے اور ابن سعد نے بھی طبقات ص۳۷۴ ج ۵ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشا کے بعد اس وفد کے پاس تشریف لاتے تھے ایک روز معمول سے زیادہ دیر ہوگئی۔ وفد والوں نے عرض کیا کہ آج کس وجہ سے حضور کو تاخیر ہوئی فرمایا قرآن کے روزانہ وِرد سے آج کچھ رہ گیا تھا اِس لئے میں نے یہ پسند نہ کیا کہ بلا پڑھے اس کے مسجد

سے نکلوں۔ اوس کہتے ہیں صبح کو میں نے صحابہ سے دریافت کیا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آج کی شب میں یہ فرمایا کہ میرا وِرد قرآن کا باقی رہ گیا تھا تو تم روزانہ کتنا پڑھتے ہو۔ صحابہ نے جواب وہی دیا جو اتقان سے ابھی نقل کیا گیا ہے۔

اِس روایت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے روزانہ قرآن کی تلاوت کا التزام کیا تھا اور ہر روز کے لئے جدا جدا اس کی منزل قائم کرلی تھی اور ایک خاص وقت اُس کی تلاوت کا مقرر تھا جس میں روزانہ اُس روز کی مقررہ تلاوت کرتے اور اگر کسی عذر سے اُس وقت میں چھوٹ جاتی تو دوسرے وقت اس کو کرلیتے اور ظاہر ہے کہ تمام صحابہ حافظِ قرآن نہ تھے اب جو حافظ نہ تھے وہ ضرور دیکھ کر تلاوت کرتے ہونگے اور اُن کے پاس لکھا ہوا قرآن ہوگا۔ اِسی روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کے عہد میں قرآن مرتب اور جمع ہوگیا تھا جیسا روزانہ کی گئی وِرد کی مقدار سے صاف ظاہر ہے اور جو ترتیب اِس وِرد میں بیان کی گئی ہے یہ بعینہ وہی ترتیب ہے جو قرآن کی آج بھی ہے۔ یہاں یہ خیال کرنا کہ تمام صحابہ یاد ہی سے تلاوت کرتے تھے لکھا ہوا اُن کے پاس نہ تھا یہ وہ بات ہے جس کو کوئی سمجھ دار باور نہیں کرسکتا۔ اول تو یاد سے پڑھنے میں بھی اس کی ضرورت ہے کہ لکھا ہوا قرآن پاس ہو جیسا کہ اوپر ہم لکھ آئے ہیں۔ دوسرے یہ ثابت ہونا نہایت مشکل ہے کہ تمام صحابہ حافظِ قرآن تھے۔ تیسرے بہت سے واقعات ہیں جو بتلاتے ہیں کہ آپ کے عہد میں محض یاد سے ہی پڑھنے کا رواج نہ تھا بلکہ لکھ کر بھی پڑھتے تھے یہاں منجملہ اُن واقعات کے چند واقعات ہم ایسے لکھتے ہیں جن سے اس امر کی شہادت ملے گی کہ آپ کے مبارک عہد میں لکھے ہوئے سے دیکھ کر بھی قرآن پڑھنے کا رواج تھا۔

پہلا واقعہ کامل ابن اثیر میں ہے۔ اسلام لانے کے قبل فاروق اعظم جب اپنی بہن فاطمہ کے مکان پر پہنچے تو اُس وقت خباب بن الارت صحابی اُن کی بہن اور بہنوئی کو قرآن کی تعلیم دے رہے تھے۔ جب ان کو فاروق اعظم کے آنے کی آہٹ ہوئی خباب تو چھپ گئے اور فاطمہ نے اس صحیفہ کو اپنی ران کے نیچے چھپا لیا جس پر قرآن لکھا ہوا تھا اس میں سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔ اِس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ابتدائے اسلام ہی سے مسلمانوں میں قرآن کو لکھ کر پڑھنے کا رواج ہو گیا تھا۔

دوسرا واقعہ عَنْ سَهْلِ السَّاعِدِيِّ قَالَ جَاءَتْ اِمْرَأَةٌ اِلَىٰ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ جِئْتُ اَهَبُ لَكَ نَفْسِيْ قَالَ فَنَظَرَ اِلَيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَعَّدَ النَّظَرَ فِيْهَا وَصَوَّبَهُ ثُمَّ طَأْطَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأْسَهُ فَلَمَّا رَأَتِ الْمَرْأَةُ اَنَّهُ لَمْ يَقْضِ فِيْهَا شَيْئًا جَلَسَتْ فَقَامَ رَجُلٌ مِّنْ اَصْحَابِهٖ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْ

لَمْ تَكُنْ لَكَ حَاجَةٌ فَزَوِّجْنِيهَا فَقَالَ وَهَلْ عِنْدَكَ شَيْءٌ قَالَ لَا وَاللّٰهِ يَارَسُولَ اللّٰهِ فَقَالَ اذْهَبْ إِلَىٰ أَهْلِكَ فَانْظُرْ شَيْئًا فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ لَا وَاللّٰهِ مَا وَجَدْتُ شَيْئًا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْظُرْ وَلَوْ خَاتِمًا مِنْ حَدِيدٍ فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ لَا وَاللّٰهِ يَارَسُولَ اللّٰهِ وَلَا خَاتِمًا مِنْ حَدِيدٍ وَلٰكِنْ هٰذَا إِزَارِي قَالَ سَهْلٌ مَالَهُ رِدَاءٌ فَلَهَا نِصْفُهُ فَقَالَ مَا تَصْنَعُ بِإِزَارِكَ إِنْ لَبِسْتَهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهَا مِنْهُ شَيْءٌ وَإِنْ لَبِسَتْهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْكَ شَيْءٌ فَجَلَسَ الرَّجُلُ حَتّٰى إِذَا طَالَ مَجْلِسُهُ قَامَ فَرَآهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُوَلِّيًا فَأَمَرَ بِهِ فَدُعِيَ فَلَمَّا جَاءَ قَالَ مَاذَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ قَالَ مَعِي سُورَةُ كَذَا وَسُورَةُ كَذَا عَدَّدَهَا فَقَالَ أَتَقْرَأُهُنَّ عَنْ ظَهْرِ قَلْبِكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ اذْهَبْ فَقَدْ مَلَّكْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ۔ (کتاب النکاح بخاری)

ترجمہ:۔ بخاری میں سہل سے ہے کہ ایک عورت نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا میں اپنے کو آپ کے نکاح میں دینا چاہتی ہوں۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے دیکھ کر سر جھکا لیا عورت کو جب کچھ جواب نہ ملا تو بیٹھ گئی۔ صحابہ میں سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا۔ آپ نہ کریں تو مجھ سے نکاح کر دیجئے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تیرے پاس کچھ مال ہے۔ عرض کیا نہیں۔ فرمایا گھر جا کر دیکھ تو وہ گھر جا کر واپس آیا اور عرض کیا کچھ نہیں ملا۔ فرمایا دیکھ تو، لوہے کی انگوٹھی ہی ملے تو لے آ۔ پھر وہ گیا اور واپس آیا اور عرض کیا کہ انگوٹھی بھی نہیں ملی ہاں میرا یہ تہ بند ہے۔ سہل کہتے ہیں کہ اُس پر چادر نہ تھی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ازار کا کیا ہوگا اگر تو استعمال کرے گا تو عورت محروم رہے گی اور اگر عورت استعمال کرے گی تو تم محروم رہو گے یہ شخص یہ سُن کر بیٹھ گیا دیر تک بیٹھا رہا پھر اُٹھ کر چلا۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بُلا کر فرمایا۔ تو قرآن پڑھ سکتا ہے۔ عرض کیا میں فلاں فلاں سورت پڑھ سکتا ہوں۔ فرمایا کیا حفظ سے پڑھ سکتے ہو۔ عرض کیا ہاں۔ تب آپ نے اُس کا نکاح اس عورت سے کر دیا۔

جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دریافت فرمانا أَتَقْرَأُهُنَّ عَنْ ظَهْرِ قَلْبِكَ یعنی ان سورتوں کو حفظ پڑھ سکتا ہے اس امر کی کافی دلیل ہے کہ عہدِ نبوی میں دونوں طرح پڑھنے کا رواج تھا یاد سے اور دیکھ کر ورنہ اگر محض یاد ہی سے رواج ہوتا تو پھر یہ سوال فضول تھا کہ یہ سورتیں یاد ہیں۔

تیسرا واقعہ | كَانَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا يَؤُمُّهَا عَبْدُهَا ذَكْوَانُ مِنَ الْمُصْحَفِ۔

(بخاری کتاب الاذان)

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا غلام ذکوان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا امام ہوتا اور قرآن کو دیکھ کر پڑھتا۔

چوتھا واقعہ | ابنِ خلدون میں ہے۔ عمرو بن حزم کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا امیر

بنا کر جب روانہ فرمایا تو اُن کو کچھ احکام لکھ دیئے منجملہ اُن احکام کے یہ بھی تھا۔ وَيُعَلِّمُ النَّاسَ الْقُرْآنَ وَأَنْ يَنْهَى النَّاسَ فَلَا يَمَسُّ الْقُرْآنَ إِنْسَانٌ إِلَّا وَهُوَ طَاهِرٌ۔ یعنی قرآن کی تعلیم دیں اور لوگوں کو بلا طہارت قرآن کو ہاتھ لگانے سے اور بلا طہارت چھونے سے منع کریں۔ اس ممانعت سے کہ بلا طہارت قرآن لینا نہ چاہیئے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن لکھا ہوا تھا[1] لبید جو عرب کے مشہور اور نامی شعرا میں تھا جب مسلمان ہوا تو قرآن لکھا اور شعر کہنا چھوڑ دیا[2] اُمِّ خالد جو خالد بن سعید بن العاص کی بیٹی ہیں وہ کہتی ہیں کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ـــ میرے باپ نے لکھی خالد پانچویں مسلمان ہیں۔ ان کے پہلے چار آدمی مسلمان اور ہو چکے تھے[3] یہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن لکھنے کا سلسلہ اسلام کے ساتھ ساتھ شروع ہوا اور اوّل ہی سے لوگوں نے اس کا انتظام کیا تھا۔ عرفات میں ایک شخص نے فاروقِ اعظم رضؓ سے مل کر کہا۔ میں کوفہ سے آیا ہوں اور وہاں ایک ایسے شخص کو چھوڑا ہے جو قرآن کو اپنی یاد سے لکھا رہا تھا۔ یہ سن کر فاروقِ اعظم رض سخت غضبناک ہوئے اور فرمایا وہ کون شخص ہے۔ جواب دیا ابن مسعود۔ یہ سن کر غصہ فرو ہو گیا اور اپنی حالت پر آ گئے[4] اس واقعہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت میں یاد سے قرآن لکھنا پسندیدہ نہ تھا اس لئے فاروق اعظم رض کو اس پر غصہ ہوا لیکن ابن مسعودؓ چونکہ قابلِ وثوق تھے اس لئے اُن کا نام سن کر آپ کو اطمینان ہوا۔ ورنہ عام طور سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کو قرآن سے نقل کرتے تھے نہ کہ یاد سے۔ اور نیز احتیاط اور یقین اس میں ہے اور نیز اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ لکھے ہوئے قرآن سے تلاوت کرنے کی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترغیب خصوصیت سے دلائی اور اس کی فضیلت کو بیان کیا اور حفظ پڑھنے سے اس کو جو امتیاز اور شرف تھا اس کو ظاہر کیا۔ میں یہاں ایسی چند اس کے متعلق حدیثیں لکھتا ہوں جس سے ثابت ہو گا کہ قرآن کو دیکھ کر تلاوت کرنا حفظ تلاوت کرنے سے افضل ہے۔

(۱) قِرَاءَتُكَ نَظَرًا تُضَاعِفُ عَلَى قِرَاءَتِكَ ظَهْرًا كَفَضْلِ الْمَكْتُوبَةِ عَلَى النَّافِلَةِ۔ (کنز العمال ج ۱ ص ۱۳۹)

ترجمہ: یاد سے تلاوت پر دیکھ کر تلاوت کو وہی فضیلت ہے جو فرض نماز کو نفل پر ہے۔

(۲) مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ نَظَرًا مُتِّعَ بِبَصَرِهِ۔ (کنز العمال ج ۱ ص ۱۳۹)

ترجمہ: دیکھ کر جو قرآن پڑھے گا اُس کی بینائی قائم رہے گی۔

(۳) مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُحِبَّهُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ فَلْيَقْرَأْ فِي الْمُصْحَفِ۔ (کنز العمال ج ۱ ص ۱۳۸)

ترجمہ: جسے خدا اور رسول کی محبت خوش کرے وہ قرآن دیکھ کر تلاوت کرے۔

جناب سرورِ کائنات کے یہ ارشادات ایسے نہیں ہیں جن کے بعد کسی مسلمان قرآن تلاوت کرنے

---

[1] طبری کی جلد ۲ ص ۱۵ میں بھی ایسے لکھا ہے۔ [2] جمہرۃ العرب ص ۳۱
[3] و [4] استیعاب ج ۱ ص ۱۵۹

والے کی یہ خواہش اور کوشش نہ ہو کہ وہ قرآن میں تلاوت کرے خصوصاً صحابۂ کرام تو اس صورت میں ضرور اس پر مجبور تھے کہ وہ قرآن کو لکھتے خواہ وہ حافظ ہوں یا ناظر۔

الحاصل اِس میں شبہ نہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ مبارک میں قرآن کا حرف حرف لکھایا اور صحابہ نے اُسے لکھا جو صحابہ وحی لکھنے والوں کی فہرست میں ہیں اور جن کو محدثین اور مورخین نے کاتبِ وحی کہا ہے اور اُن میں ان کا شمار ہے یہ وہی لوگ ہیں جو قرآن کو اپنے لئے لکھتے جاتے تھے اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تو خود اُنہیں لکھاتے اور کبھی ایک شخص کو لکھادیتے اور وہ دوسروں کو لکھاتا اور یہ خیال کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے اُن کاتبوں سے لکھواتے اور لکھاکر اپنے پاس رکھتے جاتے مجھے اس کے باور کرنے میں اِس لئے کلام ہے کہ تاریخ اور نیز احادیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت کے پاس لکھا ہوا قرآن رہتا تھا اور نہ آپ کے بعد آپ کے متروکات میں قرآن برآمد ہوا۔ اب جبکہ یہ امر ثابت ہے کہ قرآن جب نازل ہوتا آپ اُسے لکھاتے تو اگر آپ اپنے لئے قرآن لکھاتے تو ضرور تمام قرآن لکھا ہوا آپ کے پاس ہوتا خواہ وہ متفرق ہوتا یا مجتمع لیکن کہیں اس کا پتہ نہیں چلتا کہ آپ کے پاس قرآن تھا ورنہ یہ قرآن زیادہ قابلِ حفاظت ہوتا اور مسلمان اس کو محفوظ رکھتے اور خلیفۂ اول کو جمع کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی اور نہ زید بن ثابت کو جمع قرآن میں اُس کی تلاش اور جستجو کی مشقت اُٹھانی پڑتی بلکہ تمام لکھا ہوا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں سے ملتا اور اسے زید نقل کر لیتے اور ابو خزیمہ کے پاس سے آیتوں کی نقل کی ضرورت نہ ہوتی اور نیز تمام مورخین اور محدثین اس پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن جمع نہیں کیا یعنی لکھا لکھا کر تمام کو اپنے پاس نہیں رکھا البتہ آپ نے تمام قرآن لکھایا اور صحابہ نے اُسے اوّل سے آخر تک لکھا اور جس جس نے لکھا اس کا لکھا ہوا اُسی کے پاس تھا اور ان لکھنے والوں میں دو قسم کے تھے۔ اوّل وہ جن کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بتلایا اور آپ سے سُن کر انھوں نے لکھا جیسا کہ پہلے معلوم ہوا کہ قرآن جب نازل ہوتا آپ اُن لکھنے والوں میں سے کسی کو بُلا کر لکھادیتے۔ دوسرے وہ جو آپ کے لکھائے ہوئے سے نقل کر لیتے۔ جیسا زید بن ثابت کہتے ہیں کہ آپ مجھے بتلاتے اور قرآن کی وہ آیات جو نازل ہوتیں لکھادیتے میں لکھنے کے بعد پھر آپ کو سُناتا اگر اُس میں اصلاح کی ضرورت ہوتی تو آپ اصلاح کرتے۔ اُس کے بعد میں اپنے اِس لکھے ہوئے کو لوگوں کے پاس لاتا۔ چنانچہ زید نے اپنے اِس لکھے ہوئے قرآن کو آخر وقت میں پھر آنحضرت کو سُنایا اور اس قرآن کی ترتیب بعینہٖ یہی ہے جو ہمارے قرآن کی ہے (معارف ابن قتیبہ)

اب جبکہ یہ معلوم ہوا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قرآن لکھایا تو ضرور صحابہ نے اُسی ترتیب سے لکھا اور یاد کیا جس ترتیب سے کہ آپ نے لکھایا تھا۔ کیونکہ جس طرح کسی مسلمان خصوصاً

صحابۂ کرام سے یہ ناممکن ہے کہ قرآن کی کسی آیت یا حرف کو بدل دیں اسی طرح یہ بھی ناممکن ہے کہ اُس ترتیب کو بدل دیں جو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قایم کی تھی دیکھو۔

قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ يَقْرَأُ سُورَةَ الْفُرْقَانِ عَلَى غَيْرِ مَا أَقْرَأُهَا وَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْرَأَنِيهَا وَكِدْتُ أَنْ أَعْجَلَ عَلَيْهِ ثُمَّ أَمْهَلْتُهُ حَتَّى انْصَرَفَ ثُمَّ لَبَّبْتُهُ بِرِدَائِهِ فَجِئْتُ بِهِ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (بخاری کتاب الخصومات)

ترجمہ:۔ بخاری میں ہے۔ فاروق اعظم فرماتے ہیں کہ ہشام نماز میں سورہ فرقان اُس کے خلاف پڑھتے تھے جس طور سے میں پڑھتا تھا اور سورہ فرقان مجھے خود رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی تھی میں یہ سُن کر ایسا بیخود ہوگیا کہ نماز ہی میں اُنھیں گرفت کرتا مگر تھوڑا تامل کیا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تب اُن کے گلے میں چادر ڈال کر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا اور تمام قصّہ سُنایا۔

اِس سے صاف ظاہر ہے کہ صحابہ میں کوئی ایسا نہ تھا جو قرآن میں کسی قسم کی تغیر اور تبدّل کو اپنی طرف سے رَوا رکھتا یا ایسا ہونے پر سکوت کرتا۔ دیکھو ہشام نے ذرا اُس قراۃ میں اختلاف کیا تھا جو حضرت عمرؓ کو معلوم تھی تو حضرت عمرؓ اُس کے سننے کی تاب نہ لاسکے۔

إِنَّ الْحَجَّاجَ خَطَبَ فَقَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ بَدَّلَ كَلَامَ اللهِ فَقَامَ ابْنُ عُمَرَ فَقَالَ كَذَبَ لَمْ يَكُنِ ابْنُ الزُّبَيْرِ يَسْتَطِيعُ أَنْ يُبَدِّلَ كَلَامَ اللهِ وَلَا أَنْتَ۔ (تذکرۃ الحفاظ ذہبی ج۱ ص۳۳)

ترجمہ حجاج نے ایک روز خطبہ دیتے ہوئے کہا کہ ابن زبیر نے قرآن بدل دیا فوراً یہ سُن کر ابنِ عمر نے کھڑے ہوکر کہا کہ قرآن بدلنے کی نہ تجھے طاقت ہے نہ ابن زبیر کو۔

قَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ قُلْتُ لِعُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ الخ قَالَ قَدْ نَسَخَتْهَا الْآيَةُ الْأُخْرَى فَلِمَ تَكْتُبُهَا، قَالَ تَدَعُهَا يَا ابْنَ أَخِي ــــــ لَا أُغَيِّرُ شَيْئًا مِنْهُ مِنْ مَكَانِهِ۔ (بخاری مغازی)

ترجمہ:۔ بخاری میں ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ابن زبیر کے جواب میں کہا میں قرآن سے کچھ بھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹا سکتا۔

اِن واقعات سے مہرِ نیمروز کی طرح روشن ہے کہ صحابہ کرام اپنی طرف سے قرآن میں کسی قسم کے تصرّف کو رَوا نہیں رکھتے تھے اور نہ کسی کے امکان میں یہ تھا کہ اپنی طرف سے قرآن میں کسی قسم کا تغیر و تبدل کرسکتا۔ اب خیال کرو کہ قرآن میں یہ دو امر بھی ہیں۔

(۱) اول ہر سورت کی آیتوں کی ترتیب (۲) دوسرے قرآن کی سورتوں کی ترتیب۔ کیونکہ قرآن محض الفاظ مفردہ کا نام نہیں بلکہ آیاتِ مرتبہ اور سورِ مرتبہ کا نام ہے۔ جس طرح قرآن کے الفاظ کی جگہ دوسرے اس کے ہم معنی کا نام قرآن نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح اگر اس کے جملوں اور آیتوں کی ترتیب بدل دی جائے یا سورتوں کی ترتیب بدل دی جائے تو وہ بھی قرآن نہیں ہوسکتا اس لئے کہ خصوصیت الفاظ کو جس طرح ہر

کتاب میں دخل ہے اِسی طرح ترتیب الفاظ اور اُس کے حصص کی ترتیب کو بھی بڑا دخل ہے۔ دیکھو کسی مصنف کی کتاب کی ترتیب کو اگر بدل دیا جائے تو وہ بعد اس تبدّل کے اس مصنف کی کتاب نہیں کہی جاسکتی اور ہر مصنف جس طرح اپنی کتاب کے لئے خاص الفاظ اور مضامین تجویز کرتا ہے اسی طرح اس میں باہم جُملوں اور مضامین کا ایک خاص سلسلہ قائم کرتا ہے پس جبکہ خدا تعالیٰ نے اپنے احکام اور خلق کی ہدایت کے لئے ایک کتاب تجویز کی تو اس کتاب کے لئے جس طرح خاص خاص الفاظ تجویز کئے اسی طرح اس کے مضامین اور اس کے حصّوں کا سلسلہ بھی خود ہی قایم کیا اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسی سلسلہ اور ترتیب سے خود بھی یاد کیا۔ اور دوسروں کو بھی تعلیم دی اور لکھایا۔ ہمیں ایسے خیال پر نہایت ہی تعجب ہوتا ہے جو سُورتوں کی آیتوں کو کہتے ہیں کہ ان کی ترتیب آسمانی نہیں انسانی ہے کیا وہ یہ نہیں سمجھتے کہ قرآن معجز کلام ہے یعنی ایسا کلام ہے جو انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ کیونکہ کلامِ معجز وہی ہے جہاں انسان کی پرواز ممکن نہ ہو اور اس سے بالاتر ہو۔ اب یہ کس طرح ممکن ہے کہ ان آسمانی جملوں کی ترکیب کسی انسان کا کام مانا جائے اِس لئے کہ جُملوں کا ترکیب دینا اور اُن میں مناسبت اور مقام کا لحاظ رکھنا ہی تو اعجاز کی رُوح ہے اور جب یہ ہی کسی انسان کا کام ہوا تو اس کے بعد اعجاز کے لئے کچھ باقی نہیں رہتا اور ہمیں یہ بھی یقین ہے کہ ہر سورت میں جس قدر آیتیں اور جملے ہیں اُن میں ضرور کوئی ایسا ارتباط ہے جس کی وجہ سے وہ ایک جدا سُورت قرار دی گئی ہے ورنہ اگر ایک سورت کی تمام آیتوں میں کوئی ایسا مستحکم رشتہ جس نے اُن تمام آیتوں کو ایک جگہ منسلک کرلیا ہے، نہ ہو تو ایسی صورت میں ان آیات کے مجموعہ کو علیحدہ سورت بنانے کی کوئی وجہ نہ ہوگی اور قرآن میں مختلف سورتیں قرار دینا لغو فعل ہوگا اور ان سورتوں میں بھی یہ فرق کہ ایک سورت ڈھائی پارے کی ہو اور ایک سورت ایک سطر کی بلا کسی ارتباط اور تعلق کے ناممکن ہے تو ضرور ہر سورت کی تمام آیات میں ایک خاص رشتہ ہے اور ہر سورت کے لئے موضوع جدا جدا ہے اور غرض اور غایت میں بھی فرق ضرور ہے۔ ہاں ہر سورت کے موضوع کو سمجھنا ہی البتہ مشکل ہے تا وقتیکہ موضوع ہر سورت کا معلوم نہ ہو اس وقت تک ان آیات میں ارتباط کا دریافت کرنا ناممکن ہے اور اسی اشکال کی وجہ سے بعض علمائے اسلام نے تو صاف یہ اقرار کیا ہے کہ آیات میں باہم ہر جگہ ارتباط اور تعلق نہیں ہے اور ایک دوسرے سے جدا ہیں اور بعض نے ارتباط کو تسلیم کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ باہم تمام آیات اور سور مرتبط ہیں لیکن جو ربط وہ بیان کرتے ہیں اس میں اس قدر تکلف کرنا پڑتا ہے اور آسمان و زمین کے قلابے ملانے ہوتے ہیں کہ یہ ربط خود بے ربطی کے لئے کافی ضمانت ہے اور یہ تکلف یا بے ربطی محض اِس وجہ

سے ہے کہ سورت کے موضوع اور مبحث کی پہلے تعیین نہیں کی گئی اور وہ نہیں معلوم کیا گیا۔ہاں موضوع معلوم ہونے کے بعد تمام آیات میں رشتۂ اتحاد مستحکم نظر آئے گا اور اس میں کسی تکلف کی ضرورت نہ ہوگی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ایک موضوع کے احکامات کا انتخاب اور اُن احکامات کے بیان میں ترتیب اور اُن کی مناسبت ہر شخص کی قابلیت کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ایک ہی موضوع پر مختلف لوگوں کے بیان میں نمایاں امتیاز اور فرق اور دلوں پر اُس کا اثر جدا جدا ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ایک موضوع کے احکام اور لواحقات میں آسمانی ترتیب کا مقابلہ کوئی انسانی ترتیب نہیں کر سکتی اور اُس کے جذب اور اثر اور گرویدہ کرنے کا جو افسون اور تسخیر آسمانی ترتیب میں ہوگا وہ کسی دوسرے کی ترتیب میں ناممکن ہے اِس لئے بھی یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ ہر سورت کی آیتوں کی ترتیب آسمانی ہے۔چنانچہ احادیث سے بھی اس امر کی کافی اور کامل اور نہایت مستحکم ناقابلِ جرح شہادت ملتی ہے اور اس شہادت میں دو قسم کی حدیثیں ہیں۔اوّل ایسی حدیثیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آیتوں کی ترتیب آسمانی ہے اور ہر سورت کی ترتیب خود اس کے نازل کنندہ کی طرف سے دی گئی ہے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی طرف سے۔دوسری حدیثیں وہ ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اُن سورتوں کو صحابہ کو سُنایا اور جس طرح آپ نے سورتوں کو سُنایا اُسی طرح صحابہ نے یاد کیا اور لکھا نہ یہ کہ آپ نے محض آیات سُنائیں اور ان میں ترتیب صحابہ نے دی اور جُدا جُدا سورتیں قائم کیں بلکہ جدا جدا سورتیں آنحضرت ہی نے قائم کی ہیں۔

اب میں یہاں چند احادیث دونوں قسم کی بیان کرتا ہوں

قِسمِ اوّل کی حدیث

(۱) عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ حَفِظَ عَشَرَ آیَاتٍ مِنْ اَوَّلِ سُوْرَۃِ الْکَھْفِ عُصِمَ مِنَ الدَّجَّالِ۔ (مسلم)

ترجمہ:۔ابو درداء سے ہے۔آنحضرتؐ نے فرمایا جس نے سورۂ کہف کے اوّل سے دس آیتیں یاد کیں وہ دجّال سے محفوظ رہے گا۔

(۲) عَنْ مَعْقَلِ بْنِ یَسَارٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَالَ حِیْنَ یُصْبِحُ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ فَقَرَءَ ثَلٰثَ آیَاتٍ مِنْ آخِرِ سُوْرَۃِ الْحَشْرِ وَکَّلَ اللّٰہُ بِہٖ سَبْعِیْنَ اَلْفَ مَلَکٍ یُصَلُّوْنَ عَلَیْہِ حَتّٰی یُمْسِیَ وَاِنْ مَاتَ فِیْ ذٰلِکَ الْیَوْمِ مَاتَ شَھِیْدًا۔ (ترمذی)

ترجمہ:۔معقل بن یسار سے روایت ہے۔آنحضرت نے فرمایا جس نے صبح کو تین بار اَعُوْذُ

باللهِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ پڑھ کر سورۂ حشر کے اخیر کی تین آیتیں پڑھیں تو ستر ہزار فرشتے اُس پر ایسے مقرر ہونگے جو شام تک اس کے لئے دُعائے رحمت کریں گے اور اگر وہ اُس دن میں مر جائے گا تو شہید مرے گا۔

(۳) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ کَتَبَ کِتَابًا قَبْلَ اَنْ یَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِاَلْفَیْ عَامٍ اَنْزَلَ مِنْهُ اٰیَتَیْنِ خَتَمَ بِهِمَا سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ وَلَا تُقْرَاٰنِ فِیْ دَارٍ ثَلٰثَ لَیَالٍ فَیَقْرَبُهَا الشَّیْطَانُ۔ (ترمذی، ابوداؤد، مشکوٰۃ فضائلِ قرآن)

ترجمہ:۔ مشکوٰۃ میں ہے ترمذی ابوداؤد میں نعمان سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خدا تعالیٰ نے آسمان وزمین کی پیدائش کے دو ہزار سال قبل ایک کتاب لکھی اُسی کتاب سے وہ دو آیتیں اُتاری ہیں جس نے سورۂ بقر کو ختم کیا۔ جس گھر میں یہ دونوں پڑھی جائیں وہاں شیطان نہیں پھٹک سکتا۔

(۴) عَنْ جُبَیْرِ بْنِ نُفَیْرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ خَتَمَ سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ بِاٰیَتَیْنِ اُعْطِیْتُهُمَا مِنْ کَنْزِهِ الَّذِیْ تَحْتَ الْعَرْشِ فَتَعَلَّمُوْهُنَّ وَعَلِّمُوْهُنَّ نِسَاءَکُمْ فَاِنَّهَا صَلٰوةٌ وَقُرْبَانٌ وَدُعَاءٌ (دارمی مشکوٰۃ فضائل القرآن)

ترجمہ:۔ مشکوٰۃ میں ہے دارمی میں جبیر سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا تعالیٰ نے سورہ بقر کو ایسی دو آیت پر ختم کیا جو مجھے اُس کے عرش کے خزانہ سے ملی ہیں تم اُنھیں خود بھی سیکھو اور اپنی عورتوں کو بھی سکھاؤ کیونکہ یہ رحمت ہے اور دُعا ہے اور عبادت ہے۔

اِن حدیثوں سے ثابت ہوا کہ سورہ بقر، کہف، حشر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں مرتب تھیں جسے صحابہ جانتے تھے۔ اور ان سورتوں کی ترتیب اسمانی ہے اِس لئے کہ آخری حدیثوں میں لفظ (ختم) جو فعل ماضی ہے اس کا فاعل خدا تعالیٰ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سورۂ بقرہ کی آخر کی دو آیتوں کو آخر میں رکھنے والا خدا تعالیٰ ہے جس سے ہر ذی فہم کے لئے یہ امر نہایت روشنی میں آجاتا ہے کہ سورۂ بقرہ کی ترتیب آسمانی ہے اس لئے کہ جب اِن دو آیتوں کا آخر میں رکھنا خدا کا فعل ہے تو بقیہ آیتوں کو بھی اپنے اپنے مقام پر ذکر کرنا اور لانا خدا ہی کا فعل ہوگا اور ترتیب آیات اگر آسمانی نہ ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ختم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہ فرماتے اور جب بقرہ، کہف، حشر کی ترتیب آسمانی ہوئی تو قرآن کی تمام سورتوں کا یہی حال ہوگا۔

دوسری قسم کی حدیث

اس میں دو طرح کی حدیثیں ہیں۔ بعض وہ احادیث ہیں جن میں سورتوں کا نام نہیں بلا نام کی سورتوں کا بیان ہے اور بعض احادیث ایسی ہیں جن میں سورتوں کا نام بنام ذکر ہے۔ اوّل میں پہلے طرح کی حدیثوں

کو لکھتا ہوں پھر دوسری طرح کی حدیثوں کو۔

(۱) قَالَ خَطَبَنَا عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ مَسْعُوْدٍؓ فَقَالَ لَقَدْ اَخَذْتُ مِنْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِضْعًا وَّسَبْعِیْنَ سُوْرَةً۔ (بخاری، فضائل قرآن)

ترجمہ:۔ راوی کہتا ہے کہ ابن مسعودؓ نے ایک روز خطبہ میں کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ اُوپر ستر سورتیں یاد کیں۔

(۲) قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍؓ تُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا ابْنُ عَشْرِ سِنِیْنَ وَقَدْ قَرَأْتُ الْمُحْکَمَ وَفِیْ رِوَایَةٍ جَمَعْتُ الْمُحْکَمَ فِیْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ (بخاری فضائل قرآن)

بخاری میں ہے کہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں محکم کو یعنی وہ سورتیں جو مفصل کہلاتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پڑھ لیا تھا اور اُس وقت میں دس سال کا تھا۔

(۳) قَالَ زَیْدٌ اُتِیَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِیْنَةِ وَقَدْ قَرَأْتُ سَبْعَ عَشَرَ سُوْرَةً فَقَرَأْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَعْجَبَهٗ ذٰلِكَ وَهُوَ ابْنُ اِحْدٰی عَشَرَةَ سَنَةً۔
(تذکرۃ الحفاظ ذہبی ج ۱ ص ۲۷)

تذکرۃ الحفاظ ذہبی میں ہے زید بن ثابت کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ شریف میں جب تشریف فرما ہوئے اس وقت میں سترہ سورتیں پڑھ چکا تھا جن کو میں نے آنحضرتؐ کو سُنایا آپ سُن کر بہت خوش ہوئے زید اس وقت گیارہ سال کے تھے۔

(۴) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُعَلِّمُنَا الْاِسْتِخَارَةَ فِی الْاُمُوْرِ کُلِّهَا کَمَا یُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ (بخاری تہجد)

بخاری میں جابر سے ہے۔ رسول خدا ہم کو تمام کاموں میں استخارے کی دعا اسی طرح تعلیم دیتے تھے جس طرح قرآن کی سورت کی تعلیم دیتے۔

(۵) سَمِعَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا یَّقْرَأُ فِی الْمَسْجِدِ فَقَالَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَقَدْ اَذْکَرَنِیْ کَذَا وَکَذَا اٰیَةً اَسْقَطْتُهُنَّ مِنْ سُوْرَةِ کَذَا وَکَذَا۔ (بخاری کتاب الشہادت)

بخاری میں ہے کہ آنحضرت نے ایک شخص کو مسجد میں قرآن پڑھتے ہوئے سُنا اور فرمایا اُس پر اللہ رحم فرمائے۔ اس کے پڑھنے سے مجھے قرآن کی فلاں فلاں سورت کی فلاں آیت یاد آگئی جن کو میں بھول گیا تھا۔

اِس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ ہر سُورت کی تمام آیات اور اُن کی ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد ہی میں متعین تھیں اِس لئے آپ کا یہ فرمان صحیح ہوگا کہ فلاں سورت کی فلاں آیت میں بھول گیا تھا ورنہ اگر سورت کی آیات مقرر نہ ہوتیں تو آپ کا یہ کہنا صحیح نہ ہوتا کہ فلاں سورت کی فلاں

آیت، یہ جب ہی درست ہوگا جب آیتوں کو سورتوں کے لئے مقرر کردیا ہو۔

(۶) قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ مَسْعُوْدٍ يَقُوْلُ عَلَّمَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَفِّیْ بَيْنَ كَفَّيْهِ كَمَا يُعَلِّمُنِی السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْآنِ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ الخ (بخاری کتاب الاستیذان)

بخاری میں ہے۔ راوی کہتا ہے ابن مسعود کہتے تھے رسولِ خدا نے مجھے التحیات کی اسی طرح تعلیم دی جس طرح قرآن کی سورت کی تعلیم دیتے تھے۔

(۷) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَجُلٌ نَصْرَانِيًّا فَاَسْلَمَ وَقَرَءَ الْبَقَرَةَ وَآلَ عِمْرَانَ فَكَانَ يَكْتُبُ لِلنَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَادَ نَصْرَانِيًّا الخ۔ (بخاری کتاب المناقب)

بخاری میں ہے۔ انس رضؓ کہتے ہیں ایک عیسائی اسلام لایا اور سورہ بقرہ اور سورہ آلِ عمران پڑھی یہ وحی لکھتا تھا پھر مُرتد ہو کر عیسائی ہو گیا۔

(۸) عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ الْبَدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاٰيَتَانِ مِنْ آخِرِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ مَنْ قَرَءَهُمَا فِیْ لَيْلَةٍ كَفَتَاهُ۔ (بخاری مناقب)

ترجمہ: بخاری میں ابو مسعود سے ہے رسولِ خدا نے فرمایا۔ آخر سورہ بقرہ سے دو آیت جو رات میں پڑھے گا وہ اس کو کافی ہوں گی۔

(۹) قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ قَدْ عَلِمْتُ النَّظَائِرَ الَّتِیْ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُهُنَّ اثْنَيْنِ اثْنَيْنِ فِیْ كُلِّ رَكْعَةٍ فَقَامَ عَبْدُ اللّٰهِ وَدَخَلَ مَعَهُ عَلْقَمَةُ وَخَرَجَ عَلْقَمَةُ فَسَأَلْنَاهُ فَقَالَ عِشْرُوْنَ سُوْرَةً مِنْ اَوَّلِ الْمُفَصَّلِ عَلٰى تَالِيْفِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ آخِرُهُنَّ مِنَ الْحَوَامِيْمِ حٰمٓ الدُّخَانُ وَعَمَّ يَتَسَاءَلُوْنَ۔ (بخاری فضائل)

ترجمہ:۔ بخاری میں ہے ابن مسعود نے کہا میں اُن مماثل سورتوں کو جانتا ہوں جس میں کی دو دو سورتیں آنحضرت ایک ایک رکعت میں پڑھتے تھے۔ لوگوں نے علقمہ سے ان سورتوں کو دریافت کیا تو علقمہ نے جواب دیا کہ ابن مسعود کی ترتیب کے موافق اول مفصل سے بیس سورتیں ہیں ان میں آخر حٰم دخان اور عم یتساءلون ہے۔

(۱۰) عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ آخِرُ سُوْرَةٍ نَزَلَتْ كَامِلَةً بَرَاءَةُ وَآخِرُ سُوْرَةٍ نَزَلَتْ خَاتِمَةُ سُوْرَةِ النِّسَاءِ يَسْتَفْتُوْنَكَ الخ۔ (بخاری مغازی)

ترجمہ:۔ بخاری میں براء سے ہے کہ پوری سورتوں میں آخر میں سورہ براءۃ نازل ہوئی اور سورہ نساء کا آخر نازل ہوا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض سورتیں ایسی بھی ہیں جو ایکبار پوری مرتب نازل ہوئیں اور انھیں میں سورہ براءۃ ہے جو کہ سب کے آخر میں نازل ہوئی اور سورۂ نساء کے آخر کی آیت بھی آخر میں

نازل ہوئی ہے۔

(۱۱) عَنْ اُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْرَءُ فِی الْمَغْرِبِ بِالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا۔ (متفق علیہ) (مشکوٰۃ قراءۃ)

ترجمہ: مشکوٰۃ میں بخاری مسلم سے ہے۔ ام فضل کہتی ہیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب میں سورۃ مرسلات پڑھتے ہوئے سُنا۔

(۱۲) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَۃَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْرَءُ فِی الْفَجْرِ بِقٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ وَنَحْوِھَا۔ (مشکوٰۃ قراءۃ)

ترجمہ: مشکوٰۃ میں بخاری مسلم سے ہے جابر کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فجر میں سورہ ق اور اس کے مثل سورۃ پڑھتے تھے۔

(۱۳) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْرَءُ فِی الْفَجْرِ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ بِالٓمّٓ تَنْزِیْلُ السَّجْدَۃَ فِی الرَّکْعَۃِ الْاُوْلٰی وَفِی الثَّانِیَۃِ ھَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ۔ (مشکوٰۃ قراءۃ)

ترجمہ: مشکوٰۃ میں بخاری مسلم سے ہے ابوہریرۃ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کو صبح کی پہلی رکعت میں الم تنزیل السجدۃ اور دوسری رکعت میں ھَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ پڑھتے تھے۔

(۱۴) عَنْ عُبَیْدِ اللّٰہِ بْنِ رَافِعٍ قَالَ اسْتَخْلَفَ مَرْوَانُ اَبَا ھُرَیْرَۃَ عَلَی الْمَدِیْنَۃِ وَخَرَجَ اِلٰی مَکَّۃَ فَصَلّٰی لَنَا اَبُوْھُرَیْرَۃَ الْجُمُعَۃَ فَقَرَءَ سُوْرَۃَ الْجُمُعَۃِ فِی السَّجْدَۃِ الْاُوْلٰی وَفِی الْآخِرَۃِ اِذَا جَاءَکَ الْمُنَافِقُوْنَ۔ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْرَءُ بِھِمَا یَوْمَ الْجُمُعَۃِ۔ (مسلم مشکوٰۃ)

ترجمہ: مشکوٰۃ میں مسلم سے ہے عبید اللہ کہتے ہیں مروان نے ابوہریرہ کو مکہ جاتے وقت مدینہ میں اپنا قائم مقام کیا۔ ابوہریرہ نے جمعہ میں اوّل رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری رکعت میں اِذَا جَاءَکَ الْمُنَافِقُوْنَ پڑھی اور کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے جمعہ میں انھیں پڑھتے سُنا ہے۔

(۱۵) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْرَءُ فِی الْعِیْدَیْنِ وَفِی الْجُمُعَۃِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی وَھَلْ اَتَاکَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَۃِ۔ (مسلم مشکوٰۃ)

ترجمہ: مشکوٰۃ میں مسلم سے ہے نعمان کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور جمعہ میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی اور ھَلْ اَتَاکَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَۃِ پڑھتے تھے۔

(۱۶) عَنْ عُبَیْدِ اللّٰہِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ سَاَلَ اَبَا وَاقِدِ اللَّیْثِیَّ مَاکَانَ یَقْرَءُ بِہٖ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْاَضْحٰی وَالْفِطْرِ فَقَالَ یَقْرَءُ فِیْھِمَا بِقٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ وَاقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ۔

(مسلم مشکوٰۃ)

ترجمہ: مشکوٰۃ میں مسلم سے ہے عبید اللہ کہتے ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ابوواقد سے پوچھا کہ آنحضرت

عیدین میں کیا پڑھتے تھے کہا، سورہ ق اور سورہ اقتربت الساعۃ۔

(١٧) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الْمَغْرِبَ بِسُوْرَةِ الْاَعْرَافِ فَرَّقَهَا فِي الرَّكْعَتَيْنِ۔ (مسلم، مشکوۃ)

ترجمہ:۔ مشکوۃ میں مسلم سے ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی دو رکعت میں پوری سورۂ اعراف پڑھی۔

(١٨) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَرَءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ بِحٰمٓ الدُّخَانِ۔ (نسائی، مشکوۃ)

ترجمہ:۔ مشکوۃ میں نسائی سے ہے۔ ابن عتبہ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب میں حم الدخان پڑھی۔

(١٩) عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَرَءْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّجْمِ فَلَمْ يَسْجُدْ فِيْهَا۔ متفق علیہ (مشکوۃ۔ سجود القرآن)

ترجمہ:۔ مشکوۃ میں بخاری، مسلم سے ہے زید کہتے ہیں میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۃ النجم سنائی مگر آپ نے اس میں سجدہ نہیں کیا۔

(٢٠) عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَجَدْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي اِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ وَاقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ۔ (مسلم، مشکوۃ)

ترجمہ:۔ مشکوۃ میں مسلم سے ہے ابوہریرہ کہتے ہیں ہم نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سورہ اذا السماء انشقت اور اقرأ باسم ربک میں سجدہ کیا۔

(٢١) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَجْدَةُ صٓ لَيْسَ مِنْ عَزَائِمِ السُّجُوْدِ وَقَدْ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْجُدُ فِيْهَا۔ (بخاری، مشکوۃ)

ترجمہ:۔ مشکوۃ میں بخاری سے ہے ابن عباس کہتے ہیں سورہ ص میں سجدہ ضروری نہیں اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں سجدہ کرتے میں نے دیکھا ہے۔

(٢٢) عَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّهُ رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلّٰى اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ قَرَءَ فِيْهِنَّ الْبَقَرَةَ وَاٰلِ عِمْرَانَ وَالنِّسَاءَ وَالْمَائِدَةَ اَوِ الْاَنْعَامَ۔ (ابوداؤد، مشکوۃ۔ صلاۃ اللیل)

ترجمہ:۔ مشکوۃ میں ابوداؤد سے ہے حذیفہ نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو شب کی نماز پڑھتے دیکھا۔ آپ نے چار رکعت پڑھیں جن میں سورہ بقرہ، سورہ آل عمران، سورہ نساء، سورہ مائدہ یا انعام کو پڑھا۔

(٢٣) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْتِرُ بِثَلَاثٍ يَقْرَءُ فِيْهِنَّ بِتِسْعِ

سُوَرٍ مِنَ الْمُفَصَّلِ يَقْرَءُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ بِثَلَاثِ سُوَرٍ آخِرُهُنَّ قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ۔ (ترمذی مشکوۃ الوتر)

ترجمہ:۔ مشکوۃ میں ترمذی سے ہے ۔علی رضؓ نے فرمایا رسولِ خدا وتر کی تین رکعت پڑھتے جن میں مفصل کی نو سورتیں ہر ایک میں تین تین پڑھیں اور آخر سورۃ قل ہو اللہ تھی ۔

(۲۴) عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ كَانَ رَجُلٌ يَقْرَءُ سُوْرَةَ الْكَهْفِ وَإِلَى جَانِبِهِ حِصَانٌ مَرْبُوْطٌ بِشَطَنَيْنِ فَتَغَشَّتْهُ سَحَابَةٌ فَجَعَلَتْ تَدْنُوْ وَتَدْنُوْ وَجَعَلَ فَرَسُهُ يَنْفِرُ فَلَمَّا أَصْبَحَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ تِلْكَ السَّكِيْنَةُ تَنَزَّلَتْ بِالْقُرْآنِ. متفق علیہ (مشکوٰۃ فضائل القرآن)

ترجمہ:۔ مشکوۃ میں بخاری، مسلم سے ہے براء کہتے ہیں ایک آدمی سورۃ کہف پڑھ رہا تھا اور اس کے بازو میں گھوڑا بندھا ہوا تھا اتنے میں ابر نمودار ہوا جس نے گھوڑے کو گھیر لیا اور قریب ہونا شروع ہوا گھوڑا دیکھ کر کودنے لگا۔ صبح کو اس نے یہ واقعہ رسولِ خدا سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا یہ رحمت تھی جو قرآن کی وجہ سے نازل ہوئی تھی۔

(۲۵) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَفِظَ عَشْرَ آيَاتٍ مِنْ أَوَّلِ سُوْرَةِ الْكَهْفِ عُصِمَ مِنَ الدَّجَّالِ۔ (مسلم۔ مشکوۃ)

ترجمہ:۔ مشکوۃ میں مسلم سے ہے ابو درداء کہتے ہیں آنحضرت نے فرمایا جو سورہ کہف کی اوّل سے دس آیت یاد کرے دجال سے محفوظ رہے۔

(۲۶) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ قَلْبًا وَقَلْبُ الْقُرْآنِ يٰسٓ۔ (ترمذی۔ دارمی۔ مشکوۃ)

ترجمہ:۔ مشکوۃ میں دارمی، ترمذی سے ہے انس رضؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر شے کے لئے قلب ہے اور قرآن کا قلب سورۂ یٰس ہے۔

(۲۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ قَرَأَ طٰهٰ وَيٰسٓ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِأَلْفِ عَامٍ۔ (دارمی۔ مشکوۃ)

ترجمہ:۔ مشکوۃ میں دارمی سے ہے ابوہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کے ایک ہزار قبل سورہ طٰہٰ اور سورہ یٰس پڑھی۔

(۲۸) عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَنَامُ حَتَّى يَقْرَءَ الٓمٓ تَنْزِيْلُ وَتَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ۔ (احمد۔ دارمی۔ ترمذی۔ مشکوۃ)

ترجمہ:۔ مشکوۃ میں احمد، دارمی، ترمذی سے ہے۔ جابر کہتے ہیں آنحضرت جب تک سورہ الم تنزیل اور سورہ تبارک الذی نہیں پڑھ لیتے تھے سوتے نہیں تھے۔

(۲۹) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَقْرَءُ سُوْرَةَ هُوْدٍ - اَوْ سُوْرَةَ يُوْسُفَ قَالَ لَنْ تَقْرَءَ شَيْئًا اَبْلَغَ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ۔ (احمد، دارمی، نسائی، مشکوۃ)

ترجمہ :- مشکوۃ میں احمد، دارمی، نسائی سے ہے عقبہ کہتے ہیں میں نے آنحضرتؐ سے عرض کیا۔ سورۂ ہود اور سورۂ یوسف پڑھا کروں۔ فرمایا قل اعوذ برب الفلق اس سے زیادہ بلیغ ہے۔

(۳۰) عَنْ عَلِيٍّ رض قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لِكُلِّ شَيْءٍ عُرُوْسٌ وَ عُرُوْسُ الْقُرْاٰنِ الرَّحْمٰنُ۔ (مشکوۃ)

ترجمہ :- مشکوۃ میں ہے علی رضی اللہ عنہ نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سُنا کر ہر شے کے لئے زینت ہے اور قرآن کی زینت سورۂ رحمٰن ہے۔

(۳۱) عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَءَ سُوْرَةَ الْوَاقِعَةِ فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ لَمْ تُصِبْهُ فَاقَةٌ اَبَدًا۔ (مشکوۃ)

ترجمہ :- مشکوۃ میں ہے ابن مسعودؓ کہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ہر رات میں سورۂ واقعہ پڑھے محتاج نہ ہوگا۔

(۳۲) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِيْ اَنْ اَقْرَءَ عَلَيْكَ لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قَالَ اَسَمَّانِيْ قَالَ نَعَمْ فَبَكٰى۔ متفق علیہ۔ (مشکوۃ)

ترجمہ :- مشکوۃ میں بخاری، مسلم سے ہے انسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے اُبَیؓ سے فرمایا خدا کا حکم ہے کہ میں سورۂ لم یکن الذین تمہیں سُناؤں اُبَیؓ نے عرض کیا خدا نے کیا میرا نام لیا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ اس پر اُبَیؓ پر گریہ کی حالت طاری ہو گئی۔

اِن کے سوا اور بہت ایسی حدیثیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کی سورتیں آپ کے عہدِ مبارک میں مرتب پڑھی جاتی تھیں اور صحابہ اُس سے واقف تھے لیکن طوالت کے خوف سے محض اسی قدر حدیثوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ انصاف پسند اور حق پسند کے لئے اس قدر حدیثیں بھی کافی ہیں البتہ جن کے دل میں فہم کا نور اور انصاف کا ذوق اور حق کی لذّت نہیں وہ آفتاب کی روشنی میں بھی راستہ نہیں دیکھ سکتے گو یہ بعض حدیثیں جن میں قرآن کی چند سورتوں کا بیان ہے۔ قرآن کے تمام سورتوں کی ترتیب کے لئے شاہد ہیں مگر مزید اطمینان کے لئے ایسی حدیثیں بھی لکھتا ہوں جن سے قرآن کی تمام سورتوں کی ترتیب پر روشنی پڑے۔

(۱) عَنْ زُرَارَةَ بْنِ اَبِيْ اَوْفٰى اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ اَيُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ قَالَ الْحَالُّ الْمُرْتَحِلُ قِيْلَ مَا الْحَالُّ الْمُرْتَحِلُ قَالَ صَاحِبُ الْقُرْاٰنِ يَقْرَءُ مِنْ اَوَّلِ الْقُرْاٰنِ اِلٰى اٰخِرِهٖ وَمِنْ اٰخِرِهٖ اِلٰى اَوَّلِهٖ كُلَّمَا حَلَّ ارْتَحَلَ۔ (دارمی ص۴۴۲)

ترجمہ:۔ دارمی میں زرارہ سے ہے آنحضرت سے دریافت کیا گیا کونسا عمل تمام میں بہتر ہے فرمایا اُترنا اور سفر کرنا۔ پوچھا گیا کس طرح۔ فرمایا قرآن دان جو قرآن کو اوّل سے آخر تک پڑھے پھر آخر سے اوّلِ قرآن کی طرف عود کرے یعنی دوبارہ شروع کر دے۔

یہ حدیث اس فیصلہ اور تصدیق کے لئے کافی ضمانت ہے کہ قرآن آپ کے زمانہ میں مرتب تھا۔ کیونکہ اوّل و آخر کی تعیین بلا ترتیب اور غیر مرتب میں ناممکن ہے۔

(۲) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ مَا مِنَ الْمُفَصَّلِ سُوْرَةٌ صَغِيْرَةٌ وَلَا كَبِيْرَةٌ اِلَّا قَدْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَؤُمُّ بِهَا النَّاسَ (مالک)
(مشکوۃ باب القرأۃ)

ترجمہ:۔ مشکوۃ میں مالک سے ہے کہ عمرو کے باپ نے اپنے دادا سے روایت کی۔ وہ کہتے ہیں مفصل میں کوئی ایسی چھوٹی بڑی سورت نہیں جسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے نماز میں نہ سُنی ہو۔ یعنی مفصل کی تمام سورتیں آپ سے سُنیں۔

(۳) عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ اَقْرَاَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسَ عَشْرَةَ سَجْدَةً فِي الْقُرْاٰنِ مِنْهَا ثَلٰثٌ فِي الْمُفَصَّلِ وَفِيْ سُوْرَةِ الْحَجِّ سَجْدَتَيْنِ۔ (ابن ماجہ، ابوداؤد، مشکوۃ)

ترجمہ:۔ مشکوۃ میں ابوداؤد، ابن ماجہ سے ہے عمرو کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قرآن میں مجھے پندرہ سجدے پڑھائے جس میں سے مفصل میں تین اور سورۂ حج میں دو ہیں۔

اِن عمرو بن العاص (جن کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھایا ــــ اور قرآن میں پندرہ سجدے بتائے) کے بیٹے عبداللہ پورے قرآن کے حافظ تھے اور ہر روز رات میں تمام قرآن تہجد میں پڑھ لیا کرتے تھے۔ عبداللہ کے پاس پورا قرآن لکھا ہوا بھی تھا جیسا میں پہلے لکھ آیا ہوں۔ عمرو۔ عبداللہ۔ ابوالدرداء وغیرہم کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جس ترتیب سے تمام قرآن پڑھایا وہی ترتیب قرآن کی آسمانی تھی اور اُسی ترتیب سے صحابہ نے لکھا اور یاد کیا۔ اور آج تک اسی طرح سے مسلمانوں کے ہاتھ میں محفوظ ہے۔

(۴) وَصَحَّ عَنْ عَائِشَةَ اُعْطِيْتُ مَكَانَ التَّوْرٰاةِ السَّبْعَ الطِّوَالَ وَاُعْطِيْتُ مَكَانَ الزَّبُوْرِ الْمِئِيْنَ وَاُعْطِيْتُ مَكَانَ الْاِنْجِيْلِ السَّبْعَ الْمَثَانِيْ وَفُضِّلْتُ بِالْمُفَصَّلِ۔ وَفِيْهِ دَلَالَةٌ عَلٰى اَنَّ الْقُرْاٰنَ كَانَ مُؤَلَّفًا مِنْ ذٰلِكَ الْوَقْتِ وَاِنَّمَا جُمِعَ فِي الْمُصْحَفِ عَلٰى شَيْءٍ وَاحِدٍ وَفِيْهِ دَلَالَةٌ عَلٰى اَنَّ سُوْرَةَ الْاَنْفَالِ سُوْرَةٌ مُسْتَقِلَّةٌ وَلَيْسَتْ مِنْ بَرَاءَةَ وَالسَّبْعُ الطِّوَالُ الْبَقَرَةُ وَاٰلُ عِمْرَانَ وَالنِّسَاءُ وَالْمَائِدَةُ وَالْاَنْعَامُ وَالْاَعْرَافُ وَالْيُوْنُسُ وَالْمِئُوْنَ مَا كَانَ فِيْهِ مِائَةُ اٰيَةٍ اَوْ قَرِيْبٌ مِنْهَا بِزِيَادَةٍ يَسِيْرَةٍ اَوْ نُقْصَانٍ يَسِيْرٍ ص۱۲ منار الهدیٰ۔

ترجمہ :- منار الہدیٰ میں ہے۔ یعنی حضرت عائشہ سے صحیح طور سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ بجائے توریت کے مجھے قرآن میں سات بڑی سورتیں دی گئیں اور بجائے زبور مئین دئے گئے۔ اور بجائے انجیل سبع مثانی اور مفصل اِن سے زائد دیئے گئے۔ اِس حدیث سے ثابت ہے کہ قرآن آنحضرتؐ کے عہد میں مرتب تھا۔ کیونکہ جو ترتیب اِس حدیث میں ہے وہی ترتیب قرآن کی اِس وقت ہے اور پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ سورہ انفال مستقل سورت ہے اور سورۂ برارۃ کا حصّہ نہیں ہے۔

صاحبِ منار الہدیٰ نے تو اِس حدیث کو حضرت عائشہؓ سے روایت کیا۔ اور امام احمد نے اپنی مسند میں واثلہ بن الاسقع سے روایت کیا ہے جیسا کہ اتقانِ سیوطی میں ہے۔

الغرض بانی اسلام نے سورتوں کی آیات میں اور سورتوں میں جو ترتیب قائم کی اور ہزاروں صحابہ نے آپ سے جس ترتیب سے سُنا اور آپ نے پڑھا یا لکھا یا اُسی ترتیب سے صحابہ نے یاد کیا اور لکھا۔ اور اُن کے بعد تابعین نے بھی صحابہ سے جو ترتیب سُنی یا لکھی وہ وہی ترتیب تھی جو بانی اسلام کے مبارک عہد میں قائم ہو چکی تھی اور نسلاً بعد نسلٍ اُسی طرح سے اس وقت تک محفوظ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی میں اکثر ملک عرب کی سرزمین آفتاب اسلام سے منور ہو چکی تھی۔ مغرب میں بحر احمر سے یمن کے کنارے کنارے خلیج فارس تک پہنچ گیا تھا۔ بحرین، نجد، عمان، یمن، طائف، مکہ، مدینہ۔ اِن تمام بڑے بڑے شہروں اور اُن کے اطراف دیہاتوں اور تمام قبائل میں اُسی وحدہ لاشریک لہٗ کی پانچوں وقت بآواز بلند منادی کی جاتی تھی۔ حجۃ الوداع میں ایک لاکھ پچیس ہزار مسلمانوں کو آنحضرتؐ کی ہمرکابی کا فخر حاصل تھا اور اِن کے سوا لاکھوں کی تعداد میں تمام عرب میں مسلمان پھیلے ہوئے تھے۔ ہر مسلمان پر پانچ وقت نماز میں قرآن پڑھنا لازمی تھا جن میں ایسے مسلمان بھی کثرت سے تھے جو رات کے آخر حصّہ میں جاگتے، قرآن پڑھتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہزاروں مسلمانوں نے نماز میں قرآن بارہا سُنا بلکہ اِس کثرت سے سُنا گیا کہ بعض کو سُنتے سُنتے پوری سورتیں یاد ہو گئی تھیں۔ ہر رمضان میں پورے قرآن کا آپ دَور کرتے جس میں صحابہ بھی شریک ہوتے۔ ہزاروں صحابہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی قرآن پڑھایا اور نیز یہ بھی عام طور سے فرما دیا۔

اِنَّ مِمَّا يَلْحَقُ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ عَمَلِهٖ وَحَسَنَاتِهٖ بَعْدَ مَوْتِهٖ عِلْمًا عَلَّمَهٗ وَنَشَرَهٗ وَوَلَدًا صَالِحًا تَرَكَهٗ اَوْ مُصْحَفًا وَرَّثَهٗ اَوْ مَسْجِدًا بَنَاهُ اَوْ بَيْتًا لِابْنِ السَّبِيْلِ بَنَاهُ اَوْ نَهْرًا اَجْرَاهُ اَوْ صَدَقَةً اَخْرَجَهَا مِنْ مَالِهٖ فِيْ صِحَّتِهٖ وَحَيَاتِهٖ تَلْحَقُهٗ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهٖ۔

(مشکوٰۃ۔ کتاب العلم عن ابی ہریرہ)

ترجمہ:- یعنی مسلمان کو مرنے کے بعد بھی اس کے اعمال سے ان اعمال کا ثواب ملتا رہتا ہے (۱) وہ علم جس کو لوگوں میں شائع کرے اور تعلیم دے (۲) اولاد صالح (۳) لکھائے ہوئے قرآن کو اپنے مالِ متروکہ میں چھوڑے (۴) مسجد بنائے (۵) مسافر خانہ بنائے (۶) نہر نکلوائے (۷) اپنی صحت میں صدقہ نکالے۔

آنحضرتؐ کے اِس فرمان کے بعد کون ایسا مسلمان ہوگا جس نے قرآن کے لکھانے کی کوشش نہ کی ہوگی اور کیا اِس کے بعد بھی صحابہ نے قرآن نہ لکھائے ہوں گے۔ الغرض آپ کی زندگی کا اعلیٰ مقصد صرف قرآن کی تعلیم تھی۔ ہزاروں کی تعداد میں تمام سرزمینِ عرب پر آپ کی طرف سے قرآن کے معلمین اور مبلغین پھیلے ہوئے تھے اور تمام عرب گھر گھر اور بچہ سے لے کر بڑھے تک، مرد سے لے کر عورت تک ہر شخص کی زبان پر قرآن کا ذکر اور اُس کا ذوق تھا اور اس کی دلفریب اور دلکش عجیب و غریب طرز نے ہر شخص کو اپنا فریفتہ اور گرویدہ بنا لیا تھا۔ ہر مسلمان کو کم و بیش قرآن یاد تھا۔ اور ہزاروں ایسے تھے جن کو قرآن تمام و کمال حفظ تھا اور ہزاروں کی تعداد میں لکھا ہوا قرآن بھی ان میں تھا اور اُن حفّاظ کے دل اور اوراق کے صفحات پر اسی ترتیب سے منقش اور لکھا ہوا تھا جو معلّمِ اوّل اور اسلام کے داعی سے انھوں نے سیکھا اور سُنا تھا۔ آخری رمضان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے دو بار ختم کئے اور اس میں ابن مسعود اور زید بن ثابت بھی برابر موجود ہے اور تمام و کمال قرآن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا، ابن قتیبہ نے معارف میں زید بن ثابت کے احوال میں لکھا ہے۔

كَانَ آخِرُ عَرْضِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْآنَ عَلَى مُصْحَفِهِ وَهُوَ أَقْرَبُ الْمَصَاحِفِ مِنْ مُصْحَفِنَا وَقَدْ كَتَبَ زَيْدٌ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ۔

زیدؓ نے اخیر میں اپنا لکھا ہوا قرآن آنحضرت کو سُنایا اور زید کے اس قرآن کی ترتیب ہمارے قرآن کی تھی۔ اور زید نے حضرت عمرؓ کے لئے بھی ایک قرآن لکھا تھا۔

صحیح بخاری کی کتاب فضائل القرآن کے باب كَانَ جِبْرِيْلُ يُعَارِضُ الْقُرْآنَ میں ہے۔

عَنْ فَاطِمَةَ، أَسَرَّ إِلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ جِبْرِيْلَ يُعَارِضُنِيْ بِالْقُرْآنِ كُلَّ سَنَةٍ وَإِنَّهُ عَارَضَنِيَ الْعَامَ مَرَّتَيْنِ وَلَا أُرَاهُ إِلَّا حَضَرَ أَجَلِيْ۔

فاطمہؓ نے فرمایا، آنحضرت نے رازداری کے طور سے مجھ سے یہ فرمایا کہ جبریل ہر سال قرآن کا ایک بار مجھ سے دَور کرتے تھے مگر امسال دو بار کیا۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ آفتابِ نبوت غروب ہوا چاہتا ہے۔

جس ترتیب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل سے اِس آخر وقت میں دَور کیا تھا وہی ترتیب قرآن کی آج تک مسلمانوں میں ہے اور تمام اہلِ اسلام اس پر متفق ہیں۔ چنانچہ مولانا بحر العلوم شرح مسلم میں لکھتے ہیں۔

(۱) وَاَيْضًا ظَهَرَ مِنْ هٰذَا اَنَّ التَّرْتِيْبَ الَّذِيْ يُقْرَأُ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ ثَابِتٌ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِنَّ الْقُرَّاءَ الْعَشَرَةَ بِاَسَانِيْدِ هِمُ الصِّحَاحِ الْمُجْمَعِ عَلٰى صِحَّتِهَا نَقَلُوْا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِرَاءَتَهُمْ وَقَرَءُوْا عَلٰى هٰذَا التَّرْتِيْبِ وَنَقَلُوْا اَنَّ شُيُوْخَهُمْ اَقْرَءُوْهُمْ هٰكَذَا وَشُيُوْخُ شُيُوْخِهِمْ اَقْرَءُوْهُمْ هٰكَذَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (شرح مسلم بحر العلوم مصر منلہ)

ترجمہ: یہاں سے معلوم ہوا قرآن کی یہ ترتیب جس پر وہ آج ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اس لئے کہ وہ دس قاری جن کی قرارت اسلامی دنیا میں باتفاق مقبول ہے اِن دسوں نے اپنی ایسی صحیح سندوں سے جس کی صحت پر تمام امت کا اتفاق ہے قرآن کو اسی ترتیب سے آنحضرت سے نقل کیا اور اُن کے اُستادوں نے انھیں اِسی طرح سے پڑھایا اور بتایا ہے۔ اِسی طرح سے برابر یہ سلسلہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔

مولوی سید محمد صاحب فاضل شیعی تنزیہ القرآن میں مولوی سید مرتضیٰ علم الہدیٰ سے ناقل ہیں۔

(۲) اِنَّ الْقُرْاٰنَ كَانَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَجْمُوْعًا مُؤَلَّفًا عَلٰى مَا هُوَ عَلَيْهِ الْاٰنَ وَكَانَ يُدْرَسُ وَيُحْفَظُ جَمِيْعُهُ فِيْ ذٰلِكَ الزَّمَانِ وَاِنَّهُ كَانَ يُعْرَضُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُتْلٰى عَلَيْهِ وَاَنَّ جَمَاعَةً مِنَ الصَّحَابَةِ كَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ وَاُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ وَغَيْرِهِمْ خَتَمُوا الْقُرْاٰنَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِدَّةَ خَتَمَاتٍ وَكُلُّ ذٰلِكَ بِاَدْنٰى تَاَمُّلٍ يَدُلُّ عَلٰى اَنَّهُ كَانَ مَجْمُوْعًا مُرَتَّبًا غَيْرَ مَنْثُوْرٍ وَلَا مَبْثُوْثٍ۔ (تنزیہ الفرقان صلا ۱۹۴ وتفسیر روح المعانی ج ۱ صلا ۲)

ترجمہ:۔ قرآن جس ترتیب پر آج ہے آنحضرت کے مبارک عہد میں بھی وہ اِسی طرح مرتب تھا اور اسی طرح سے اُس وقت پڑھا یا جاتا تھا اور اسی طرح سے یاد کیا گیا۔ اور رسولِ خدا کو اسی طرح سے سُناتے اور آپ کے سامنے پڑھتے تھے اور صحابہ کی بڑی جماعت نے (جس میں ابن مسعود اور ابی بن کعب وغیرہم ہیں) اکثر بار آنحضرت کو پورا قرآن سُنایا جس سے صاف روشن ہے کہ قرآن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مرتب تھا نہ متفرق غیر مرتب۔

(۳) عَنِ ابْنِ وَهْبٍ قَالَ سَمِعْتُ مَالِكًا يَقُوْلُ اِنَّمَا اُلِّفَ الْقُرْاٰنُ عَلٰى مَا كَانُوْا يَسْمَعُوْنَ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (اتقان)

ترجمہ:۔ اتقان میں ابن وہب سے ہے کہ انھوں نے امام مالک سے سُنا قرآن جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا گیا ویسے ہی ترتیب دیا گیا ہے۔

(۴) قَالَ الْبَغَوِيُّ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ الصَّحَابَةُ جَمَعُوْا بَيْنَ الدَّفَّتَيْنِ الْقُرْاٰنَ الَّذِيْ اَنْزَلَهُ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَكَتَبُوْهُ كَمَا سَمِعُوْهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَيْرِ اَنْ قَدَّمُوْا شَيْئًا اَوْ

اٰخَرُوْا اَوْ وَضَعُوْا لَهٗ تَرْتِیْبًا لَمْ یَاْخُذُوْهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُلَقِّنُ اَصْحَابَهٗ وَیُعَلِّمُهُمْ مَا نَزَلَ عَلَیْهِ مِنَ الْقُرْاٰنِ عَلَی التَّرْتِیْبِ الَّذِیْ هُوَ الْاٰنَ فِیْ مَصَاحِفِنَا اِنْتَهٰی مُلَخَّصًا۔ (اتقان)

ترجمہ:۔ اتقان میں ہے امام بغوی شرح السنتہ میں لکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو قرآن آنحضرت پر نازل کیا صحابہ نے اُسے ویسے ہی لکھا جیسا آنحضرت سے سُنا بلا تقدیم و تاخیر کے اور نہ اپنی طرف سے کوئی ایسی ترتیب قائم کی جو رسول اللہ نے قائم نہ کی تھی اور نہ آپ سے سنی تھی آنحضرتؐ نے اپنے صحابہ کو خدا کا نازل کردہ قرآن اسی ترتیب سے بتایا اور سکھلایا جو ترتیب قرآن کی اس وقت ہے۔

(۵) قَالَ ابْنُ الْحَصَّارِ تَرْتِیْبُ السُّوَرِ وَوَضْعُ الْاٰیَاتِ مَوَاضِعَهَا اِنَّمَا کَانَ بِالْوَحْیِ وَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ ضَعُوْا اٰیَةَ کَذَا فِیْ مَوْضِعِ کَذَا وَقَدْ حَصَلَ الْیَقِیْنُ مِنَ النَّقْلِ الْمُتَوَاتِرِ بِهٰذَا التَّرْتِیْبِ مِنْ تِلَاوَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَمِمَّا اَجْمَعَ الصَّحَابَةُ عَلٰی وَضْعِهٖ هٰکَذَا فِی الْمُصْحَفِ۔

ترجمہ:۔ اتقان میں ہے ابن حصار کہتے ہیں۔ سورتوں میں آیتوں کی اپنے اپنے موقع پر ترتیب اور قرآن میں سورتوں کی اپنی اپنی جگہ پر ترتیب کی بھی آنحضرتؐ پر وحی ہوتی اور آنحضرت اسی وحی کے موافق ہر آیت اور سورت کا موقع بیان فرما دیتے تھے اور اسی کے موافق صحابہ لکھتے پڑھتے۔ تواتر سے ہمیں اس کا یقین ہے کہ آنحضرت قرآن کو اسی ترتیب سے پڑھتے تھے۔ چنانچہ اسی وجہ سے تمام صحابہ نے اسی ترتیب پر اجماع کیا۔

(۶) قَالَ اَبُوْ جَعْفَرِ النَّحَّاسُ الْمُخْتَارُ اَنَّ تَالِیْفَ السُّوَرِ عَلٰی هٰذَا التَّرْتِیْبِ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ (اتقان)

ترجمہ:۔ اتقان میں ہے۔ ابو جعفر کہتے ہیں کہ یہ ترتیب قرآن کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی ہے۔

(۷) قَالَ الشَّیْخُ مُحْیِ الدِّیْنِ نَوَوِیّ فِیْ کِتَابِ التِّبْیَانِ فِیْ اٰدَابِ حَمَلَةِ الْقُرْاٰنِ اِنَّ الْقُرْاٰنَ الْعَزِیْزَ کَانَ مُؤَلَّفًا فِیْ زَمَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی مَا هُوَ فِی الْمَصَاحِفِ الْیَوْمَ۔ (تاریخ ابن الوردی)

ترجمہ:۔ امام نووی نے تبیان فی آداب حملۃ القرآن میں لکھا ہے جس طرح قرآن اس وقت مرتب ہے اُسی ترتیب پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تھا۔

(۸) ولیم میور صاحب لائف آف محامد ج ا ص۵ مطبوعہ لندن ۱۸۶۱ء میں لکھتے ہیں:۔

اور عرب کا حافظہ کیسا ہی دیرپا کیوں نہ ہوتا ہم ان تحریروں کو جو صرف یاد ہی سے لکھی جائیں ہم بے اعتبار سمجھ لیتے۔ لیکن اس امر کے باور کرنے کی وجہ معقول ہے کہ بہت سی مجزی نقلیں جن میں

کُل قرآن شامل تھا یا جو تقریباً کل پر محتوی تھیں مسلمانوں نے پیغمبر کی حیات میں لکھ لی تھیں۔ جب کہ اُن لوگوں کو لکھنے کی استعداد حاصل تھی تو صحیح نتیجہ نکل سکتا ہے کہ جو چیز ایسی حفاظتِ شدید سے یاد کی جاتی تھی وہ اسی طرح بکمالِ احتیاط لکھی بھی جاتی ہوگی۔ (تاریخ محمدی مولفہ مولوی فیروزالدین)
اور اس کے بعد پھر آنریبل فاضل موصوف لکھتے ہیں: علاوہ اُن تصریحات کے جو قرآن ہی میں خود اُس کے مکتوب ہونے پر پائی جاتی ہیں۔ ایک صحیح روایت ہیں جس میں عمرؓ کے مسلمان ہونے کی کیفیت مروی ہے قرآن کی بیسویں سورۃ کی نقل کا تذکرہ ہے جو عمرؓ کی بہن کے گھر میں اُن کے ذاتی مصرف کے لئے تھی یہ اُس زمانے کا ذکر ہے جو ہجرت سے تین یا چار برس پیشتر گذرا۔ تو اگر اس قدر قدیم زمانے میں قرآن کی نقلیں لکھی جاتی تھیں اور عام تھیں۔ درآنحالیکہ مسلمان کم اور مظلوم تھے تو یقینی نتیجہ نکلتا ہے کہ جب پیغمبر کو قوت ہوئی اور یہ کتاب اکثر ملک عرب کے لئے شریعت قرار پائی تو اس وقت قرآن کے نسخے کثرت سے بڑھ گئے ہوں گے۔

(۹) فاضل محمد بن الحسن حر عاملی شیعی لکھتے ہیں "ہر کسے کہ تتبع اخبار و تفحص تواریخ و آثار نمودہ بعلم یقینی میداند کہ قرآن در غایت داعلیٰ درجہ تواتر بودہ وآلاف صحابہ حفظ و نقل می کردند۔ آن در عہد رسول خدا مجموع مولف بود۔

اِن کے سوا بھی اگر یہ خیال کیا جائے کہ علمائے اسلام نے جبکہ قرآن کے سوا آنحضرتؐ کی حدیث میں بھی یہ احتیاط کی ہے کہ کوئی قرآن و حدیث کی تعلیم اُس وقت تک نہیں دے سکتا جب تک وہ قرآن اور حدیث کسی ایسے فاضل دعالم کو سُنا کر سند حاصل نہ کرے۔ جس نے اپنے اُستاد سے اس نے اپنے اُستاد سے سند حاصل کی ہو۔ اسی طرح سے آنحضرت پر اس زنجیر کی آخری کڑی منتہی ہو۔ اور جو شخص بلا اس زنجیر کی کڑی کی گرفت کے محض اپنی علمی قابلیت کے اعتماد پر تعلیم دینا چاہے تو ہرگز کوئی مسلمان اس کے آگے زانوئے تلمذ تہ نہ کرے گا تا وقتیکہ وہ اپنے قرآن اور حدیث کے سماع کو معتبر شخص سے ثابت نہ کرے اور اس میں اور آنحضرت میں جو واسطے ہیں اُن کی پرہیزگاری اور دینداری ثابت نہ ہو۔ اسلامی دنیا میں اِس وقت جس قدر حفاظ اور قرآن کے قاری ہیں وہ تمام اِسی قرآن کی ساعت کہ مختلف واسطوں سے آنحضرت تک پہنچاتے ہیں اور ہر ایک قاری اور حافظ کی سند کا آخری شخص اسی قرآن مرتب کی بلا تغیر و تبدل اور کمی بیشی کے اپنی ساعت آنحضرت سے بیان کرتا ہے۔ تو اب جب یہی قرآن اِس سلسلہ سے ہمارے حفاظ اور قراء تک پہنچا ہے اور تمام حفاظ اور قاری اسی قرآن کی سند کو بعینہٖ اسی ترتیب اور الفاظ سے آنحضرتؐ تک پہنچاتے ہیں۔ اور ہر ایک کی سند کا منتہی آنحضرت پر ہے۔ اور محض لکھے ہوئے پر اعتماد نہیں کیا گیا اور یہ سلسلے اور سندیں جو آنحضرت تک پہنچتے ہیں اس کثرت سے ہیں جو تواتر کی حدود سے

بہت زیادہ اور آگے بڑھ جاتے ہیں تو تنہا تمام حفاظ اور قرار کا اسی قرآنِ مرتب کو آنحضرت سے روایت کرنا اس امر کے لئے کافی شہادت ہے کہ یہ ترتیب سرورِ کائنات کی دی ہوئی ہے اور اب اس فیصلہ اور یقین کے لئے اِس کے سامنے کسی خارجی شہادت کی احتیاج نہیں اور تنہا یہی دوسری دلیلوں سے بے نیاز اور مستغنی بنا دیتی ہے۔ پس جب اِس دلیل سے یہ ثابت ہوا کہ یہ قرآن وہی ہے، جو آنحضرتؐ نے اپنے بعد چھوڑا اور اپنی امت کو تعلیم کیا اور جس ترتیب اور طریقہ سے آپ نے تعلیم کیا وہ بلا کسی تغیر کے بعینہٖ ویسی ہی موجود ہے۔ اور اس موجودہ قرآن کی ترتیب بلاشبہ انوارِ نبوت کی روشنی میں انجام کو پہنچی ہے۔ پس علم اور یقین کی یہ عمارت جو تواتر کے بلند پہاڑ کی مضبوط چٹان پر قائم ہو اُس سے وہ آبگینہ جس کا خمیر خبرِ آحاد سے ہو اگر ٹکرائے تو بجز اس کے کہ خود پاش پاش ہو جائے اِس مضبوط عمارت کو کسی قسم کا صدمہ نہیں پہنچا سکتا۔ تواتر کی روشنی ایسی صاف اور لطیف اور تیز ہے جس کے روبرو خبر احاد کی ٹمٹماتی روشنی ماند ہو جاتی ہے۔ اور اس آفتاب قلوب تاب کے طلوع ہوتے ہی خبرِ آحاد کے کواکب تاریکی کی چادر میں پوشیدہ اور تمام کی نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں اور بے نیازی کی وجہ سے کسی کی اِس پر نظر نہیں پڑتی بلکہ کسی شہادت اور خبر کا تواتر کے خلاف ہونا ہی اس کے کمزور اور بے وقعت ہونے پر نہایت ہی معتبر تمسک ہے جیسا کہ اصول فقہ میں ہے۔

اب بہت سے واقعات بے اختیار ہمیں اس پر مائل کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے اپنے عہد میں قرآن کو مرتّب کیا اور تعلیم دیا۔ بہت سے صحابہ نے آپ سے پُورا لکھا اور نیز اس قدر اخبار کی اِس پر شہادت ہے جو متواتر سے بھی زیادہ ہیں اور پھر قرآن کے حفاظ اور قرار کی وہ سندیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہیں اور درجہ تواتر پر ہیں۔ اِن تینوں باتوں سے اگرچہ ہر ایک تنہا ہمارے دعوے پر کافی روشنی ڈالتا ہے مگر بعد ان تینوں باتوں (یعنی واقعات، اخبار، سندات) کے ہمارا یہ دعویٰ کہ قرآن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مرتب تھا۔ جو ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی اسی ترتیب سے صحابہ نے لکھا، یاد کیا۔ بہت سے نسخے قرآن کے اُسی ترتیب سے لکھے ہوئے تھے اور بہت سے اس کے پورے حفاظ آپ کے عہد میں موجود تھے، ایسا روشن اور مستحکم ہو جاتا ہے کہ اُس کے سامنے شکوک اور شبہات کی تاریکی کا پردہ خود بخود اٹھ جاتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اُس کی دریافت اور سمجھنے کے آلات ایسے ضعیف ہوں کہ اس روشنی کی تاب سے اُن کی خیرگی اور بڑھ جائے، یا اُن میں یہ آلات ہی نہ ہوں یا کسی اندرونی تاریکی اور عناد نے اُن کے حواس کو معطل کر دیا ہو۔

اب میں یہاں علامہ ابن حزم کی وہ تحریر نقل کرتا ہوں جو علامہ موصوف نے کتاب الفصل میں اس کے متعلق لکھی ہے :-

مَنْ قَالَ اِنَّ تَقْسِیْمَ الْآیَاتِ وَتَرْتِیْبَ مَوَاضِعِ سُوْرِہٖ فَعَلَہُ النَّاسُ لَیْسَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ وَلَا مِنْ اَمْرِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَدْ کَذَبَ ھٰذَا الْجَاھِلُ وَاَفِکَ اَتَرَاہُ مَا سَمِعَ قَوْلَ اللّٰہِ تَعَالٰی مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ اَوْ نُنْسِہَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْہَا اَوْ مِثْلِہَا وَقَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰہِ فِیْ اٰیَۃِ الْکُرْسِیِّ وَاٰیَۃِ الْکَلَالَۃِ وَالْخَبَرَ اَنَّہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ کَانَ یَاْمُرُ اِذَا اُنْزِلَتِ الْاٰیَۃُ اَنْ تُجْعَلَ فِیْ سُوْرَۃِ کَذَا فِیْ مَوْضِعِ کَذَا وَلَوْ اَنَّ النَّاسَ رَتَّبُوْا سُوَرَہٗ لَمَا تَعَدَّوْا اَحَدَ وُجُوْہٍ ثَلَاثَۃٍ اِمَّا اَنْ یُّرَتِّبُوْھَا عَلَی الْاَوَّلِ فَالْاَوَّلِ نُزُوْلًا اَوِ الْاَطْوَلِ فَمَا دُوْنَہٗ اَوِ الْاَقْصَرِ فَمَا دُوْنَہٗ فَاِذْ لَیْسَ ذٰلِکَ کَذٰلِکَ فَقَدْ صَحَّ اَنَّہٗ اَمْرُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ الَّذِیْ لَا یُعَارَضُ عَنِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ لَا یَجُوْزُ غَیْرُ ذٰلِکَ اَصْلًا۔ (ص۲۲ جلد۴)

ترجمہ :- جو کہے کہ قرآن میں آیتیں خدا اور رسول کے سوا کسی انسان نے قرار دی ہیں اور اسی طرح سورتوں کی ترتیب کو کہے تو ایسا شخص جاہل ہے اور جھوٹا ہے اور مفتری ہے کیا اُسنے قرآن پاک کی یہ آیت مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ الخ اور کلالہ اور آیۃ الکرسی کے بارے میں حدیثیں نہیں سنیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کی آیات اور سورتیں تمام خدا تعالیٰ کی ٹھیرائی ہوئی ہیں اور ترتیب دی ہوئی ہیں اور کیا اِس جاہل کو یہ بھی معلوم نہیں کہ آنحضرت پر جب کچھ نازل ہوتا تھا تو فوراً فرما دیتے تھے کہ اسے فلاں سورۃ میں فلاں مقام پر لکھو۔ اِس کے سوا بھی یہ خیال کرو کہ سورتوں میں ترتیب اگر انسان کی دی ہوئی ہوتی تو اُس کی تین۳ صورتیں تھیں۔ اوّل یہ کہ بڑی سورتوں سے شروع کرتے اور سب سے چھوٹی پر ختم کرتے یا اِس کا اُلٹا یعنی پہلے تمام سے چھوٹی پھر اُس سے بڑی اسی طرح تمام سے بڑی پر ختم کرتے یا شانِ نزول کے موافق رکھتے اور جبکہ قرآن کی موجودہ ترتیب میں اِن تینوں باتوں میں سے ایک بات بھی نہیں تو معلوم ہوا کہ یہ ترتیب انسان کی دی ہوئی نہیں بلکہ آنحضرت نے خدا کے حکم سے دی ہے ''

اِس موقع پر مجھے اُن روایات کے حال کا بیان اور تنقیح کرنا بھی ضروری ہے جس کی وجہ سے عوام اور ناواقفوں کو خصوصاً مخالفین کو بہت کچھ شکوک اور شبہات کا موقع ملتا ہے۔ اور جن کی وجہ سے آج اصلی واقعہ پر ایسا تاریکی کا پردہ پڑ گیا کہ اُس سے عوام تو کیا خواص بھی مغالطہ میں پڑ گئے۔

اِشتباہ کی ایک روایت

وہ روایات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کے مصحف میں قرآن کی آخری دو سورت یعنی معوذتین لکھی ہوئی نہ تھیں اور ابن مسعود قرآن سے ان دونوں صورتوں کو ہٹا دیتے اور کہتے کہ یہ قرآن کی سورتیں

نہیں۔ اور جو قرآن نہیں اُسے قرآن میں لکھنا نہ چاہیئے۔[1]

چونکہ ان روایات سے ظاہری یہ خیال ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں تمام قرآن مرتب لکھا ہوا نہ تھا اور صحابہ کو اس ترتیب سے پورا یاد نہ تھا۔ ورنہ ابن مسعود جو صحابہ میں بڑے ذی فضل و کمال اور جلیل القدر عالم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خلوت اور جلوت میں ابتدارِ نبوت سے آخر تک رہے اس سے ناواقف نہ ہوتے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس قسم کی تمام روایتوں پر کافی روشنی ڈالی جائے۔

معوذتان کے متعلق ابن مسعود سے تین شخصوں کی روایات ہیں (۱) عبدالرحمن بن یزید (۲) علقمہ (۳) زر بن جیش۔

عبدالرحمٰن بن یزید کی روایت

(۱) عَبْدُ اللهِ[2] ابْنُ اَحْمَدَ مِنْ حَدِيْثِ الْاَعْمَشِ[3] عَنْ اَبِيْ اِسْحٰقَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللهِ يَحُكُّ الْمُعَوِّذَتَيْنِ مِنْ مَصَاحِفِهٖ وَيَقُوْلُ اِنَّهُمَا لَيْسَتَا مِنْ كِتَابِ اللهِ، اتقان میں ابن حجر سے مِنْ مَصَاحِفِهٖ کی جگہ مِنَ الْمُصْحَفِ کا لفظ ہے۔

ترجمہ:۔ (نخعی کی پہلی روایت) عبدالرحمن کہتے ہیں کہ ابن مسعود قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس کو اپنے قرآنوں سے چھیل دیتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ یہ قرآن میں نہیں ہیں یعنی یہ قرآن کی سورتیں نہیں ہیں۔

(۲) عَبْدُ اللهِ[4] ابْنُ اَحْمَدَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللهِ يَحُكُّ الْمُعَوِّذَتَيْنِ مِنَ الْمُصْحَفِ

---

[1] علامہ ابوالفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی البغدادی نے تفسیر روح المعانی ج ۱ ص۳۲ سورۂ فاتحہ کے بیان میں لکھا ہے۔ لانہ (ای ابن مسعود) لَمْ يَكْتُبِ الْمُعَوِّذَتَيْنِ یعنی ابن مسعود نے معوذتین نہیں لکھیں اور پھر معوذتین پر یہ حاشیہ لکھا ہے۔ وَلَمْ يَكْتُبِ الْفَاتِحَةَ اَيْضًا لَا لِاعْتِقَادِ اَنَّهَا لَيْسَتْ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَعَاذَ اللهِ وَلٰكِنْ لِلْاِكْتِفَاءِ بِحِفْظِهَا لِوُجُوْبِ قِرَاءَتِهَا فِي الصَّلٰوةِ فَلَا يُخْشٰى ضَيَاعُهَا۔ ۱ھ منہ۔ اور آپ نے سورۂ فاتحہ بھی نہیں لکھی ہے لیکن آپ کا نہ لکھنا اس بنا پر نہ تھا کہ وہ قرآن میں نہیں ہے۔ پناہ بہ خدا۔ بلکہ بوجہ اس کے حفظ کے اور بہ وجہ اس کے کہ اس کا پڑھنا نماز میں واجب ہے اور اس کے ضائع ہونے کا خطرہ نہیں ہے۔ ۱ھ منہ۔ (زید عفی عنہ)

[2] اس روایت کو ابن کثیر نے تفسیر میں اور سیوطی نے اتقان میں ابن حجر سے نقل کیا ہے۔

[3] فِيْ حَدِيْثِ الْاَعْمَشِ اضْطِرَابٌ كَثِيْرٌ وَهُوَ يُدَلِّسُ وَرُبَّمَا دَلَّسَ عَنْ ضَعِيْفٍ قَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ اَفْسَدَ حَدِيْثَ اَهْلِ الْكُوْفَةِ اَبُوْ اِسْحٰقَ وَاَعْمَشُكُمْ وَكَذَا قَالَ مُغِيْرَةُ (میزان) یعنی اعمش کی حدیث میں بہت اختلاف ہے، اعمش حدیث میں تدلیس کرتا ہے اور ضعیف راویوں سے بھی تدلیس کرتا ہے۔ ابن مبارک کہتے ہیں کہ اعمش اور ابو اسحٰق نے اہل کوفہ سے جو روایتیں کی ہیں وہ تمام فاسد ہیں۔

[4] قسطلانی شرح بخاری جلد ۹ ص۱۳۹ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ کی تفسیر۔

وَيَقُوْلُ اِنَّمَا اُمِرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّتَعَوَّذَ بِهِمَا وَلَمْ يَكُنْ عَبْدُ اللهِ يَقْرَأُ بِهِمَا وَيَقُوْلُ اِنَّهُمَا لَيْسَتَا مِنْ كِتَابِ اللهِ۔

دوسری روایت۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ ابن مسعود قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ کو قرآن سے چھیل دیتے تھے اور فرماتے تے کہ آنحضرتؐ نے اِن دونوں کو تعویذ بنانے کو فرمایا ہے اور نیز ابن مسعود ان دونوں کی تلاوت بھی نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ قرآن میں نہیں ہے۔

(۳) وَاَخْرَجَ[1] عَبْدُ اللهِ ابْنُ اَحْمَدَ فِي زِيَادَاتِ الْمُسْنَدِ وَالطَّبْرَانِيُّ وَابْنُ مَرْدَوَيْهِ مِنْ طَرِيْقِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِي اِسْحٰقَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ النَّخَعِيِّ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ يَحُكُّ الْمُعَوَّذَتَيْنِ مِنْ مَصَاحِفِهِ وَيَقُوْلُ اِنَّهُمَا لَيْسَتَا مِنَ الْقُرْاٰنِ اَوْ مِنْ كِتَابِ اللهِ۔

تیسری روایت۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں ابن مسعود قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ کو چھیل دیتے تھے اور فرماتے کہ یہ قرآن کی سورتیں نہیں ہیں۔

علقمہ کی روایت

قَالَ[2] حَدَّثَنَا الْاَزْرَقُ[3] بْنُ عَلِيٍّ ثَنَا حُسَيْنُ[4] بْنُ اِبْرَاهِيْمَ ثَنَا الصَّلْتُ[5] بْنُ بَهْرَامَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللهِ يَحُكُّ الْمُعَوَّذَتَيْنِ مِنَ الْمُصْحَفِ وَيَقُوْلُ اِنَّمَا اُمِرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ اَنْ يَّتَعَوَّذَ بِهِمَا وَلَمْ يَكُنْ عَبْدُ اللهِ يَقْرَأُ بِهِمَا۔

ترجمہ:۔ علقمہ کہتے ہیں ابن مسعود قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس کو قرآن سے چھیل دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ آنحضرت نے ان کی تعویذ بنانے کا حکم دیا ہے اور عبداللہ ابن مسعود ان کی تلاوت بھی نہیں کرتے تھے۔

وَاَخْرَجَ[6] الطَّبْرَانِيُّ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ هَاتَيْنِ السُّوْرَتَيْنِ فَقَالَ قِيْلَ لِيْ فَقُلْتُ فَقُوْلُوْا كَمَا قُلْتُ۔

ترجمہ:۔ طبرانی نے ابن مسعود کی روایت لکھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان دو سورتوں... (معوذتین) کے متعلق سوال کیا گیا۔ آپ نے فرمایا، مجھ سے کہا گیا اور میں نے کہا پس تم بھی کہو جیسا میں نے کہا ہے۔ (زید عفی عنہ)

---

[1] عینی شرح بخاری جلد ۹ صفحہ ۱۹۱ [2] تفسیر ابن کثیر میں حافظ ابو یعلی سے اور قسطلانی شرح بخاری میں ہے۔

[3] قال ابن حبان ثِقَةٌ يُغْرِبُ صحاح میں اس سے روایت نہیں ہے۔ [4] قال النسائی لَيْسَ بِالْقَوِيِّ وقال ابن عدی حَدَّثَ بِاَفْرَادَاتٍ كَثِيْرَةٍ وَهُوَ مِنْ اَهْلِ الصِّدْقِ اِلَّا اَنَّهُ يَغْلَطُ (میزان الاعتدال)۔

[5] قال ابو حاتم لَا عَيْبَ لَهُ اِلَّا الْاِرْجَاءُ وَكَذَا تَكَلَّمَ فِيْهِ اَبُوْ زُرْعَةَ الْاِرْجَاءَ (میزان الاعتدال)

[6] تفسیر درمنثور میں ہے ۱۲۔

زر بن حبیش کی حدیث

پہلی روایت: قَالَ اَحْمَدُ[1] ثَنَا وَکِیْعُ ثَنَا سُفْیَانُ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ زِرِّبْنِ حُبَیْشٍ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ مَسْعُوْدٍ عَنِ الْمُعَوِّذَتَیْنِ فَقَالَ سَأَلْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْھَا فَقَالَ قِیْلَ لِیْ قُلْ فَقُلْتُ لَکُمْ فَقُوْلُوْا قَالَ اُبَیٌّ فَقَالَ لَنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَنَحْنُ نَقُوْلُ۔

ترجمہ:۔ احمد نے وکیع سے انھوں نے سفیان سے انھوں نے عاصم سے اور وہ زر بن جبیش سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابن مسعود سے معوذتین کے متعلق دریافت کیا۔ انھوں نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے متعلق پوچھا تھا۔ آپ نے فرمایا مجھ سے کہا گیا، کہو پس میں نے تم لوگوں سے کہہ دیا پس تم کہو۔ اُبی نے کہا ہے۔ پس ہم سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لہٰذا ہم کہتے ہیں۔ (زید عفی عنہ)

دوسری روایت: قَالَ[2] الْاِمَامُ اَحْمَدُ ثَنَا عَفَّانُ ثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَۃَ اَنَا عَاصِمُ بْنُ بَھْدَلَۃَ عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَیْشٍ قَالَ قُلْتُ لِاُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ اِنَّ ابْنَ مَسْعُوْدٍ لَا یَکْتُبُ الْمُعَوِّذَتَیْنِ فِیْ مُصْحَفِہٖ فَقَالَ اَشْھَدُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَخْبَرَنِیْ اَنَّ جِبْرِیْلَ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ لَہٗ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ فَقُلْتُھَا قَالَ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ فَقُلْتُھَا فَنَحْنُ نَقُوْلُ مَا قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ:۔ امام احمد نے عفان سے انھوں نے حماد سے انھوں نے عاصم سے اور انھوں نے زر سے روایت کی ہے کہ میں نے اُبَی سے کہا ابن مسعود اپنے مصحف میں معوذتین کو نہیں لکھتے ہیں۔ اُبی نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو خبر دی ہے کہ جبریل علیہ السلام نے آپ سے کہا قل اعوذ برب الفلق اور میں نے کہا۔ اور کہا قل اعوذ برب الناس اور میں نے کہا۔ لہٰذا ہم کہتے ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہے۔ (زید عفی عنہ)

تیسری روایت: عَنْ[3] سُفْیَانَ بْنِ عُیَیْنَۃَ ثَنَا عَبْدَۃُ بْنُ اَبِیْ لُبَابَۃَ وَعَاصِمُ بْنُ بَھْدَلَۃَ اَنَّھُمَا سَمِعَا عَنْ زِرِّبْنِ حُبَیْشٍ قَالَ سَأَلْتُ اُبَیَّ بْنَ کَعْبٍ عَنِ الْمُعَوِّذَتَیْنِ فَقُلْتُ یَا اَبَا الْمُنْذِرِ اِنَّ اَخَاکَ ابْنَ مَسْعُوْدٍ یَحُکُّ الْمُعَوِّذَتَیْنِ مِنَ الْمُصْحَفِ فَقَالَ اِنِّیْ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ قِیْلَ لِیْ فَقُلْتُ فَنَحْنُ نَقُوْلُ کَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ:۔ سفیان بن عینیہ عبدہ اور عاصم سے روایت کرتے ہیں کہ ان دونوں نے زر بن جبیش سے سنا کہ میں نے ابی بن کعب سے معوذتین کے متعلق کہا۔ اے ابا المنذر آپ کے بھائی ابن مسعود

---

[1] یہ تفسیر ابن کثیر میں ہے ۱۲
[2] ابن کثیر اور مسند امام احمد میں ہے ۱۲
[3] ابو بکر الحمیدی فی مسندہ ۱۲

معوذتین کو مصحف سے کھرچ دیتے ہیں۔ انھوں نے کہا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا۔ مجھ سے کہا گیا اور میں نے کہا لہٰذا ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہے۔ (زید عفی عنہ)

چوتھی روایت: حدثنا علی بن عبد اللہ ثنا سفیان ثنا عبدۃ بن ابی لبابۃ عن زر بن حبیش قال سفیان وحدثنا ایضا عاصم عن زر مثلہ قال سألت ابی بن کعب فقلت یا ابا المنذر ان اخاک ابن مسعود یقول کذا وکذا فقال ابی سألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال قیل لی فقلت فنحن نقول کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔[1]

ترجمہ: ہم سے علی بن عبداللہ نے ان سے سفیان نے ان سے عبدہ ابی لبابہ نے زر سے اور سفیان نے عاصم سے بھی زر کی روایت سنی ہے کہ وہ کہتے تھے میں نے ابی بن کعب سے دریافت کیا اور اُن سے کہا اے ابا المنذر آپ کے بھائی ابن مسعود یہ اور وہ کہتے ہیں۔ اُبی نے کہا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا۔ مجھ سے کہا گیا اور میں نے کہا۔ پس ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں جیساکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہے۔ (زید عفی عنہ)

معوذتین کے متعلق ابن مسعودؓ سے اِن تین نے یعنی عبدالرحمٰن، علقمہ، زر نے یہ روایت کی ہے۔ لیکن عبدالرحمٰن کے سِوا کسی نے اپنی روایت میں ابن مسعودؓ کا یہ قول نقل نہیں کیا (انہما لیستا من کتاب اللہ) یعنی یہ دونوں قرآن کی سورتیں نہیں ہیں۔ ابن مسعود کا انکار صرف عبدالرحمٰن نے نقل کیا ہے۔ ابن مسعود سے عبدالرحمٰن کی اِس روایت کو چند باتوں نے مشتبہ کردیا، لائقِ اعتبار نہ چھوڑا۔ اور صحت کے درجے سے گرا دیا۔

(۱) ابن مسعود سے اِس جملہ کی روایت میں عبدالرحمٰن منفرد ہے۔ علقمہ اور زر کی روایت میں یہ جملہ نہیں ہے۔

(۲) عبدالرحمٰن سے راوی ابواسحٰق ہے۔ ابواسحٰق کو میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ اُس نے اہلِ کوفہ کی روایات کو فاسد کردیا اور ان سے صحیح روایت نہیں کرتا۔ اور یہ روایت اہلِ کوفہ سے ہے۔

(۳) ابواسحٰق سے راوی اعمش ہے۔ اعمش کو میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ یہ مدلس ہے ضعفاء سے تدلیس کرتا ہے۔ اِس کی حدیثوں میں بہت اضطراب ہوتا ہے۔ اِس کے علاوہ یہ ہے کہ اس نے اہلِ کوفہ کی حدیثوں کو فاسد کردیا۔ اُن سے اِس کی روایت صحیح نہیں ہوتی۔

(۴) اعمش شیعہ ہے اور یہ روایت چونکہ عام شیعوں کے خیالات کی تائید کرتی ہے اِس لئے اعمش شیعی کی ایسی حدیث قابلِ تنقیح ہے۔

---

[1] بخاری ۱۲

(۵) اعمش یا ابواسحق اِن دونوں میں سے تنہا ایک ہی اہلِ کوفہ کی روایت کو فاسد کر دیتا ہے تو جس روایت میں یہ دونوں جمع ہوں اُس کا فساد بھی دوگنا ہو جائیگا۔

(۶) ابن مسعودؓ صحابہ میں ممتاز فاضل اور ذی کمال صحابی ہیں جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے مسندِ تعلیم کو عزت دی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ میں کسی نے اِس قدر تعلیم نہیں دی۔ خلیفہ دوم کے عہد سے آخر عمر تک کوفہ میں انھیں کا دارالعلوم کھُلا ہوا تھا۔ تمام اہلِ کوفہ نے انھیں کے دامن فیض میں تربیت پائی۔ تمام اسلامی دنیا میں خصوصًا کوفہ میں ہزاروں اُن کے شاگرد ایسے تھے جو مسند افتا اور قضا اور تدریس پر ممتاز تھے۔ اِس لئے یہ امر نہایت ہی تعجب خیز اور حیرت انگیز ہے کہ ابن مسعود کے ہزاروں شاگردوں میں سے کوئی ایسی روایت نہیں کرتا۔ ہزاروں شاگردوں سے عبدالرحمٰن کا اس میں متفرد ہونا اور ابواسحق کا یہ روایت کرنا اس کے عدم وثوق اور موضوع ہونے پر ایسی شہادت ہے کہ اس کے بعد کسی گواہ کی حاجت نہیں رہتی۔ خصوصًا ایسی حالت میں کہ ابن مسعودؓ سے ہزاروں نے اِسی قرآن کی روایت کی ہے۔ اور تواتر سے ہمیں معلوم ہے کہ ابن مسعود نے اسی قرآن کا درس دیا ہے۔

(۷) ابن مسعودؓ جیسے جلیل القدر صحابی کا معوذتین کے قرآن ہونے سے انکار اور اختلاف اُن اہم مسائل سے ہے جن کی دوسری مثال موجود نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ایسی بات ہے کہ ابن مسعودؓ کے سوا کسی نے ایسی بات نہیں کہی اور اس میں ابن مسعود نے تمام صحابہ سے خلاف کیا اور اصولِ اسلام سے انکار کیا تو ایسی حالت میں ابن مسعود کی اِس نقل سے اُن کے تمام شاگرد ضرور واقف ہوتے۔ اور روایت کرتے اور اپنے عہد میں ابن مسعودؓ ضرور اس مسئلہ کی وجہ سے بدنام ہوتے اور اُن پر انگلیاں اُٹھتیں اور اسلام کا بچہ بچہ اِس سے واقف ہوتا۔

(۸) علاوہ ان کے خود ابن مسعود نے ایسی روایت کی ہے جس سے معوذتین کا قرآن ہونا اظہر من الشمس ہے۔

وَاَخْرَجَ الطَّبَرَانِیُّ فِی الْاَوْسَطِ بِسَنَدٍ حَسَنٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَقَدْ اُنْزِلَ عَلَیَّ اٰیَاتٌ لَمْ یُنْزَلْ مِثْلُھُنَّ الْمُعَوِّذَتَیْنِ۔ (الدر المنثور ج ۶ ص۴۱۶)

ترجمہ: تفسیر درمنثور میں طبرانی سے ہے۔ ابن مسعود نے آنحضرتؐ سے روایت کیا۔ آپ نے فرمایا بلاشک مجھ پر ایسی چند آیات نازل ہوئی ہیں کہ ان کی مثل نازل نہیں ہوئیں یعنی معوذتین اور اس حدیث کی سند عمدہ ہے۔

اِس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن مسعود کو یہ معلوم تھا کہ معوذتین آنحضرت پر نازل ہوئی ہیں تو اب اس علم کے بعد بھی کیا ابن مسعود سے یہ ممکن ہے کہ معوذتین کو قرآن سے خارج بتائیں۔ ابن مسعودؓ

کی تو بڑی شان ہے۔ یہ تو عام مسلمان سے بھی ممکن نہیں۔

(۹) آنحضرت نے معوذتین کو نمازوں میں پڑھا۔ صحابہ کو اِن کی تعلیم دی۔ صحابہ نے آپ سے اِس کو سُنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن کے فضائل اور ثواب کو بارہا بیان فرمایا۔ قرآن کی دوسری سورتوں سے جوان کو فضیلت ہے وہ بھی بیان فرمائی اور تمام کتب حدیث خصوصًا صحاح میں معوذتین کے بارے میں متواتر روایات ہیں اس لئے صحابہ سے لے کر تمام اُمت کا معوذتین کے قرآن ہونے پر اتفاق ہے جیسے دیگر سورتوں پر اتفاق ہے۔ اب ایسی حالت میں ابن مسعود کا اِس سے ناواقف ہونا اُن واقعات سے ہے جس کے سمجھنے سے انسان کی عقل قاصر ہے۔ اور بجز اس کے صحیح عقل اور انصاف کا فتویٰ نہیں ہو سکتا کہ ابن مسعود کے پردے میں کوئی ناپاک ضمیر ہے جس نے اپنے گندہ تزویر اور عیاری کو چھپایا ہے۔ ابن مسعود کا فضل و کمال اِس خباثت اور گندگی کا ہرگز متحمل نہیں ہے۔ اِس میں شک نہیں کہ ابن مسعود کے فضل و کمال کے دامن پر جو بدنما داغ دکھانے کی کوشش کی گئی وہ اِس لئے بار ور نہیں ہوئی کہ وہ خود اپنے اندر اپنے جعل کی روشن شہادت رکھتی ہے۔

زر بن حبیش کی روایت

اس میں بھی سخت اختلاف ہے۔ ابن کثیر نے امام احمد سے وکیع عن سفیان کے واسطے سے اسے نقل کیا ہے اُس میں زر کا بیان ہے کہ معوذتین کو میں نے ابن مسعود سے دریافت کیا۔ انھوں نے کہا میں نے اُنھیں رسول خدا سے دریافت کیا تھا۔ آپ نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے انھیں پڑھو میں نے بھی اِنھیں پڑھا ہے تم بھی پڑھو۔ پھر زر نے اُبَی سے دریافت کیا۔ اُبی نے بھی بعینہٖ یہی جواب دیا۔ دوسری روایت امام بخاری نے علی بن عبداللہ بن سفیان کے واسطے سے نقل کی ہے اُس میں زر نے اُبی سے محض عبداللہ کا قول نقل کیا ہے لیکن اس قول کی کچھ تفصیل نہیں ہے صرف اسی قدر ہے۔ اِنَّ ابنَ مَسعودٍ اَخاکَ یَقُولُ کَذَا وَکَذَا۔ یعنی ابن مسعود فلاں فلاں بات کہتے ہیں۔ ظاہرًا معلوم ہوتا ہے کہ زر نے وہی مقولہ نقل کیا ہوگا جس کا امام احمد نے وکیع کے واسطے سے بیان کیا ہے اور اسی کی تائید اس بیان سے بھی ہوتی ہے جس کو تفسیر درمنثور میں طبرانی سے نقل کیا ہے۔ کہ ابن مسعود نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معوذتین کو دریافت کیا گیا تو آپ نے وہی جواب دیا جس کو ہم نے مسند امام احمد میں وکیع کے واسطے سے نقل کیا ہے۔ زر کا یہ بیان اگر صحیح مانا جائے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن مسعود معوذتین کے قرآن ہونے کے منکر نہ تھے۔ تیسری روایت کو ابوبکر حمیدی نے سفیان سے نقل کیا ہے اُس میں اِن تینوں روایتوں کے خلاف ابن مسعود کا اُبی سے فعل نقل کیا ہے نہ قول۔ اس روایت میں بجائے یَقُولُ کَذَا وَکَذَا کے یوں ہے یَا اَبَا المُنذِرِ اِنَّ اَخَاکَ ابنَ مَسعُودٍ یَحُکُّ المُعَوَّذَتَینِ مِنَ المُصحَفِ (اے ابومنذر آپ کے

بھائی ابن مسعود معوذتین کو مصحف میں سے مٹاتے ہیں) چوتھی روایت امام احمد کی وہ ہے جس کو حماد بن سلمہ نے عاصم کے واسطے سے نقل کیا ہے۔ اِس میں بجائے یَحُکُّ الْمُعَوِّذَتَیْنِ عَنِ الْمُصْحَفِ کے لَا یَکْتُبُ الْمُعَوِّذَتَیْنِ فِی مُصْحَفِہٖ ہے (یعنی مٹانے کی جگہ نہ لکھنے کا بیان ہے کہ آپ اپنے مصحف معوذتین کو نہیں لکھتے تھے) بہرحال اِس مضطرب اور مختلف بیان سے ابن مسعود کا انکار ثابت ہونا نہایت مشکل ہے۔ اور ایسا بیان ہرگز گواہی میں قابلِ سماعت نہیں۔ زر کی اِس روایت سے یہ فیصلہ مشکل ہے کہ ابن مسعود نے معوذتین سے انکار کیا اور ان کو قرآن کی سورتیں نہ مانتے تھے، بلکہ اس روایت میں غور اور تنقیح کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس میں وہ روایت صحیح ہے جس کو امام احمد نے وکیع عن سفیان کے واسطے سے نقل کیا ہے اور جس سے ثابت ہوتا ہے کہ زر نے معوذتین کو پہلے ابن مسعودؓ سے دریافت کیا اور پھر اُبی سے پُوچھا۔ جو جواب ابن مسعود نے دیا تھا وہی اُبی نے دیا اور زر نے اُبی سے ابن مسعود کا جواب بھی نقل کیا تھا۔ اِس لئے اس روایت کو امام بخاری نے بھی نقل کیا ہے۔ کیونکہ بخاری میں بھی یہی ہے کہ زر نے ابن مسعود کا کلام معوذتین کے بارے میں اُبی کے روبرو ذکر کیا نہ ابن مسعود کا فعل۔ اور طبرانی نے بھی ابن مسعود سے وہی روایت نقل کی ہے جس کو اُبی نے رسولِ خدا سے نقل کیا۔ بہرحال امام احمد کی اس روایت کی تائید بخاری طبرانی دونوں کی روایت سے ہوتی ہے۔ اِس لئے اس کو زر کی دوسری روایت پر ترجیح ہے اور اِس وقت یہ روایت ابن مسعود کے اقرار کو ثابت کرے گی نہ انکار کو۔

علقمہ کی روایت

اِس روایت میں تین راوی ایسے ہیں جن کی وجہ سے روایت قابلِ تنقیح اور قابلِ بحث ہوگئی ہے۔

(۱) ارزق بن علی۔ گو یہ معتبر ہے لیکن غریب حدیثوں کی روایت کرتا ہے۔ اِسی لئے صحاح میں اس سے روایت نہیں کی گئی۔

(۲) حسین بن ابراہیم۔ اگرچہ یہ بھی معتبر ہے لیکن امام نسائی کے نزدیک قابلِ وثوق نہیں۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ یہ حدیث کی روایت میں غلطی کرتے ہیں اور ایسی روایتیں بیان کرتے ہیں جو کسی نے نہیں کیں۔

(۳) الصلت بن ابراہیم۔ معتبر ہیں مگر مرجیہ ہیں۔ ابوزرعہ نے اِن کے اس مذہب کی وجہ سے ان پر جرح کی ہے۔ صحاح میں اِن سے روایت نہیں ہے۔ کسی روایت میں اِن تینوں راوی سے اگر ایک بھی ہو تو وہ روایت مُعَلَّل ہو جائے گی۔ یعنی اُس حدیث کی صحت میں فرق آجائے گا اور صحت کامل نہ رہے گی۔ اور جس روایت میں اِس قسم کے تین راوی ہوں تو ایسی روایت ہرگز بلا تنقیح قابلِ وثوق نہیں۔ خصوصًا ایسی صورت میں جبکہ وہ روایت دوسری صحیح روایتوں

کے خلاف ہو اور اجماعِ اُمت کا مقابلہ کرے ایسی صورت میں تو صحیح روایت بھی قابلِ وثوق نہیں رہتی اور یہ مقابلہ اور مخالفت ہی خود اُس کے ضعف اور واہی ہونے پر نشان ہو جاتا ہے جیسا اصول فقہ میں لکھتے ہیں۔

الغرض اِس بارے میں کہ ابن مسعود معوذتین کو قرآن کی سورتیں نہیں کہتے تھے جس قدر روایتیں ہیں وہ اول تو مختلف اور مضطرب ہیں۔ اور مضطرب روایات اگرچہ وہ ثقہ اور دیندار راویوں کی کیوں نہ ہوں ہرگز لائقِ اعتبار اور قابلِ تسلیم نہیں ہیں۔ دوسرے ان تمام روایتوں کے راوی ایسے نہیں جن کی روایت صحیح ہو بلکہ یہ تمام روایات بوجہ راویوں کے ضعیف ہونے کے غیر معتبر ہیں۔ تیسرے اگر ان روایتوں میں اضطراب بھی نہ ہوتا اور ان کے راوی بھی دیندار متہم نہ ہوتے تو اس وقت بھی یہ قابلِ تسلیم نہیں ہوتیں۔ کیونکہ ابن مسعود سے بتواتر ہم کو معلوم ہوا ہے کہ وہ اِن سورتوں کو قرآن کا جُز کہتے تھے اور ائمہ قراءۃ نے بہ تواتر اپنی سندوں کو ابن مسعود تک پہنچایا ہے۔ چنانچہ حفاظ اور قرار قرآن سے عاصم، حمزہ، کسائی، خلف جو مشہور قرار سے ہیں اور ان کی صحت سند پر تمام امت کا اتفاق ہے اور تمام بلادِ اسلامیہ میں ان کی سندیں ہزاروں حفاظ کے پاس ہیں۔ ان چاروں کو اسی قرآن کی سند جس میں معوذتین ہیں ابن مسعود سے ہے ہر ایک کی سند ملاحظہ ہو۔

عاصم
عبداللہ بن حبیب
ابو عبدالرحمن
سعید بن عیاش
زر بن حبیش
ابن مسعود

کسائی
حمزہ
اعمش
یحییٰ بن وثاب ابو محمد
عبید بن نضلہ
علقمہ
اسود
زر بن حبیش
ابن مسعود

خلف
سلیم
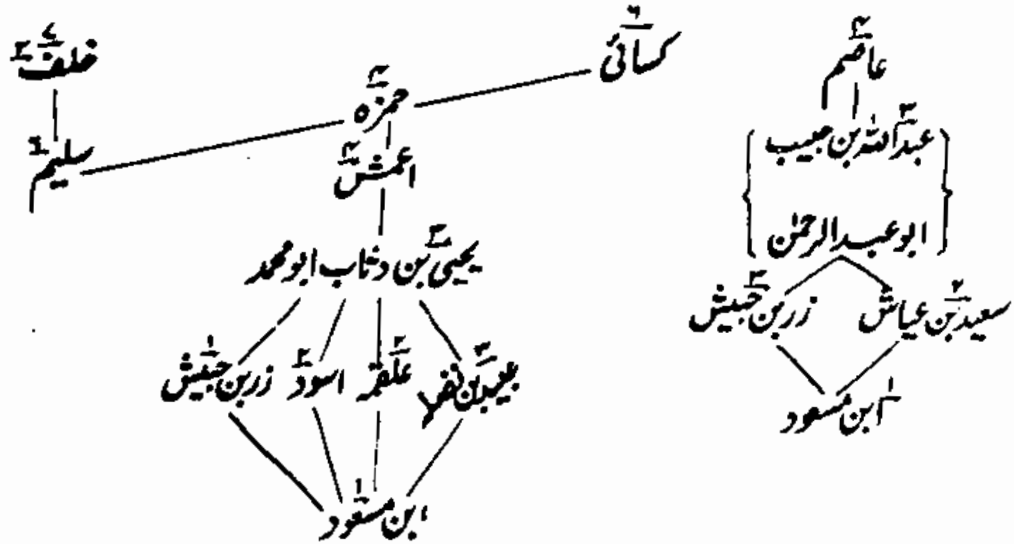
اب اِن سندوں کے مقابلہ میں جو متواتر ہیں اور صحت کا اعلیٰ درجہ رکھتے ہیں دوسری ضعیف روایتوں کا اعتبار نہیں ہو سکتا۔ اِسی طرح علی بن ابی طالب ابی بن کعب سے بھی حفاظِ قرآن اور قرار کے پاس اسی قرآنِ مرتب کی ایسی سندات ہیں جس کی صحت پر تمام اُمت کا اتفاق ہے اور تمام نے انہی سے قبول کیا ہے اور درجۂ تواتر اور صحت کے اعلیٰ مرتبہ پر ہیں۔ اب ان کے مقابلہ

ہیں وہ روایات جن سے علیؓ یا ابن مسعودؓ یا اُبی بن کعب کی تالیف اور ترتیب اس قرآن کے خلاف ثابت ہوتی ہے معتبر نہ ہوگی۔ اسی لئے علماء نے اور مسلمانوں نے ایسی روایتوں کو جعلی اور بے اصل واہی کہا ہے۔ یہاں ہم ایسے چند علماء کے نام لکھتے ہیں جنھوں نے ان روایات کا اعتبار نہیں کیا۔

(۱) علامہ ابن حزم نے المحلیٰ میں لکھا ہے:

هٰذَا كِذْبٌ عَلَى ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَمَوْضُوْعٌ وَاِنَّمَا صَحَّ عَنْهُ قِرَاءَةُ عَاصِمٍ عَنْ زِرٍّ عَنْهُ وَفِيْهَا الْمُعَوِّذَتَانِ وَالْفَاتِحَةُ۔

ترجمہ: معوذتین کے متعلق وہ روایتیں جن سے ابن مسعود کا انکار ثابت ہوتا ہے افترا ہے اور جعلی ہیں کیونکہ عاصم کی سند میں ابن مسعود سے جو نہایت صحیح ہے معوذتین اور فاتحہ ہے۔

(۲) علامہ ابن حزم نے کتاب الفصل جلد ثانی ص۷۷ میں لکھا ہے:

وَاَمَّا قَوْلُهُمْ اِنَّ مُصْحَفَ عَبْدِاللهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ خِلَافُ مُصْحَفِنَا فَبَاطِلٌ وَكِذْبٌ وَاِفْكٌ مُصْحَفُ عَبْدِاللهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اِنَّمَا فِيْهِ قِرَاءَتُهُ بِلَاشَكٍّ وَقِرَاءَتُهُ هِيَ قِرَاءَةُ عَاصِمٍ الْمَشْهُوْرَةُ عِنْدَ جَمِيْعِ اَهْلِ الْاِسْلَامِ فِيْ شَرْقِ الدُّنْيَا وَغَرْبِهَا نَقْرَءُ بِهَا كَمَا ذَكَرْنَا۔

ترجمہ: اور یہ بات کہ ابن مسعود کا قرآن ہمارے قرآنِ موجودہ کے خلاف ہے محض بہتان اور افترا اور جھوٹ ہے۔ ہاں واقعی ان کا قرآن اُن کی قرأت کے مطابق لکھا ہوا تھا اور ان کی قرأت وہی تھی جو قرار سبعہ میں سے عاصم کی قراۃ ہے اور اس وقت تمام دنیا میں مشہور ہے یعنی محض قرارۃ کا فرق ہے نہ ترتیب کا۔

(۳) امام نووی نے لکھا ہے:

فِيْ شَرْحِ الْمُهَذَّبِ اَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلٰى اَنَّ الْمُعَوِّذَتَيْنِ وَالْفَاتِحَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ وَاَنَّ مَنْ جَحَدَ مِنْهَا شَيْئًا كَفَرَ وَمَا نُقِلَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ غَيْرُ صَحِيْحٍ۔

ترجمہ: تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ معوذتین قرآن کی سورتیں ہیں۔ اس کا منکر کافر ہے۔ ابن مسعود سے اس کے متعلق روایات جعلی اور واہی ہیں۔

(۴) قاضی ابوبکر نے لکھا ہے:

لَمْ يَصِحَّ عَنْهُ اَنَّهَا لَيْسَتْ بِقُرْاٰنٍ وَلَا حُفِظَ عَنْهُ۔

ترجمہ: معوذتین کا انکار صحیح طور سے ابن مسعود سے ثابت نہیں ہوا۔

(۵) امام رازی نے لکھا ہے:

وَالْاَغْلَبُ عَلَى الظَّنِّ اَنَّ نَقْلَ هٰذَا الْمَذْهَبِ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ نَقْلٌ بَاطِلٌ۔

ترجمہ: ابن مسعود سے جو معوذتین کے متعلق نقل ہے وہ باطل ہے۔

(۶) علامہ بحر العلوم عبد العلی ابو العیاش نے لکھا ہے:

نسبۃ انکار کونہما من القرآن الیہ غلط فاحش ومن اسند الانکار الی ابن مسعود فلا یعباء بسندہ عند معارضۃ ہذہ الاسانید الصحیحۃ بالاجماع والمتلقاۃ بالقبول عند العلماء الکرام بل والامۃ کافۃ کلہا فظہر ان نسبۃ الانکار الی ابن مسعود باطل۔ (شرح مسلم الثبوت ص)

ترجمہ: عبداللہ ابن مسعود کو معوذتین کا منکر بتانا نہایت ہی موٹی غلطی ہے۔ اس روایت کی سند اس قابل بھی نہیں کہ اس طرف توجہ کی جائے۔ کیونکہ یہ روایت اُن صحیح سندوں کے خلاف ہے جس کی صحت پر اجماع ہے اور تمام علمائے کرام کے نزدیک مقبول ہیں۔ بلکہ تمام اُمت کے نزدیک مقبول ہیں۔ پس یہ روایت غلط ہے۔

اور لکھا ہے۔ بقی امر ترتیب السور فالمحققون علی انہ من امر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم وقیل ہذا الترتیب باجتہاد من الصحابۃ واستدل علیہ ابن فارس باختلاف المصاحف فی ترتیب السور فمصحف علی کان علی ترتیب النزول ومصحف ابن مسعود علی غیر ہذا الذی الآن والحق ہو الاول وہذہ الروایات مزخرفۃ موہومۃ ولم توجد فی الکتب المعتبرۃ ولا یعباء بہا فی مقابلۃ التوارث الذی جری من لدن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الآن۔

ترجمہ: محققین علماء کے نزدیک سورتوں کی ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے موافق ہے اور یہ قول کہ صحابہ نے اپنی رائے سے ترتیب دی اور اس پر یہ دلیل لانا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ابی بن کعب اور ابن مسعود کے قرآنوں کی جو ترتیب تھی وہ قرآن کی اِس ترتیب کے مخالف تھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترتیب خود صحابہ نے دی تھی۔ ورنہ اُن صحابہ کی ترتیب اس ترتیب کے خلاف نہ ہوتی یہ قول اور یہ دلیل صحیح نہیں ہاں پہلا قول صحیح ہے۔ اِس لئے جن روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اِن صحابہ کی ترتیب اِس قرآن کے خلاف تھی وہ تمام جعلی اور خیالی ہیں واقعیت سے اُسے کچھ بھی تعلق نہیں۔ کسی معتبر کتاب میں ایسی روایات نہیں ہیں اس لئے یہ روایات ہرگز اس قابل نہیں کہ ان پر توجہ کی جائے خصوصًا ایسی حالت میں کہ قرآن کی یہ ترتیب تمام امت سے آج تک منقول ہے اور تمام کا اس پر اتفاق ہے۔

اور لکھا ہے۔ وایضا ظہر من ہذا ان الترتیب الذی یقرء علیہ القرآن ثابت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فان القراء العشرۃ باسانیدہم الصحاح المجمع علی صحتہا نقلوا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قراءتہم وقرءوا علی ہذا الترتیب ونقلوا عن شیوخہم اقرؤہم ہکذا وشیوخ شیوخہم اقرؤہم ہکذا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (شرح مسلم بحر العلوم ص)

ترجمہ: یہاں سے معلوم ہوا کہ قرآن کی یہ موجودہ ترتیب آنحضرت کی دی ہوئی ہے کیونکہ اُن دسُ قاریوں نے جن کی سندیں متواتر ہیں اِس قرآن کو اپنی سندوں سے آنحضرتؐ تک پہنچایا اور اسی کا آنحضرت سے سماع ثابت کیا ہے اور ان قاریوں کی یہ سندیں نہایت ہی اعلیٰ درجہ میں صحیح ہیں اور تمام اُمتِ محمدیہ نے ان کی صحت پر وثوق کیا ہے اور تمام کا اِن پر اتفاق ہے اور ہر ایک قاری یونہی نقل کرتا ہے کہ میں نے اپنے اُستاد سے اِسی طرح قرآن کو سُنا اور پھر یہ اُستاد اپنے اُستاد سے اِسی طرح سماع بیان کرتا ہے یہاں تک کہ یہی سلسلہ آنحضرتؐ تک پہنچتا ہے۔

اشتباہ کی دوسری روایت

ابن عباس کی ایک روایت ہے جس کو امام احمدؒ ابوداؤدؒ ترمذی، نسائیؒ، ابن حبان، حاکم نے روایت کیا ہے۔
اِس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ سورتوں کی ترتیب صحابہ کی رائے سے ہوئی ہے اور وہ روایت یہ ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قُلْتُ لِعُثْمَانَ مَا حَمَلَكُمْ عَلٰى اَنْ عَمَدْتُمْ اِلَى الْاَنْفَالِ وَهُوَ مِنَ الْمَثَانِيْ وَبَرَاءَةَ وَهِيَ مِنَ الْمِئِيْنَ فَقَرَنْتُمْ بَيْنَهُمَا وَلَمْ تَكْتُبُوْا بَيْنَهُمَا سَطْرَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَوَضَعْتُمُوْهَا فِي السَّبْعِ الطِّوَالِ فَقَالَ عُثْمَانُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ عَلَيْهِ السُّوَرُ ذَوَاتُ الْعَدَدِ فَكَانَ إِذَا مَا نَزَلَ عَلَيْهِ ـــــــ الشَّيْءُ دَعٰى بَعْضَ مَنْ كَانَ يَكْتُبُ فَيَقُوْلُ ضَعُوْا هٰؤُلَاءِ الْاٰيَاتِ فِي السُّوْرَةِ الَّتِيْ يُذْكَرُ فِيْهَا كَذَا وَكَذَا وَكَانَتِ الْاَنْفَالُ مِنْ اَوَائِلِ مَا نَزَلَ بِالْمَدِيْنَةِ وَكَانَتْ بَرَاءَةُ مِنْ اٰخِرِ الْقُرْاٰنِ نُزُوْلًا وَكَانَتْ قِصَّتُهَا شَبِيْهَةً بِقِصَّتِهَا فَظَنَنْتُ اَنَّهَا مِنْهَا فَقُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يُبَيِّنْ لَنَا اَنَّهَا مِنْهَا فَمِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ قَرَنْتُ بَيْنَهُمَا وَلَمْ اَكْتُبْ بَيْنَهُمَا سَطْرَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَوَضَعْتُهَا فِي السَّبْعِ الطِّوَالِ۔

ترجمہ :۔ ابن عباس نے عثمان سے پوچھا تم نے سورہ انفال جو مثانی سے ہے اور سورۂ براۃ جو مئین سے ہے کیوں ملا دیا یعنی دونوں کے درمیان میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ لکھی اور قرآن کی سات بڑی سورتوں میں انھیں لکھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سورتیں متعدد نازل ہوا کرتیں اور جب کچھ نازل ہوتا کاتب کو بُلا کر آپ کہہ دیتے کہ اِن آیتوں کو فلاں سورۃ میں لکھو۔ انفال اُن سورتوں میں ہے جو مدینہ میں پہلے نازل ہوئی۔ اور براۃ تمام قرآن میں آخر میں نازل ہوئی۔ اِن دونوں کا مضمون چونکہ مشابہ تھا اس لئے میں سمجھا کہ یہ دونوں ایک سورت ہیں۔ مگر آنحضرتؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ براۃ انفال کا جزو اور حصہ ہے۔ میں نے اپنے خیال کے موافق دونوں کو مِلا دیا اور درمیان میں بسم اللہ نہیں لکھی اور قرآن کی بڑی سات سورتوں میں اس کو بھی لکھ دیا۔

اِس حدیث کے مضمون پر بحث اور غور سے پہلے اِس کی سند پر توجہ دلاتا ہوں۔ ابو عیسٰے

ترمذی نے اِس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے (هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ لَا نَعْرِفُهُ اِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عَوْفٍ عَنْ يَزِيْدِ الْفَارِسِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ) یعنی صحابہ میں ابن عباس کے سوا ہمارے علم میں اور کسی نے اسے روایت نہیں کیا۔ ابن عباس سے بھی یزید فارسی کے سوا کوئی اس کا راوی نہیں ہے یزید فارسی سے محض عوف بن ابی جمیلہ راوی ہے۔ امام احمد نے بھی اپنی مسند میں اِس روایت کو اِسی سند سے لکھا ہے جس کو میں بعینہٖ نقل کرتا ہوں۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ ثَنَا يَحْيٰى بْنُ سَعِيْدٍ ثَنَا عَوْفٌ ثَنَا يَزِيْدُ يَعْنِي الْفَارِسِيَّ قَالَ اَبِیْ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ ثَنَا عَوْفٌ عَنْ يَزِيْدَ قَالَ قَالَ لَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ الخ۔

ابوداؤد میں بھی بعینہٖ یہی سند ہے۔ قَالَ اَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ اَنَا هُشَيْمٌ عَنْ عَوْفٍ عَنْ يَزِيْدَ الْفَارِسِيِّ الخ اور دوسری سند یوں ہے۔ حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ اَيُّوْبَ ثَنَا مَرْوَانُ يَعْنِي ابْنَ مُعَاوِيَةَ اَنَا عَوْفٌ الْاَعْرَابِيُّ عَنْ يَزِيْدَ الْفَارِسِيِّ۔

الغرض اِس حدیث کی تمام سندوں میں عوف ہے۔ عوف کے سوا یزید سے کسی نے اِسے روایت نہیں کیا۔ اِس حدیث کا پتہ عوف کے سوا کہیں سے نہیں چلتا۔ جیسا صاحب ترمذی نے بھی کہا ہے۔ عوف بن ابی جمیلہ اگرچہ محدثین کے ہاں معتبر ہے مگر تہذیب التہذیب میں ابن مبارک سے نقل کیا ہے۔ كَانَتْ فِيْهِ بِدْعَتَانِ قَدَرِيٌّ شِيْعِيٌّ اس میں دو باتیں ہیں ایک تو قدری ہے دوسری شیعی وَقَالَ الْاَنْصَارِيُّ رَأَيْتُ دَاوُدَ بْنَ اَبِيْ هِنْدٍ يَضْرِبُ عَوْفًا وَيَقُوْلُ وَيْلَكَ يَا قَدَرِيُّ۔ انصاری کہتے ہیں میں نے داؤد کو دیکھا کہ عوف کو مارتا جاتا تھا اور کہتا تھا کہ تو اے قدری مر بھی نہیں جاتا۔ وَقَالَ فِي الْمِيْزَانِ قَالَ بُنْدَارُ وَهُوَ يَقْرَأُ لَهُمْ حَدِيْثَ عَوْفٍ لَقَدْ كَانَ قَدَرِيًّا رَافِضِيًّا شَيْطَانًا۔ اور میزان الاعتدال میں ہے۔ بندار نے عوف کی حدیث بیان کرتے وقت لوگوں سے کہا کہ عوف رافضی شیطان ہے اور قدری ہے۔ امام مسلم نے اپنے مقدمہ میں عوف کو اگرچہ معتبر کہا ہے مگر اسی کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ اس کی حدیث صحت میں دوسرے معتبرین کے مثل نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اِس حدیث سے چونکہ عوام شیعوں کے خیال کی تائید ہوتی ہے اور اس کا روایت کرنے والا صرف ایک ہی شخص ہے اور وہ بھی شیعہ اور رافضی ہے اور اصولِ حدیث کا یہ عام قانون ہے کہ اہلِ بدع کی ایسی روایت ہرگز قابلِ اعتبار نہیں جس سے اُن کے مذہب کی تائید ہوتی ہو۔ اور خصوصاً جبکہ صحیح حدیثوں اور متواترات کی... مخالف روایت کرے۔ عوف نے یہ روایت یزید فارسی سے کی ہے۔ یزید کے سوا کسی نے ایسی روایت نہیں کی۔ یزید فارسی مجہول شخص ہے اِسی لئے عبدالرحمٰن بن مہدی اور امام احمد نے کہا کہ یہ یزید بن ہرمز کے سوا کوئی نہیں۔ یزید فارسی اور یزید بن ہرمز ایک ہی شخص ہے۔ لیکن

یحییٰ بن سعید القطان اور صاحبِ ترمذی اور ابو حاتم کہتے ہیں کہ یزید فارسی یزید بن ہرمز کے سوا دوسرا شخص ہے۔ کتبِ رجال میں اِس کا کچھ حال نہیں ملتا۔ صرف اس قدر ہے کہ یہ صرف ابن عباس سے راوی ہے۔ اور ابو حاتم نے اس کی نسبت لَا بَاسَ بِهٖ کہا ہے۔ امام مسلم اور بخاری نے اس سے روایت نہیں کی ہے۔ اب جو شخص محدّثین کے یہاں مشہور نہیں اور امام احمد اور ابن مہدی جیسے شخص جو فنِ رجال کے ناقد اور ربانی ہیں اس سے واقف نہیں اور نہ یہ معلوم کہ یہ کس کا بیٹا ہے کس سن میں مرا اور کب پیدا ہوا۔ تو ایسے شخص کی روایت ہرگز اس قابل نہیں کہ بلا تنقیح اُسے مان لیا جائے خصوصًا اس حالت میں جبکہ ایک امر متواتر اور یقینی کے مخالف ہو۔ بہرحال ابن عباس کی یہ روایت سند کے رُو سے صحیح نہیں اور غالبًا اسی وجہ سے امام مسلم اور امام بخاری نے اسے روایت نہیں کیا۔ اب ایسی ناقابلِ اعتبار روایت سے ہم اس یقینی اور قابلِ اطمینان بات کو چھوڑ نہیں سکتے کہ قرآن کی ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود وحی کے موافق فرمائی اور نہ ایسی واہی اور مزخرف خبر سے معتبر اور یقینی باتوں میں شک وشبہہ کی گنجائش ہے خصوصًا ایسی حالت میں جبکہ تواتر کے خلاف ہے۔ اِس لئے کہ قاریانِ قرآن جن کی سندوں کی صحت پر تمام امت کا اتفاق ہے اور آج اُنھیں کی سندوں سے قرآن ہمارے پاس آیا ہے۔ اپنی سندوں کو حضرت عثمانؓ تک پہنچاتے ہیں اور ہر ایک اپنی سند میں بیان کرتا ہے کہ اسی قرآن موجودہ کو اسی ترتیب سے حضرت عثمان نے آنحضرت سے سُنا ہے۔ چنانچہ انہی مشہور قاریوں سے تین کی ایسی سندوں کو ہم یہاں لکھتے ہیں جنھوں نے اپنی سند کو حضرت عثمان تک پہنچا ہے۔
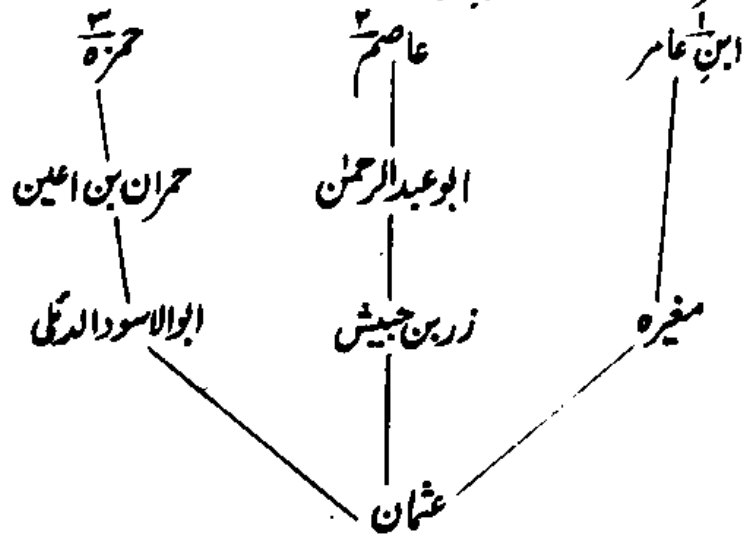
اب جبکہ تواتر سے یہ ثابت ہوگیا کہ حضرت عثمان نے اِسی ترتیب سے قرآن آنحضرتؐ سے سُنا تو اب ابن عباس کی اِس روایت کا اِس کے مقابلہ میں کیا اعتبار ہوگا علاوہ اِس کے ابن عباس کی یہ حدیث اپنے معنی کی رُو سے بھی بہت کچھ شُبہ میں ڈالتی ہے اور اس کے معانی میں ایسی مخالفت اور تضاد

ہے جس سے اس کے ضعف اور پوری کمزوری کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے معانی پر بحث کے قبل یہ معلوم کرلینا ضروری ہے کہ سورۂ براۃ، انفال سے جدا سورۃ ہے یا اُسی کا حصہ۔ صحیح حدیثوں اور متواتر شہادتوں سے یہ امر کہ براۃ مستقل جدا سورہ ہے ایسا یقینی اور روشن ہے کہ اُس میں اس کے خلاف کا خطرہ اور وہم تک بھی نہیں رہتا۔ ان شہادتوں سے بعض کو ہم بھی لکھتے ہیں۔

پہلی شہادت

عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ اٰخِرُ سُوْرَةٍ نَزَلَتْ کَامِلَةً بَرَاءَةُ وَاٰخِرُ سُوْرَةٍ نَزَلَتْ خَاتِمَةُ سُوْرَةِ النِّسَآءِ یَسْتَفْتُوْنَكَ الخ (بخاری مغازی)

ترجمہ:۔ بخاری میں براء سے ہے کامل سورۃ جو آخر میں اُتری براۃ ہے۔ اور آخر میں جس سورۃ کا آخر نازل ہوا وہ سورۂ نساء ہے۔

اِس حدیث سے ظاہر ہے کہ پوری سورۂ براۃ ایک وقت میں نازل ہوئی اور آخر میں جو پوری سورت ایک وقت میں اُتری وہ براۃ ہے۔ اِس سورت کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ غزوۂ تبوک اور حنین اور فتح مکہ کے بعد اُتری ہے۔ ۹ھ میں حضرت ابوبکرؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر حج مقرر فرما کر روانہ فرمایا اور حضرت علیؓ بھی اُن کے ہمراہ تھے۔ حضرت علی نے ساتویں ذی الحجہ کو تمام حجاج کے مجمع میں براۃ کو پڑھ کر سنایا۔ اِسی طرح عرفات میں نویں کو پھر منیٰ میں دسویں کو سُنایا۔ (معتصر ص۱۲۳)

دوسری شہادت

وَاَخْرَجَ الطَّبَرَانِیُّ فِی الْاَوْسَطِ عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُنَافِقُ لَا یَحْفَظُ سُوْرَةَ هُوْدٍ وَبَرَاءَةَ وَیٰسٓ وَالدُّخَانَ وَعَمَّ یَتَسَاءَلُوْنَ۔ (تفسیر در منثور)

ترجمہ:۔ درمنثور میں اوسط طبرانی سے ہے جناب امیر فرماتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا منافق کو سورۂ ہود، براۃ، یٰس، دخان، عم یتساءلون یاد نہیں ہوتی۔ یعنی جو انھیں یاد نہ کرے وہ منافق ہے۔

اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت کے عہد میں براۃ مستقل اور جدا سورۃ تھی نہ انفال کا جزء۔ اور آپ نے قرآن کی دیگر سورتوں کی طرح اِس کا بھی مستقل سورتوں میں شمار کیا۔ اِس کے سوا اِس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ براۃ کے یاد کرنے کی تاکید میں اِس قدر سختی اور اہتمام فرمایا کہ جو یاد نہ کرے وہ منافق ہے۔ مسلمان اوّل تو تمام قرآن ہی کے فریفتہ اور اس کے یاد کرنے اور لکھنے کی طرف بے انتہا ساعی تھے لیکن آنحضرت کے اس اعلان کے بعد خصوصیت سے تمام مسلمانوں نے براۃ کو یاد کیا اور لکھا ہوگا۔ کیونکہ اس عہد کے مسلمانوں میں ایک بھی ایسا نہیں تھا

جو منافقوں کی فہرست میں اپنا نام دیکھنا پسند کرتا۔ اِس بنا پر یہ یقینی امر ہے کہ صحابہ میں اکثر وہ ہونگے جن کو براءۃ یاد ہوگی اور ان کے پاس پوری لکھی ہوئی ہوگی اور اس وقت براءۃ کی مستقل سورۃ ہونے میں کسی مسلمان کو کیا شبہ ہو سکتا ہے اور نہ کسی سے یہ امر مخفی ہو سکتا ہے کہ براءۃ مستقل جدا سورۃ ہے۔

تیسری شہادت

وَاَخْرَجَ سَعِیْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ وَالْحَاکِمُ وَصَحَّحَہٗ وَالْبَیْہَقِیُّ فِیْ سُنَنِہٖ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَخْطُبُ فَجَلَسْتُ قَرِیْبًا مِنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فَقَرَءَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سُوْرَۃَ بَرَاءَۃَ انتھی بقدر الحاجۃ۔ (درمنثور)

ترجمہ:۔ درمنثور میں سنن بیہقی اور سعید بن منصور سے نقل کیا ہے اور حاکم نے اس روایت کو صحیح بتایا ہے۔ ابوذر کہتے ہیں میں جمعہ کو مسجد میں ایسے وقت داخل ہوا کہ آنحضرت خطبہ پڑھتے تھے۔ میں جا کر اُبی کے پاس بیٹھ گیا۔ آنحضرتؐ نے سورہ براءۃ پڑھی۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ براءۃ کو خطبہ میں مجمع عام میں علی رؤس الاشہاد سنایا تو کیا ایسی حالت میں مسلمان اس کے مستقل سورت ہونے سے واقف نہ ہوئے ہوں گے۔

چوتھی شہادت

وَاَخْرَجَ اَبُوْ عُبَیْدَۃَ وَسَعِیْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ وَاَبُو الشَّیْخِ وَالْبَیْہَقِیُّ فِی الشُّعَبِ عَنْ اَبِیْ عَطِیَّۃَ الْہَمَدَانِیْ قَالَ کَتَبَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ تَعَلَّمُوْا سُوْرَۃَ بَرَاءَۃَ وَعَلِّمُوْا نِسَاءَکُمْ سُوْرَۃَ النُّوْرِ۔ (درمنثور)

ترجمہ:۔ درمنثور میں ابوعبیدہ، سعید بن منصور، ابوالشیخ اور بیہقی سے روایت کیا ہے کہ .... ابوعطیۃ الہمدانی کہتے ہیں کہ فاروق اعظم نے یہ حکم لکھا کہ تم سورہ براءۃ سیکھو اور عورتوں کو سورۂ نور سکھاؤ۔

حضرت عمر کے اِس حکم سے بھی صاف ظاہر ہوا کہ براءۃ مستقل سورۂ انفال سے جُدا تھی اور اُس کو یاد کرانے کا آنحضرت نے بھی اہتمام فرمایا اور سخت تاکید کی۔ اور حضرت عمرؓ نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے موافق لوگوں کو اُس کے یاد کرنے کا حکم دیا۔

ان واقعات سے یہ امر بخوبی روشن ہے کہ آنحضرت کے عہدِ مبارک میں سورہ براءۃ کا مستقل سورتوں میں شمار تھا۔ آنحضرتؐ نے صاف صاف اِس کو علیحدہ سورتوں میں گنایا اور نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے بھی سورہ براءۃ کو انفال کے بعد رکھا تھا۔ اور اسی ترتیب سے آنحضرت اور صحابہ پڑھتے تھے۔ چنانچہ اوس ثقفی کا صحابہ سے قرآن کے حزب کے بارے میں سوال و جواب اس پر

واضح طور سے روشنی ڈالتا ہے۔ اگرچہ یہ واقعہ پہلے بھی لکھا گیا ہے مگر بقدر ضرورت یہاں بھی اعادہ کرتا ہوں۔ فَقُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا حَبَسَكَ عَنَّا اللَّیْلَةَ فَقَالَ بَقِیَ عَلَیَّ مِنْ حِزْبِیْ شَیْءٌ فَکَرِھْتُ اَنْ اَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتّٰی اَقْرَءَہٗ فَلَمَّا اَصْبَحْنَا قُلْنَا لِاَصْحَابِ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَدَّثَنَا اَنَّہٗ بَقِیَ عَلَیْہِ حِزْبٌ مِنَ الْقُرْاٰنِ فَکَیْفَ کُنْتُمْ تُحَزِّبُوْنَ الْقُرْاٰنَ قَالُوْا نُحَزِّبُہٗ ثَلَاثَ سُوَرٍ خَمْسُ سُوَرٍ سَبْعُ سُوَرٍ تِسْعُ سُوَرٍ اِحْدٰی عَشَرَةَ سُوَرٍ ثَلَاثَ عَشَرَةَ سُوَرٍ وَحِزْبُ الْمُفَصَّلِ مَا بَیْنَ قَافْ فَاَسْفَلَ۔ (طبقات ابن سعد و ابی داؤد) اوس کا بیان ہے کہ ایک شب آنحضرتؐ نے اپنے معمول سے آنے میں کچھ تاخیر کی۔ اِس پر صحابہ نے عرض کی آج کس وجہ سے حضورؐ کو دیر ہوئی۔ فرمایا روزانہ جو میں قرآن پڑھتا تھا آج وہ رہ گیا تھا اِس لئے اُس کے پڑھنے میں دیر ہوگئی۔ اوس کہتے ہیں اُس کی صبح کو صحابہ سے میں نے دریافت کیا۔ قرآن میں تمہارا کیا معمول ہے۔ جواب دیا پہلے روز تین سورتیں، دوسرے روز پانچ، تیسرے روز سات، چوتھے روز نو، پانچویں روز گیارہ، چھٹے روز تیرہ، ساتویں روز قاف سے آخر تک پوری مفصل۔ المعتصر میں اِس کے متعلق ہے۔ فَنَظَرْنَا فِیْہِ فَاِذَا ثَلَاثُ سُوَرٍ مِنْ اَوَّلِ الْقُرْاٰنِ الْبَقَرَةُ۔ وَاٰلُ عِمْرَانَ۔ وَالنِّسَاءُ۔ وَالْخَمْسُ الْمَائِدَةُ۔ وَالْاَنْعَامُ۔ وَالْاَعْرَافُ۔ وَالْاَنْفَالُ۔ وَبَرَاءَةُ۔ وَالسَّبْعُ یُوْنُسُ۔ وَھُوْدُ۔ وَیُوْسُفُ۔ وَالرَّعْدُ۔ وَاِبْرَاھِیْمُ۔ وَالْحِجْرُ۔ وَالنَّحْلُ۔ وَالتِّسْعُ بَنُوْ اِسْرَائِیْلَ۔ وَالْکَھْفُ۔ وَمَرْیَمُ۔ وَطٰہٰ وَالْاَنْبِیَاءُ وَالْحَجُّ۔ وَالْمُؤْمِنُوْنَ۔ وَالنُّوْرُ۔ وَالْفُرْقَانُ۔ وَالْاِحْدٰی عَشَرَةَ۔ طٰسٓمٓ سِیْنِیْنَ۔ وَالْعَنْکَبُوْتُ۔ وَالرُّوْمُ۔ وَاللُّقْمَانُ۔ وَالسَّجْدَةُ۔ وَالْاَحْزَابُ۔ وَسَبَا۔ وَفَاطِرُ۔ وَیٰسٓ۔ وَالثَّلَاثَةَ عَشَرَ الصَّافَّاتُ۔ وَصَادُ۔ وَالزُّمَرُ۔ وَحٰمٓ یعنی آلِ حٰمٓ۔ وَسُوْرَةُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ وَالْفَتْحُ۔ وَالْحُجُرَاتُ وَحِزْبُ الْمُفَصَّلِ ص۲۰۳۔

یعنی صحابہ کے اِس جواب کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ پہلے روز کی تین سورتیں بقر۔ آل عمران، نساء ہیں۔ دوسرے روز کی پانچ میں مائدہ۔ انعام۔ اعراف۔ انفال۔ برارة۔ تیسرے روز کی سات میں یونس۔ ہود۔ یوسف۔ رعد۔ ابراہیم۔ حجر۔ نحل۔ چوتھے روز کی نو میں بنواسرائیل۔ کہف۔ مریم۔ طہٰ۔ انبیا۔ حج۔ مومنون۔ نور۔ فرقان۔ پانچویں روز کے گیارہ میں طور سینین۔ عنکبوت۔ روم۔ لقمان۔ سجدہ۔ احزاب۔ سبا۔ فاطر۔ یٰس۔ چھٹے روز کے تیرہ میں صافات۔ صاد۔ زمر۔ حم یعنی ال حم۔ محمدؐ۔ فتح۔ حجرات۔ ساتویں روز میں قاف سے آخر تک یعنی مفصل تمام۔

صحابہ کے اِس جواب سے تین امر معلوم ہوئے۔

(۱) رسولِ خدا اور نیز صحابہ نے برارۃ کو مستقل سورہ علیحدہ انفال سے قرار دیا تھا۔ اسی وجہ سے شمار میں اِس کا نمبر انفال سے علیحدہ گنا گیا۔ اور انفال کے بعد پانچویں سورت اس کو بتایا گیا۔

(۲) آنحضرتؐ اور صحابہ نے براءۃ کو انفال کے بعد رکھا اور اسی ترتیب سے آپ اور صحابہ اسے پڑھتے تھے۔

(۳) قرآن کے پڑھنے کی جو ترتیب آنحضرت اور صحابہ کی تھی وہ بعینہٖ اس قرآن کے موافق تھی اور نیز یہی امر اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے جس کو صاحب منارالہدیٰ نے عائشہ سے اور سیوطی نے اتقان میں واثلہ بن الاسقع سے روایت کیا ہے۔ اُعْطِیْتُ مَكَانَ التَّوْرٰاةِ السَّبْعَ الطِّوَالِ وَاُعْطِیْتُ مَكَانَ الزَّبُوْرِ الْمِئِیْنَ وَاُعْطِیْتُ مَكَانَ الْاِنْجِیْلِ السَّبْعَ الْمَثَانِیْ وَفُضِّلْتُ بِالْمُفَصَّلِ رواہ احمد فی مسندہ۔

چنانچہ صاحبِ منارالہدیٰ بھی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اِس سے ثابت ہوا کہ سورۂ براءۃ مستقل سورہ ہے نہ انفال کا جُزء ہے۔

الغرض اِن واقعات سے یہ امر روشنی میں آگیا کہ آنحضرت نے براءۃ کو مستقل جدا سورۃ قرار دیا۔ اور انفال کے بعد اُس کو رکھا۔ صحابہ بھی اِس سے واقف تھے اور اسی طریقہ سے اُس کی تلاوت کرتے تھے۔ سورۂ براءۃ کو جدا سورۃ قرار دینا اور انفال کے بعد رکھنا آنحضرت کا فعل تھا نہ حضرت عثمان کا۔ جیسا قرار نے بھی حضرت عثمان سے اسے نقل کیا ہے اور حضرت عثمان نے خود بھی بیان کیا کہ میں نے اسی ترتیب سے آنحضرتؐ سے سُنا۔ چنانچہ ابن عباس کے اس سوال سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ سورہ انفال اور سورۂ براءۃ دو جدا جدا سورتیں ہیں۔ اب میں ابن عباسؓ کی حدیث کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اِس حدیث میں ابن عباس نے حضرت عثمان سے دو باتیں دریافت کی ہیں۔

(۱) انفال اور براءۃ باوجود دو سورت ہونے کے اِن کو ملا کر ایک سورت کیوں کہا گیا کیونکہ ان دونوں کے درمیان میں بسم اللہ نہیں لکھی گئی جیسا کہ دو سورتوں کے درمیان لکھی جاتی تھی۔ اِس سے معلوم ہوا یہ دونوں ایک سورت ہیں۔ ابن عباس کے اِس سوال سے صاف ظاہر ہے کہ یہ جُدا جُدا سورتیں ہیں۔

(۲) انفال مثانی سے ہے اور براءۃ مئین سے۔ اِن کو قرآن کی پہلی سات طویل سُورتوں کے ساتھ کیوں رکھا گیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جواب

(۱) انفال اور براءۃ کا مضمون چونکہ باہم مشابہ تھا اِس لئے میں نے سمجھا کہ یہ دونوں ایک ہیں۔ اِسی وجہ سے میں نے دونوں کو ملا دیا اور درمیان میں بسم اللہ نہیں لکھی۔ سوال کا جواب تو

صرف اسی قدر ہے۔ لیکن جواب سے اِس قدر ادرا ضافہ کیا گیا۔

(۲) رسولِ خدا کی یہ عادت اور معمول تھا کہ جب قرآن نازل ہوتا آپ کاتبوں میں سے کسی کو طلب فرما کر ہدایت کر دیتے کہ اِن آیتوں کو فلاں سورت میں جن میں فلاں فلاں بیان ہے مرتب کر دو۔

(۳) سورہ انفال مدینہ میں اول نازل ہوئی ہے اور برارۃ آخر میں نازل ہوئی۔

(۴) رسولِ خدا نے آخر تک یہ نہیں بتلایا کہ برارۃ انفال کا جز ہے۔ اِن تینوں باتوں کو اگرچہ جواب سے کچھ تعلق نہیں مگر ہم بیان کرنے والے کے نہایت ممنون ہیں کہ اُس نے اپنے اِس اضافہ سے فیصلہ کے لئے نہایت آسانی کر دی اور اپنی غلطی اور جبل پر خود ایک مستحکم شہادت قائم کر دی۔

دوسرے امر کا جواب چونکہ یہ دونوں مل کر ایک بڑی سُورت ہو گئی اِس لئے میں نے اِسے بڑی سات سورتوں میں رکھ دیا۔

اِس بیان سے نہایت رُوشن اور ایسی وضاحت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ برارۃ انفال کا جُز نہیں اور جدا سُورت ہے۔ حضرت عثمان کی شان تو نہایت اعلیٰ اور ارفع ہے اِس سے تو معمولی سے معمولی سمجھ کا آدمی بھی اِس نتیجہ پر بلا تردّد اور یقینی طور پر آجاتا ہے کہ دونوں علیحدہ علیحدہ ہیں۔ اس لئے کہ اِس بیان سے دو مقدمے ثابت ہوتے ہیں۔

(۱) اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسی آیات نازل ہوتیں جو کسی سورت کی جُز ہوتیں تو انھیں آپ اُسی وقت اُس سورت میں لکھا دیتے۔ (۲) برارۃ کو جو بعد میں نازل ہوئی ہی سورۂ انفال میں جو پہلے نازل ہوئی ہے نہیں لکھایا۔

اِن دونوں مقدموں سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ برارۃ انفال کا حصّہ نہیں ورنہ آپ اسے حسبِ معمول ضرور انفال میں لکھاتے۔ اور جب نہیں لکھایا تو ثابت ہوا کہ انفال کا جُز نہیں۔ اب جبکہ حضرت عثمان کو اِن دونوں باتوں کا خود ہی اقرار ہے تو اس کے بعد بھی دوسری طرف جانا یعنی دونوں سورتوں کے مضمون مشابہ ہونے سے استدلال کرنا۔ بھلا حضرت عثمان کی شان تو اِس سے نہایت اعلیٰ اور ارفع ہے۔ معمولی سمجھ کا آدمی بھی ایسا نہیں کر سکتا۔ اور یہ بھی خیال غلط ہے کہ آنحضرت کو برارۃ کے انفال میں لکھانے کا وقت نہیں ملا۔ کیونکہ برارۃ ۹ھ ہجری میں نازل ہوئی ہے۔ اِس کے نازل ہونے کے بعد ایک سال سے زیادہ کا وقت آپ کو ملا۔ علاوہ ازیں جس طرح قرآن کی تبلیغ آپ پر فرض تھی اِسی طرح یہ بھی فرض تھا کہ قرآن کے ہر حصّہ کو اپنی اپنی جگہ مرتب کرا دیں۔ اب خود اِسی بیان سے یہ ثابت ہو گیا کہ یہ دونوں ایک نہیں ہیں۔ ہاں اگر یہ دونوں متصل یکے بعد دیگرے بھی نازل ہوتیں تو اس وقت میں بھی ایسا وہم ہو سکتا تھا کہ یہ دونوں شاید ایک ہوں۔ ان میں تو

یہ بھی نہیں ہے۔ بلکہ ایک اوّل میں نازل ہوئی ہے اور دوسری بعد میں۔ اِس درمیان میں اور بہت سی سورتیں نازل ہوئیں تو اس لئے یہاں یہ بھی وہم نہیں ہو سکتا۔ اب رہی یہ بات کہ اِن دونوں کا مضمون مشابہ ہے اِس لئے دونوں مِلا دی گئیں۔ اِس میں چند باتیں قابل غور ہیں۔

(۱) دو میں مشابہت مضمون سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ایک ہوں۔ قرآن میں اکثر ایسی سورتیں ہیں کہ اُن کے مضامین میں مشابہت ہے۔ (۲) یہ مشابہت اُس وقت کارآمد ہو سکتی تھی جبکہ اس کا فیصلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا ہوتا۔ اور جب خود آنحضرت نے اس کو انفال میں نہیں لکھا یا اور اس کا نام علٰحدہ مستقل رکھ دیا تو اب مشابہت کیا کارآمد ہو سکتی ہے۔ اب تو اگر دونوں کا مضمون بھی بالکل متحد ہوجاتا تو ایک نہیں ہو سکتیں۔ علاوہ اِس کے یہ بات خود بھی غلط ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اِن دونوں کو سبع طوال میں داخل کیا۔ بلکہ یہ ترتیب رسولِ خدا نے قائم کی تھی اور اِسی ترتیب سے خود آنحضرت اور نیز صحابہ قرآن کو پڑھتے تھے۔ جیسا اوس ثقفی کے بیان سے ثابت ہوا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ حضرت عثمان اِس سے ناواقف ہوں اور یہ اُن کو معلوم نہ ہو کہ براءۃ مستقل علیحدہ سورت ہے۔ اب واقفیت کے بعد بھی حضرت عثمان کا یہ کہنا کہ یہ ترتیب میری قائم کردہ ہے مسلمان اس کے سمجھنے سے قاصر ہیں خصوصًا حضرت عثمان کا ایسے وقت میں یہ کہنا جبکہ ہزاروں صحابہ اِس سے واقف تھے۔ علاوہ اِس کے اُن روایات کی رُو سے جو قرآن کے جمع کے بارے میں ہیں یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عثمان نے خود اپنی رائے سے قرآن کی کوئی ترتیب قائم کی تھی۔ بلکہ اِن روایات سے محض یہ ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ اوّل نے اپنے عہد میں جو قرآن لکھا یا تھا حضرت عثمانؓ نے اس کی نقلیں کرا کے ملک میں شائع کیں۔ چنانچہ حضرت عثمان کی جمع کے واقعہ کو بخاری نے بھی نقل کیا ہے۔ اُسے دیکھو اُس میں ایک حرف بھی ایسا نہیں جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ حضرت عثمان نے کوئی ترتیب اپنی طرف سے دی ہے بلکہ محض نقل کرایا تھا۔ اب ابن عباسؓ کی یہ روایت بخاری کی اس صحیح روایت کے بھی مخالف ہوئی۔ بہر حال یہ روایت کیا بلحاظ سند اور کیا بلحاظ مضمون ہرگز صحت اور قبولیت کا درجہ نہیں رکھتی۔ رہا یہ امر کہ انفال اور توبہ جب دو مستقل اور جُدا جُدا سورہ ہیں تو اور دیگر سورتوں کی طرح ان دو میں بسم اللہ کیوں نہیں لکھی گئی۔ میں کہتا ہوں کہ قرآن کے نقل اور لکھنے میں مسلمانوں نے چونکہ صاحبِ شریعت کا پورا اتباع کیا ہے اور جس طرح صاحبِ شریعت نے لکھایا اُسی طرح لکھا۔ اپنی رائے سے اُس میں کسی قسم کا تبدل و تغیر نہیں کیا۔ اِس وقت تک بھی قرآن میں ایسے الفاظ ہیں جو موجودہ قواعد خط اور تحریر کے خلاف ہیں۔ لیکن وہ حروف چونکہ صاحبِ شریعت کے سامنے اِسی طرح لکھے گئے تھے اِس لئے مسلمانوں نے اُسے بھی ویسے ہی قائم رکھا اور قواعدِ خط کے موافق اُس میں تبدل و تغیر پسند نہیں کیا جب ہم مسلمانوں

کا یہ یقین ہے کہ یہ قرآن رسولِ خدا کے عہد میں اسی طرح لکھا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے لکھایا اور معتبر واقعات اور روایتوں نے بھی ہمارے اِس یقین کو مدد پہنچا کر اور زیادہ مستحکم اور روشن کردیا۔ تو اب ہمارے لئے اِس کہنے کو کوئی امر مانع نہیں کہ آنحضرتؐ نے انفال اور برارۃ میں چونکہ بسم اللہ نہیں لکھائی اِس لئے نہیں لکھی گئی۔ اس کے بعد ہمیں اِس امر کے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں رہتی کہ صاحبِ شریعت نے یہاں کیوں بسم اللہ نہیں لکھائی۔ ہاں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ صاحبِ شریعت کو یہاں اسی طرح وحی ہوئی اور اس سورت میں وحیِ الٰہی کے وقت بسم اللہ نہ تھی۔ ابن عباس سے روایت ہے۔ جب سورت نازل ہوتی تو بسم اللہ بھی نازل ہوتی۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ برارۃ میں بسم اللہ نازل نہیں ہوئی۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ بسم اللہ چھوڑ دی جاتی۔ اور یہاں نازل نہ کرنے کی مصلحت کو وہی حکیم مطلق خوب جانتا ہے جس نے اپنی مصلحتِ کاملہ سے اپنے بندوں کے لئے قرآن نازل کیا۔ انسان کی عقل کرۂ ارضی کے گرد حرکت سے عاجز ہے تو علویات پر اس کا حاوی ہونا جس درجہ پر ہے وہ ظاہر ہے۔

اشتباہ کی تیسری روایت

زید بن ثابت کی حدیث سے جسے بخاری وغیرہ نے نقل کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ معرکۂ یمامہ کے بعد فاروق اعظم کی رائے سے خلیفۂ اکبر نے زید کو بلا کر حکم دیا کہ تمام قرآن کو جمع کرو۔ اگر قرآن جمع نہ ہوا تو بعید نہیں کہ معرکۂ یمامہ کی طرح چند اور جگہ قرار قرآن اگر شہید ہوئے تو قرآن کا اکثر حصہ تلف ہو جائے گا۔ زید نے خلیفۂ اکبر کے حکم سے تمام قرآن تلاش سے جمع کیا اور لکھا۔ اسی جمع کردہ قرآن کی چند نقلیں خلیفۂ سوم نے اپنے عہد میں کرا کے مختلف جگہ بھیجیں۔ اِس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ پورا قرآن رسولِ خدا کے عہد میں لکھا ہوا نہ تھا ورنہ خلیفۂ اکبر ایسا نہ کرتے۔ زید بن ثابت کی وہ حدیث یہ ہے جس کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔ میں اسے بخاری سے نقل کرتا ہوں۔

اِنَّ زَیْدَ بْنَ ثَابِتٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ اَرْسَلَ اِلَیَّ اَبُوْبَکْرِ الصِّدِّیْقِ مَقْتَلَ اَھْلِ الْیَمَامَۃِ فَاِذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عِنْدَہٗ قَالَ اَبُوْبَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اِنَّ عُمَرَ اَتَانِیْ فَقَالَ اِنَّ الْقَتْلَ قَدِ اسْتَحَرَّ یَوْمَ الْیَمَامَۃِ بِقُرَّاءِ الْقُرْاٰنِ وَاِنِّیْ اَخْشٰی اِنِ اسْتَحَرَّ الْقَتْلُ بِالْقُرَّاءِ بِالْمَوَاطِنِ فَیَذْھَبُ کَثِیْرٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ وَاِنِّیْ اَرٰی اَنْ تَاْمُرَ بِجَمْعِ الْقُرْاٰنِ قُلْتُ لِعُمَرَ کَیْفَ تَفْعَلُ شَیْئًا لَمْ یَفْعَلْہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ عُمَرُ ھٰذَا وَاللّٰہِ خَیْرٌ فَلَمْ یَزَلْ عُمَرُ یُرَاجِعُنِیْ حَتّٰی شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرِیْ لِذٰلِکَ وَرَاَیْتُ فِیْ ذٰلِکَ الَّذِیْ رَاٰی عُمَرُ قَالَ زَیْدٌ قَالَ اَبُوْبَکْرٍ اِنَّکَ رَجُلٌ شَابٌّ عَاقِلٌ لَا نَتَّھِمُکَ وَقَدْ کُنْتَ تَکْتُبُ الْوَحْیَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَتَتَبَّعِ الْقُرْاٰنَ فَاجْمَعْہُ فَوَاللّٰہِ لَوْ کَلَّفُوْنِیْ نَقْلَ جَبَلٍ مِّنَ الْجِبَالِ مَا کَانَ اَثْقَلَ عَلَیَّ مِمَّا اَمَرَنِیْ بِہٖ مِنْ جَمْعِ الْقُرْاٰنِ قُلْتُ کَیْفَ تَفْعَلُوْنَ شَیْئًا لَمْ یَفْعَلْہُ

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ هُوَ وَاللّٰہِ خَیْرٌ فَلَمْ یَزَلْ اَبُوْبَکْرٍ یُرَاجِعُنِیْ حَتّٰی شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرِیْ لِلَّذِیْ شَرَحَ لَہٗ صَدْرَ اَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا فَتَتَبَّعْتُ الْقُرْاٰنَ اَجْمَعُہٗ مِنَ الْعُسُبِ وَاللِّخَافِ وَصُدُوْرِ الرِّجَالِ حَتّٰی وَجَدْتُ اٰخِرَ سُوْرَۃِ التَّوْبَۃِ مَعَ اَبِیْ خُزَیْمَۃَ الْاَنْصَارِیِّ لَمْ اَجِدْھَا مَعَ اَحَدٍ غَیْرِہٖ لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَتّٰی خَاتِمَۃِ بَرَاءَۃَ وَکَانَتِ الصُّحُفُ عِنْدَ اَبِیْ بَکْرٍ حَتّٰی تَوَفَّاہُ اللّٰہُ ثُمَّ عِنْدَ عُمَرَ حَیَاتَہٗ ثُمَّ عِنْدَ حَفْصَۃَ بِنْتِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ۔

ترجمہ:۔ زید کا بیان ہے کہ یمامہ والوں سے لڑائی کے زمانہ میں خلیفہ اکبر نے مجھے بلوایا میں حاضر ہوا۔ عمر بھی اس وقت وہاں تھے۔ خلیفہ نے فرمایا کہ عمر نے مجھ سے کہا۔ یمامہ کی لڑائی میں بہت سے قاری قرآن شہید ہوئے ہیں۔ اسی طرح اور چند مقام پر اگر قرار شہید ہوئے تو مجھے خوف ہے کہ قرآن کا اکثر حصہ تلف ہو جائے گا۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ آپ قرآن کو جمع کرائیں۔ میں نے عمر سے کہا جو کام رسولِ خدا نے نہیں کیا وہ تو کرنے کو کہتا ہے۔ عمرؓ نے جواب دیا واقعی یہ عمدہ ہے۔ اسی بارے میں مجھ سے اور عمرؓ سے گفتگو ہوا کی۔ پھر میں بھی سمجھا کہ عمر کی رائے صحیح ہے اور مصلحت اسی میں ہے۔ اس تمام واقعہ کے بیان کے بعد خلیفہ نے زید سے فرمایا۔ تو جوان سمجھدار معتبر ہے اور وحی بھی لکھتا تھا۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ تو تلاش کر کے قرآن کو جمع کر۔ زید کہتے ہیں کہ اس قدر بھاری کام میرے متعلق کیا کہ اس سے بھاری پہاڑ کا اپنی جگہ سے منتقل کرنا مجھ پر آسان تھا۔ خلیفہ سے میں نے عرض کیا۔ جو کام رسولِ خدا نے نہیں کیا وہ کرو گے۔ خلیفہ نے فرمایا ہاں یہ بہتر ہے۔ مجھ سے اور خلیفہ سے اِس میں بحث ہوا کی۔ پھر میں بھی سمجھا کہ اِن دونوں کی رائے واقعی درست ہے۔ اِس پر میں نے کھجور کی پتیوں اور پتھر کے ٹکڑوں اور آدمیوں کے سینوں سے قرآن کو جمع کیا اور لکھا۔ سورہ توبہ کا آخر (لقد جاء کم الخ) محض ابو خزیمہ انصاری کے پاس ملا۔ میرا لکھا ہوا زندگی بھر خلیفہ اکبر کے پاس رہا اُن کے بعد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پھر ان کے بعد ان کی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہا۔

اِس حدیث پر بحث سے پہلے چند باتوں کا بیان مناسب ہے جن سے اِس واقعہ پر بہت کچھ روشنی پڑے گی۔

(۱) خلیفہ اول کی خلافت کا زمانہ دو برس تین مہینے گیارہ روز ہے۔ کیونکہ سہ شنبہ ۱۰ ربیع الاول سلہ کو آپ مسندِ خلافت پر فروکش ہوئے۔ اور ۲۲ جمادی الآخرہ ۱۳ھ دوشنبہ کا دن گزرنے پر عشاء و مغرب کے درمیان رفیق اعلیٰ سے واصل ہوتے۔

(۲) یمامہ ملک نجد میں ایک شہر ہے۔ اس میں قبیلہ بنو حنیفہ کا ایک شخص جس کا نام مسیلمہ تھا مدعی نبوت ہوا۔ ۱۱ھ کے آخر میں خلیفہ اول نے خالد بن ولید کو اس کے مقابلہ کے لئے روانہ

فرمایا۔ اور انجام کار نہایت خونریزی اور طرفین کے بہت سے آدمی کام آنے کے بعد صداقت کی فتح اور کذب کی شکست ہوئی۔ علامہ قسطلانی نے لکھا ہے کہ گیارہ سو مسلمان شہید ہوئے اور بعض کا بیان ہے کہ چودہ سو مسلمانوں نے جام شہادت پیا جس میں ستر قرآن کے قاری تھے اور تین سو مہاجرین اور انصار مدینہ کے اور تین سو مہاجرین بیرونِ مدینہ کے تھے اور باطل پرستوں کے چودہ ہزار آدمی تلوار کے گھاٹ اُتارے گئے۔

تاریخ الخلفاء میں ہے۔ ثُمَّ سَارَ خَالِدٌ بِجُمُوْعِہٖ اِلَی الْیَمَامَۃِ لِقِتَالِ مُسَیْلِمَۃَ الْکَذَّابِ فِیْ اَوَاخِرِ الْعَامِ وَالْتَقَی الْجَمْعَانِ وَدَامَ الْحِصَارُ اَیَّامًا۔ یعنی خالد ۱۱ھ کے آخر میں مسیلمہ کے مقابلہ کے لئے معہ فوج کے روانہ ہوئے۔

کامل ابن اثیر میں ہے۔ قَدِ اخْتُلِفَ فِیْ تَارِیْخِ حَرْبِ الْمُسْلِمِیْنَ ھٰؤُلَاءِ الْمُرْتَدِّیْنَ فَقَالَ ابْنُ اِسْحٰقَ کَانَ فَتْحُ الْیَمَامَۃِ وَالْیَمَنِ وَالْبَحْرَیْنِ وَبَعْثُ الْجُنُوْدِ اِلَی الشَّامِ سَنَۃَ اثْنَتَیْ عَشْرَۃَ وَقَالَ اَبُوْ مَعْشَرٍ وَغَیْرُھُمْ فُتُوْحُ الرِّدَّۃِ کُلُّھَا لِخَالِدٍ وَغَیْرِہٖ سَنَۃَ اِحْدٰی عَشْرَۃَ۔ یمامہ وغیرہ کے مرتدین سے جنگ میں مورخین کا اختلاف ہے۔ ابن اسحٰق کے نزدیک ۱۲ھ میں یہ جنگ ہوئی۔ اور ابو معشر وغیرہ کے نزدیک ۱۱ھ میں۔ بہرحال اس میں کلام نہیں اور یہ امر یقینی ہے کہ یمامہ کی جنگ کا خاتمہ ۱۱ھ کے خاتمہ پر ہوا اور اس جنگ میں زید بن ثابت بھی شریک تھے۔

(۳) مشہور قرار سے سالم مولی ابو حذیفہ کے سوا کوئی قاری اس میں شہید نہیں ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں چار شخصوں کو تعلیم قرآن کی اجازت دی تھی اور لوگوں سے فرمایا تھا کہ ان چار سے قرآن پڑھیں۔ ابن مسعود۔ سالم مولی ابی حذیفہ۔ معاذ بن جبل۔ اُبی بن کعب۔ جن میں سے سالم شہید ہوئے اور تین موجود تھے۔

(۴) زید بن ثابت نے آنحضرت کے عہد میں ہی قرآن جمع کیا تھا۔

قَالَ سَاَلْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ مَنْ جَمَعَ الْقُرْاٰنَ عَلٰی عَہْدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَرْبَعَۃٌ کُلُّھُمْ مِنَ الْاَنْصَارِ اُبَیُّ بْنُ کَعْبٍ وَّ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَزَیْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَاَبُوْ زَیْدٍ (بخاری)

ترجمہ:۔ بخاری میں انس سے ہے۔ رسولِ خدا کے عہدِ مبارک میں انصار سے چار نے قرآن جمع کیا تھا۔ ابی۔ معاذ۔ زید۔ ابو زید۔

اسی کے ساتھ زید بن ثابت کو پورا قرآن حفظ بھی تھا۔ منجملہ اور حفاظ کے یہ بھی ہیں۔

بخاری کی یہ روایت صحیح ہے جس کی صحت کو علما نے بھی تسلیم کیا ہے۔

(۵) ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۲۷۳ میں شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ جمع کرد قرآن را بحضور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و ترتیب دادہ بود آنرا لیکن تقدیر مساعد شیوع آن نشد اَخْرَجَ اَبُوْ عُمَرَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ

كَعْبِ الْقُرَظِيِّ قَالَ كَانَ مِمَّنْ جَمَعَ الْقُرْآنَ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ حَيٌّ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ وَعَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ وَعَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ مَسْعُوْدٍ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَسَالِمٌ مَوْلٰى اَبِيْ حُذَيْفَةَ۔

حضرت عثمان نے آنحضرتؐ کی زندگی ہی میں قرآن کو ترتیب سے جمع کیا تھا لیکن اس کی اشاعت نہ ہوئی۔ محمد بن کعب سے روایت ہے کہ آنحضرت کی زندگی میں قرآن جمع کرنے والوں میں عثمانؓ علیؓ ابن مسعودؓ، ابو حذیفہؓ بھی ہیں۔

(۶) یہ امر معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن لکھواتے اور بہت سے صحابہ نے اُسے پورا لکھا اور جمع کیا جیسا ابھی ہم نے ثابت کیا ہے۔

(۷) ہم تمام مسلمانوں کا یہ اعتقاد ہے کہ قرآن کسی حالت اور کسی وقت میں تلف نہیں ہو سکتا جس قدر قرآن ہے وہ قیامت تک بعینہٖ محفوظ رہے گا۔ خواہ دنیا میں ایک مسلمان بھی باقی نہ رہے۔ اور کسی مسلمان کو کبھی یہ خیال، وہم وخطرہ کے طور سے بھی نہیں ہو سکتا کہ قرآن کا تلف ہونا ممکن ہے مسلمان جانتے ہیں، جس طرح آفتاب و ماہتاب قیامت تک اپنے اِسی آب وتاب سے زندہ رہیں گے اسی طرح یہ چشمۂ ہدایت بھی قیامت تک باقی رہے گا۔ کیونکہ یہ اُس خدا کا وعدہ ہے جس کا وعدہ اٹل اور ناممکن التخلف ہے۔ نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ۔

(۸) اگر یہ امر صحیح مان لیا جائے کہ آنحضرت کے عہد میں قرآن جمع نہیں ہوا تھا بلکہ اُس کے اجزاء صحابہ کے پاس لکھے ہوئے منتشر تھے اور بعض اجزا ایسے صحابہ کے پاس بھی تھے جو قاری اور کاتبِ وحی نہ تھے۔ جیسے خزیمہ یا ابو خزیمہ۔ اور اسی لئے اس کے جمع کرنے میں تلاش اور سوال کی ضرورت تھی۔ اور بلا جمع کئے صحابہ کی شہادت یا قرار کی شہادت سے اس کے تلف ہونے کا خوف تھا۔ تو ایسی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات کے بعد تمام مسلمانوں خصوصاً صحابہ اور خلیفہ کا پہلا فرض یہ تھا کہ قبل اس کے کہ صحابہ مدینہ سے کسی جنگ کے لئے یا کسی دوسری غرض سے جدا ہوں۔ قرآن جمع کیا جاتا۔ کیونکہ اوّل تو ویسے ہی انسان کی موت وحیات کا کچھ اعتبار نہیں اور جنگ کے موقع میں تو ہر وہ شخص جو جنگ کے لئے نکلتا ہے وہ اپنے کو یقیناً موت کا شکار جانتا ہے اور آنحضرت کی وفات کے بعد تو اسلام اور مسلمانوں کے لئے ایسا نازک وقت تھا کہ اُس وقت کے حالات اور واقعات کی رُو سے اسلام اور مسلمانوں کا باقی رہنا ایک ایسی بات ہے جو انسانی عقل سے باہر ہے۔ اب ایسی حالت میں حاملانِ قرآن کا جنگ کے لئے نکلنا کیا اس امر کو نہیں بتاتا کہ اِن میں سے ضرور کچھ کام آئیں گے۔ اور کیا کوئی معمولی سمجھ کا شخص بھی ایسا خیال کر سکتا ہے کہ بلا جانوں کی قربانی کئے اِن کو کامیابی اور فتح نصیب ہوگی۔ خصوصاً اُس حالت میں جبکہ

فریقِ مقابل کی تعداد اور سامانِ حرب زیادہ ہو۔ اب ایسی صورت میں بلا قرآن جمع کئے ہوئے خلیفہ کا حاملانِ قرآن کو جنگ کے لئے بھیجدینا دیدہ و دانستہ قرآن کو تلف کرنا ہے اور یہ وہ امر ہے کہ مخالف و موافق کوئی بھی کسی مسلمان کی نسبت ایسا خیال نہیں کرسکتا۔ قرآن ہی وہ شے ہے جس پر اسلام کی عمارت قائم ہے اور اسی کی حفاظت کے لئے مسلمانوں نے قربانیاں کیں اور آج بھی اس کیلئے سربکف ہیں۔ پھر جو بات کہ خلیفۂ اوّل اور فاروق اعظم نے جنگِ یمامہ کے بعد کی جبکہ ہزاروں صحابہ اور حاملانِ قرآن شہید ہو گئے اور ایسا ہونا بھی ضروری تھا۔ اُس کا وقت اس کے قبل تھا جبکہ تمام صحابہ موجود تھے۔ نہ اس وقت۔ علاوہ اس کے جنگِ یمامہ کے بعد قرآن کے جمع کرنے سے اور وہ بھی اِس صورت سے کہ مختلف چیزوں سے وہ لکھا ہوا ملا اور یہ تحریریں مختلف لوگوں کے پاس سے برآمد ہوئیں۔ یہ خیال زیادہ ممکن ہے کہ قرآن کا کچھ حصہ تلف ہو گیا ہو اور وہ اُن کے پاس ہو جو شہید ہو گئے تھے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ تمام قرآن زید کو یاد تھا مگر وہ محض اپنی یاد سے لکھنا نہیں چاہتے تھے تاوقتیکہ وہ لکھا ہوا بھی نہ ملے۔ اس لئے وہ لکھا ہوا ہی تلاش کرتے اور اس سے نقل کرتے اپنی یاد پر نہ لکھتے۔ تو اب ایسی حالت میں یہ ناممکن ہے کہ قرآن کا کچھ حصہ رہ گیا ہو۔ کیونکہ زید کو خود تمام قرآن یاد تھا۔ تو اس کے متعلق میں کہوں گا کہ اگر محض لکھے ہوئے ہی کی تلاش تھی تو یہ غلط ہے اِس لئے کہ اس بیان میں زید خود کہتے ہیں کہ میں نے قرآن کو لکھے ہوئے اور لوگوں کی یاد دونوں سے معلوم کر کے لکھا ہے۔

(۹) جنگِ یمامہ کے بعد جمع قرآن کی ضرورت جب محسوس ہوئی اور اس وقت تک واقعی قرآن غیر مجموع تھا اور جنگِ یمامہ میں قرار کے شہید ہونے سے قرآن کے تلف ہونے کا اندیشہ ہوا۔ تو اس کے لئے یہ ضروری تھا کہ اُس وقت جو قرار سے زندہ تھے خصوصاً وہ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی تعلیم کی اور اپنے ہی وقت میں اجازت دی۔ اور انھوں نے عہدِ نبوی میں بھی لوگوں کو قرآن پڑھایا اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی یاد پر وثوق کیا۔ ان تمام قرا اور حفاظ کو جمع کیا جاتا اور اُن کی مجلس کے متعلق یہ کام کیا جاتا نہ تنہا زید کی۔ جو اُن میں بھی نہیں ہیں جن کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں اجازت دی تھی لیکن ان حفاظ اور قرار سے کسی کو بھی شریک نہیں کیا۔ کیونکہ اِس وقت میں سالم مولی ابی حذیفہ تو جنگِ یمامہ میں شہید ہو گئے تھے اور معاذ یمن میں تھے اور ابن مسعودؓ مہم عراق میں شریک تھے جو محرم ۱۲ھ ہجری میں بہ سرپرستی خالد روانہ ہوئی تھی اور ابو الدرداءؓ جنھوں نے رسولِ خدا سے پورا قرآن یاد کیا تھا وہ بھی اس میں شریک نہ تھے اور عمر بن العاص جو ہر رات میں قرآن ختم کر لیتے تھے اور پورا قرآن اُن کے پاس لکھا ہوا تھا وہ بھی باہر تھے۔ حالانکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ عادت تھی کہ جب انھیں کوئی ضرورت پیش آتی تو اُس میں وہ اہل الرائے اور اہلِ علم سے مشورہ کرتے اور مہاجرین اور انصار سے خصوصاً عمر، عثمان، علی، عبدالرحمٰن بن عوف، معاذ، ابی،

زید کو ضرور بُلاکر مشورہ کرتے۔[۱] تعجب ہے بقول راوی یہ اس قدر عظیم الشان کام کہ جس میں حضرت عمرؓ سے بحث مباحثہ ہوا، زید سے مباحثہ ہوا۔ مگر اُن اربابِ شوریٰ سے مشورہ بھی نہ لیا گیا حالانکہ یہ انھیں کے کرنے اور مشورے کا ہی کام تھا اس پر بھی ان کو نہ بُلایا گیا۔ جو لوگ اِس سے واقف ہیں اور جنہوں نے یہ کام کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ کسی مرتب لکھی ہوئی کتاب کی صحیح نقل کرانے میں کس قدر اہتمام کی ضرورت ہوتی ہے۔ اوّل اس کتاب کے مختلف نسخے جمع کئے جاتے ہیں۔ پھر ان میں سے تمام سے اس کا مقابلہ کرکے اِس کی تصحیح کی جاتی ہے اور اُس پر بھی مختلف طور سے اُس پر مختلف وقتوں میں مختلف اشخاص نظر ڈالتے ہیں جب بھی پورا صحیح نسخہ تیار نہیں ہوتا۔ آج کل ہی دیکھو قرآن کے سینکڑوں نسخے موجود ہیں اور ہزاروں حفاظ ہیں لیکن اس پر بھی اگر آج کوئی صحیح نقل کرنا چاہے تو کس قدر اہتمام کرنا ہوگا۔ پھر کیا تنہا ایک شخص آج بھی اس کام کو انجام دے سکتا ہے؟ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ اور جبکہ قرآن تمام یکجا لکھا ہوا بھی نہ تھا تو اُس وقت میں اوّل تو قرآن کا تلاش کرنا پھر اُس سے صحیح نقل کرنا۔ خصوصاً اُس حالت جبکہ تحریر کے ایسے قواعد اور اس قدر سہولتیں بھی نہ تھیں جو آج ہیں۔ کس قدر مشکل کام ہے اور کس قدر اہتمام کو چاہتا ہے اور پھر تلاش کرنا اور ایسے لوگوں سے دریافت کرنا کہ جن میں بعض ایسے بھی ہونگے جو مدینہ سے باہر ہوں تو ایسی حالت میں اِس کے لئے کس قدر مدت کی ضرورت ہوگی۔ اور جبکہ اِس زمانہ میں بھی قرآن کے برابر کوئی ایسی کتاب جس میں تلاش اور صحت کی ضرورت ہو ایک شخص ایک سال یا ایک سال چھ مہینے میں نہیں لکھ سکتا۔ باوجودے کہ آج کل پہلے کے اعتبار سے بہت سامان ایسا مہیا ہے جس کی وجہ سے بہت آسانی ہوگئی ہے۔ تو تنہا زید کا اُس وقت میں اِتنی مدت میں لکھ دینا دنیا کے اُن واقعات میں سے ہے جن کو معجزہ کہتے ہیں کیونکہ ۱۲ھ ہجری یعنی جنگ یمامہ کے بعد سے جبکہ خلافت کے نو مہینے گزر چکے تھے۔ زید نے قرآن جمع کرنا شروع کیا اور خلیفہ اوّل ہی کے عہد میں اُسے پورا کرلیا تو یہ تمام کام ڈیڑھ سال میں ہوا اس لئے کہ خلافتِ صدیقی کا کل زمانہ دو سال تین مہینے ہیں۔ اب اُس سے نو مہینے نکالنے کے بعد ڈیڑھ سال رہ جاتا ہے۔

(۱۰) اُبی بن کعب تمام قراء قرآن کے سردار ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اَقْرَأُكُمْ اُبَیٌّ فرمایا یعنی صحابہ میں ابی تمام سے زیادہ قاری ہیں۔ خلیفہ دوم نے عام اعلان دے دیا تھا مَنْ اَرَادَ اَنْ یَسْأَلَ عَنِ الْقُرْاٰنِ فَلْیَاْتِ اُبَیًّا جو قرآن کے متعلق دریافت کرنا چاہے وہ اُبی سے پوچھے یعنی اُن سے زیادہ کوئی واقف نہیں۔ (حاکم ازالۃ ص۲۱۱ ج ۲)

اُبی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہی آپ کی اجازت سے قرآن کی تعلیم دیتے اور قرآن پڑھنے والوں کی جماعت کو رسولِ خدا ان کے متعلق کرتے۔ انھوں نے عہدِ نبوی میں تمام قرآن کو جمع

[۱] طبقات ابن سعد قسم ۲ ج ۲ ص۱۰۱

کیا تھا اور کاتبِ وحی بھی تھے۔ تعجب ہے کہ ان کی موجودگی میں زید تو اس کام کے لئے بُلائے گئے اور زید کا اس کے لئے انتخاب ہوا اور خلیفۂ اوّل نے اس کام کے لئے اُبی کو نہ بلایا حالانکہ یہ اُس وقت مدینہ میں تھے اور زید سے عمدہ اس کام کو انجام دے سکتے تھے۔ اور زید کے اعتبار سے اِس کے زیادہ مستحق تھے اور یہ نہیں تو یہ ضروری تھا کہ دونوں کو بُلایا جاتا اور دونوں کے متعلق یہ کام کیا جاتا۔ ان کے ہوتے ہوئے تنہا زید کے یہ کام سُپرد کرنا معمولی شخص سے بھی یہ بعید ہے۔ اور خلیفہ اوّل اور فاروقِ اعظم کی فراست اور دُور اندیشی سے تو نہایت ہی بعید ہے۔

(۱۱) عہدِ نبوی میں جب قرآن جمع نہیں کیا گیا تھا اور خلیفۂ اوّل ہی نے اسے جمع کرایا تھا تو جمع کرانے کے بعد خلیفۂ اوّل اور خلیفۂ ثانی پر ضروری تھا کہ تمام بلادِ اسلامیہ میں اس کی اشاعت کرتے اور اس کی نقلیں کرا کے ہر جگہ بھجواتے اور اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری تھا کہ مسلمان خود اس کی نقل کرتے اور تمام بلادِ اسلامیہ میں اِس طرح اس کی نقلیں موجود ہوتیں۔ کیونکہ تجربے اور مشاہدے سے یہ امر متیقن ہے کہ مفید اور ضروری کتاب کو ہر شخص نقل کرتا ہے اور اس طرح سے وہ ہر جگہ پہنچ جاتی ہے۔ چونکہ قرآن سے زیادہ مفید اور ضروری مسلمانوں کے نزدیک کوئی کتاب نہیں اس لئے یہ ضروری تھا کہ اس قرآن کی نقلیں تمام بلاد میں پھیل جاتیں۔ مگر کہیں تاریخ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کسی مسلمان نے اس کی نقل کی ہو یا خلیفہ نے اس کی نقل بھجوائی ہو۔ حالانکہ خلیفہ دوم نے اپنے عہد میں جابجا قرآن کے معلّم بھیجے اور اِس قدر اہتمام کیا کہ تمام عمال کے نام احکام جاری کردیئے کہ ہر سال اپنے اپنے یہاں سے اُن لوگوں کی فہرست بھیجا کریں جو قرآن پڑھیں تاکہ اُن کا بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا جائے اور دیگر بلادِ اسلامیہ میں انھیں معلّم بنا کر تعلیم کے لئے بھیجا جائے جس پر صرف ابوموسٰی اشعری نے اپنے یہاں سے تین سو سے زیادہ کے نام لکھ کر بھیجے۔ (کنز العمال ج ا ص۲۱۷)

ایک بار یزید بن ابی سفیان نے جو ملک شام میں خلیفہ دوم کی طرف سے گورنر تھے فاروقِ اعظمؓ کو لکھا کہ یہاں مسلمان بہت زیادہ ہوگئے ہیں اور ملک شام کے تمام شہر مسلمانوں سے معمور ہیں اس لئے اب اِس کی ضرورت ہے کہ آپ ایسے لوگوں کو یہاں بھیجیں جو انھیں قرآن کی تعلیم دیں اور مسائل بتائیں۔ خلیفہ نے اس پر انصار کے اُن پانچ شخصوں کو طلب کیا جنھوں نے عہدِ نبوی میں قرآن جمع کیا تھا۔ یعنی معاذ بن جبل، عبادۃ بن الصامت، اُبی بن کعب، ابوایوب، ابوالدرداء۔ اور اُن سے تمام واقعہ بیان کرکے کہا کہ تم سے تین کی مجھے ضرورت ہے تاکہ میں انھیں تعلیمِ قرآن کے لئے ملکِ شام میں بھیجوں۔ اب تم باہم قرعہ ڈالو جس کا نام نکلے وہ جائے۔ انھوں نے عرض کیا کہ قرعہ ڈالنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ابوایوب نہایت بوڑھے ضعیف ہیں اور اُبی بیمار ہیں اِس لئے یہ دونوں جا ہی نہیں سکتے۔ پس معاذ، عبادہ، ابوالدرداء روانہ کئے گئے۔ جن میں سے عبادہ حمص میں، ابوالدرداء دمشق میں

معاذ فلسطین میں گئے۔ طاعون عمواس میں معاذ کا انتقال ہو گیا۔ پھر عبادۃ اُن کی جگہ حمص سے فلسطین آ گئے اور پھر اُن کا انتقال بھی فلسطین میں ہوا اور ابوالدرداء دمشق ہی میں رہے اور وہاں ہی اُن کا انتقال ہوا۔ (کنز العمال ج ۱ صـ۲۸۱ طبقات نحیم ۲ ج ۲ صـ۲۱۴)

ابوموسیٰ اشعری جب بصرہ کے حاکم بنا کر یہاں بدل دئے گئے تو خلیفہ دوم نے اُن کے نام پروانہ بھیجا کہ قرآن کی تعلیم دو۔ پہلے سال ابوموسیٰ نے حسب قانون اپنے یہاں سے اُن کی فہرست بھیجی جنھوں نے قرآن پڑھا تھا اِس کو دیکھ کر خلیفہ نے خدا کی حمد کی۔ دوسرے سال ابوموسیٰ نے جو فہرست بھیجی اُس میں پہلے سے بھی زیادہ نام تھے۔ پھر تیسرے سال بھی فہرست روانہ کی۔ (کنز العمال ج۵ صـ۲۳۲)

ابوموسیٰ اشعری کہتے ہیں جب میں قرار بصرہ کے پاس گیا تو تین سو قاری میرے پاس وہ آئے جنھوں نے تمام قرآن پڑھا تھا۔ (مسلم ج ۱ صـ۳۳۹) ابوموسیٰ اشعری بصرہ سنہ ۲۰ھ میں گئے تھے ...۔

ابوسفیان کو جو قریش سے تھا اس پر مقرر کیا کہ تمام دیہات اور گاؤں میں دورہ کرے اور خانہ بدوش بدوؤں اور اُن کے لڑکوں کا قرآن میں امتحان لے اور قرآن سُنے۔ جس کو کچھ بھی قرآن یاد نہ ہو اُسے سزا دے۔ چنانچہ ابوسفیان اپنے اس دورے میں ایک بار قبیلہ بنی نبہان میں گئے۔ اور زید الخیل کے چچا زاد بھائی اَوس بن خالد کا امتحان لیا اس کو قرآن بالکل یاد نہ تھا۔ اس پر ابوسفیان نے اس کو اس طرح مارا کہ وہ مر گیا۔ (اغانی ج ۱۶ صـ۵۶)

اِس سے ثابت ہوا کہ حضرت عمر نے قرآن کی تعلیم جبری قائم کی اور شہر اور گاؤں دونوں میں مدارس قائم کئے جن کی نظیر آج بھی نہیں ہے۔

طبقات القراء میں ابوالدرداء کے حال میں ہے کہ ابوالدرداء صبح کی نماز سے فارغ ہوتے تو اسی وقت سے قرآن پڑھنے والوں کا ہجوم ہوتا۔ دس دس آدمیوں کی جماعت آپ جدا جدا قائم کرتے اور ہر جماعت پر ایک نگراں مقرر کرتے۔ جب کسی جماعت کا کوئی شخص غلطی کرتا تو اس جماعت کا نگراں اُسے بتاتا۔ اور اگر نگراں سے غلطی ہوتی تو ابوالدرداء اُسے خود بتلاتے۔ لیکن حفاظِ قرآن کی جماعت کی نگرانی براہِ راست ابوالدرداء کرتے۔ ایکبار آپ نے اپنے حلقۂ درس کے طلباء کی شمار کرائی تو ایک وقت میں سولہ سو سے کچھ زائد طلباء تھے۔ عبداللہ بن مسعود کو فاروقِ اعظم نے اہلِ کوفہ کی تعلیم کے لئے بھیجا۔ اسرار الانوار میں ہے۔ کوفہ میں ابن مسعود کے حلقۂ درس میں ایک وقت میں چار ہزار طلباء شریک ہوتے۔ جناب امیر جب کوفہ میں داخل ہوئے اور ابن مسعودؓ مع اپنے شاگردوں کی جماعت کے استقبال کے لئے باہر نکلے تو کوفہ کا تمام میدان بھر گیا اور جہاں تک نظر کام دیتی تھی طلبا ہی نظر آتے تھے۔ جناب امیر نے فرمایا۔ ابن مسعود نے کوفہ کو علم سے لبریز کر دیا۔ فاروقِ اعظم نے اپنے عہد میں تراویح کی جماعت کا رمضان میں حکم دیا جس کی وجہ سے ہر مسجد میں

ایک بار تو قرآن رمضان میں پڑھا جانے لگا۔ اور نیز خلیفہ دوم نے خاص لکھانے کے لئے مدرسے قائم کئے تھے۔ اور لکھانے کا اِس قدر اہتمام تھا کہ جو لڑکے کفار کے گرفتار ہو کر آتے وہ بھی ان مدرسوں میں داخل کئے جاتے۔ سُلیم ابو عامر کا بیان ہے کہ میں جب گرفتار ہو کر مدینہ آیا تو مجھے معلّم کے سپرد کیا گیا تا کہ وہ لکھنا سکھلائے۔ معلم نے مجھے میم لکھنے کو کہا۔ جب میں نے اُسے اچھی طرح سے نہ لکھا تو کہا کہ گائے کی آنکھ کی طرح گول لکھ۔ (معجم البلدان لغت حاضر)

تعجب ہے کہ خلیفہ دوم نے اشاعتِ قرآن میں سعی کا کوئی درجہ فرو گذاشت نہیں کیا اور اُس وقت کے مسلمانوں کے ذوق و شوق نے بھی طلب کے تمام منازل طے کر دیئے تھے۔ ایک حدیث کی طلب میں مہینوں کے راستے پیادہ پا بھوکے پیاسے طے کرتے۔ اور ناقابلِ برداشت مصائب کو بھی ان کے ذوق و شوق کے آگے شکست فاش اُٹھانی پڑتی لیکن وہ قرآن جو آسمانی کتاب تھی اور تمام خوبیوں اور اخلاق کا منبع تھی جس پر اُن کا ایمان تھا جس کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تو جمع نہیں کرایا اور خلیفہ اول نے جمع کرایا۔ مگر کسی نے اس جمع شدہ کی طرف توجہ نہ کی۔ کیا یہ بات کوئی موافق اور مخالف باور کر سکتا ہے کہ اس وقت کے مسلمان ایسی بے اعتنائی سے پیش آتے خصوصاً اُس حالت میں جبکہ آج بھی مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ قرآن کے متعلق اگر کسی کتاب کا مسلمان کو علم ہو کہ فلاں جگہ قرآن کے متعلق فلاں کتاب ہے تو اسے نقل کراتے ہیں خواہ اس میں ان کو جانی مالی قربانی کرنی پڑے۔ بلکہ دوسرے علم کے متعلق بھی مسلمانوں کی یہی کوشش ہے۔

ان واقعات سے ہر منصف سمجھ دار کے نزدیک یہ امر نہایت روشنی میں آجاتا ہے کہ قرآن آنحضرت کے عہد میں جمع تھا اور تمام بلادِ اسلامیہ میں وہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھا اِسی لئے انھیں اس کی واسطے کہیں طلب کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ اور نہ خلیفہ کو اس کی ضرورت تھی کہ وہ قرآن کی نقلیں بھیجے۔ ورنہ اگر قرآن جمع شدہ ہر جگہ نہ ملتا تو خلیفۂ دوم ضرور اس کی نقلیں بھجواتے اور یہ ناممکن تھا کہ وہ اِس طرف توجہ نہ کرتے۔ کیونکہ علاوہ اور باتوں کے اُس وقت تمام فیصلوں کا دار و مدار قرآن پر ہی تھا اور یہی قانون ملکی اور مذہبی تھا تو اس لئے بھی ہر حاکم اور ہر قاضی کے پاس اس کا ہونا ضروری تھا۔ اور جب کہ خلیفۂ اوّل اور دوم کی یہ عادت تھی کہ معمولی ہدایتیں اور احکام بھی لکھا کر عمال اور حاکموں کو دیتے تو کیا یہ ممکن تھا کہ اصل قانون ان کے ہمراہ نہ کیا جاتا اور پرگنہ، صوبہ، ملک اس سے خالی رہتا۔ چنانچہ اسی کو علامہ ابن حزم، کتاب الفصل میں لکھتے ہیں۔

مَاتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالْاِسْلَامُ قَدِ انْتَشَرَ وَظَھَرَ فِیْ جَمِیْعِ جَزِیْرَۃِ الْعَرَبِ مِنْ مُنْقَطَعِ الْبَحْرِ الْمَعْرُوْفِ بِبَحْرِ الْقُلْزُمِ مَارًّا اِلٰی سَوَاحِلِ الْیَمَنِ کُلِّھَا اِلٰی بَحْرِ فَارِسَ اِلٰی مُنْقَطَعِہٖ مَارًّا اِلَی الْفُرَاتِ ثُمَّ عَلٰی ضَفَّۃِ الْفُرَاتِ اِلٰی مُنْقَطَعِ الشَّامِ اِلٰی بَحْرِ الْقُلْزُمِ وَفِیْ ھٰذِہِ الْجَزِیْرَۃِ مِنَ

المدن والقرى ما لا يعرف عدده الا الله عز وجل كاليمن والبحرين وعمان ونجد وجبلي طي و بلاد مضر وربيعة وقضاعة والطائف ومكة كلهم قد اسلم وبنوا المساجد ليس منها مدينة ولا قرية ولا حلة الاعراب الا قد قرئ فيها القرآن في الصلوات وعلمه الصبيان والرجال والنساء وكتب ومات رسول الله صلى الله عليه والمسلمون كذلك ليس منهم اختلاف في شيء اصلا بل كلهم امة واحدة ودين واحد ومقالة واحدة ثم ولي ابو بكر سنتين وستة اشهر فغزى فارس والروم وفتح اليمامة وزادت قراءة الناس للقرآن وجمع الناس المصاحف كأبي وعمر وعثمان وعلي وزيد وابي زيد وابن مسعود وسائر الناس في البلاد فلم يبق بلد الا وفيه المصاحف ثم مات رضي الله عنه والمسلمون كما كانوا لا اختلاف بينهم في شيء اصلا امة واحدة ومقالة واحدة ثم مات ابو بكر وولي عمر ففتحت بلاد الفرس طولا وعرضا وفتحت الشام كلها والجزيرة ومصر كلها ولم يبق بلد الا وبنيت فيه المساجد ونسخت فيه المصاحف وقرأ الائمة القرآن وعلمه الصبيان في المكاتب شرقا وغربا وبقي كذلك عشرة اعوام واشهرا والمؤمنون كلهم لا اختلاف بينهم في شيء بل ملة واحدة ومقالة واحدة وان لم يكن عند المسلمين اذ مات عمر مائة الف مصحف من مصر الى العراق الى الشام الى اليمن فما بين ذلك فلم يكن اقل ثم ولي عثمان فزادت الفتوح واتسع الامر فلو رام احد احصاء مصاحف اهل الاسلام ما قدر وبقي كذلك اثنى عشر عاما حتى مات وبموته حصل الاختلاف۔

(ج ۲ صـ۷۶)

ترجمہ:۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو اس وقت تمام عرب کا جزیرہ مسلمان ہوگیا تھا جو مغرب میں بحرِ قلزم سے لے کر سواحلِ یمن سے گزرتا ہوا مشرق میں بحرِ فارس پر ختم ہوتا ہے اور بحرِ فارس سے دریائے فرات پر گذرتا ہوا شام کے کنارے بحرِ قلزم پر ختم ہوتا ہے۔ اور اس جزیرہ عرب میں اس قدر کثیر شہر اور مواضعات ہیں کہ جن کی شمار کا علم خدا ہی کو ہے۔ جیسے یمن، بحرین، عمان، نجد، قبیلہ طے کے ۲ دو پہاڑ۔ آجا، سلمے، قبائل مضر، ربیعہ، قضاعہ کے قصبات طائف مکہ، مدینہ غرضکہ یہ تمام جزیرہ مسلمان ہوگیا تھا اور اس میں کوئی شہر اور گاؤں اور آبادی ایسی نہ تھی جہاں مسجد نہ ہو اور ان تمام مسجدوں میں پانچوں وقت نماز میں قرآن پڑھا جاتا تھا اور مسلمان اپنے بچوں اور عورتوں اور مردوں کی قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ آنحضرت کی وفات کے وقت مسلمانوں میں کسی امر میں اختلاف نہ تھا۔ بلکہ تمام کا ایک مذہب ایک بات تھی۔ پھر حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے اور ڈھائی سال خلیفہ رہے۔ فارس اور روم سے جہاد کیا۔ یمامہ کو از سرِ نو فتح کیا اور اب قرآن کو جاننے والے اور زیادہ ہوگئے اور بہت سے لوگوں نے قرآن لکھا تھا جیسے اُبی، عثمان، عمر، علی، زید، ابوزید،

ابن مسعود اور دیگر بلادِ اسلامیہ میں اور بہت لوگ تھے جنھوں نے قرآن لکھا تھا۔ غرضکہ کوئی شہر مسلمانوں کا ایسا نہ تھا جس میں قرآن کے نسخے لکھے ہوئے نہ ہوں۔ پھر خلیفۂ اوّل کا انتقال ہوا اور مسلمانوں کی بدستور وہی حالت تھی یعنی ان میں کسی قسم کا اختلاف نہ تھا۔ پھر حضرت عمر خلیفہ ہوئے اور فارس، شام، جزیرہ اور مصر کو فتح کیا اور اُن تمام بلادِ اسلامیہ میں مسجدیں بنائی گئیں اور قرآن لکھے گئے اور بدستور قرآن پڑھایا جاتا تھا اور دس سال کچھ مہینے یہی حالت رہی کہ کسی میں کچھ اختلاف نہ تھا۔ تمام کا ایک مذہب ایک خیال تھا اور عہدِ عمر میں ایک لاکھ سے کم نسخے قرآن کے مسلمانوں کے پاس نہ ہوں گے۔ پھر حضرت عمر کا انتقال ہوا اور حضرت عثمان خلیفہ ہوئے اور فتوحاتِ اسلام بہت زیادہ ہوئیں اور اسی کے ساتھ تمام باتوں میں زیادتی ہوئی۔ مثلاً قرآن، مساجد وغیرہ پہلے سے اور زیادہ ہوئیں اور اس زمانہ میں قرآن کے اِس قدر نسخے لکھے گئے اور مسلمانوں کے پاس موجود تھے کہ ان کی شمار دشوار تھی اور یہی حالت اتفاق کی بارہ سال رہی۔ جب حضرت عثمان کا انتقال ہوا اُسی وقت سے اختلاف شروع ہوا"۔

اب میں اس حدیث زہری پر دو طرح سے غور کرتا ہوں۔ اول اس حدیث کی سند میں دوسرے اِس کے مضمون اور معانی پر۔

زہری کی حدیث کی سند

اِس میں شک نہیں کہ محدثین نے باتفاق اِس حدیث کو صحیح مانا ہے اور اسی وجہ سے بخاری ترمذی وغیرہ حدیث کی کتابوں میں یہ حدیث ہے۔ اِس روایت کا راوی تنہا زہری ہے۔ زہری کے سوا کسی نے اسے روایت نہیں کیا البتہ زہری سے چند نے اِسے روایت کیا ہے اِس لئے یہ روایت محدثین کے یہاں خبر آحاد سے ہے۔ یعنی وہ روایت جس کا راوی کسی مرتبہ میں محض ایک ہی ہو۔ زہری اگرچہ محدثین کے یہاں نہایت معتبر قابلِ وثوق اور راستباز اور امین ہے اور تمام کتبِ صحاح میں اس کی روایت ہے لیکن اِسی کے ساتھ یہ مُدرِج تھا[1] یعنی اپنے کلام کو حدیث میں اس طرح مِلا کر بیان کر دیتا تھا کہ سُننے والے کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ

امام ابوالحارث لیث بن سعد کی وفات ۱۷۵ھ میں ہوئی ہے۔ یہ مصر کے امام اور امام دارالہجرہ مالک بن انس کے ہم سبق اور رفیق و صدیق تھے۔ انھوں نے امام مالک کو ایک مکتوب ارسال کیا ہے۔ مکتوب کیا ہے ایک بیش قیمت علمی وثیقہ ہے' علماءِ اعلام نے اپنی تالیفات میں اس کو محفوظ کیا ہے۔ علامہ ابن قیم نے کتاب اِعْلَامُ الْمُوَقِّعِیْن عَنْ رَبِّ الْعَالَمِیْن میں (حصہ سوم کے صفحہ ۲، سے ۷۷ تک) اور علامہ محمد بک الخضری نے تاریخ التشریع الاسلامی میں (صفحہ ۱۸۹ سے ۱۹۶ تک) نقل کیا ہے۔ اس مکتوب میں امام لیث نے اپنے استاد امام زہری کے متعلق جو انکشاف کیا ہے انہی کے الفاظ سے نقل کرتا ہوں' لکھا ہے:-

"وَکَانَ یَکُوْنُ مِنْ اِبْنِ شِہَابٍ اِخْتِلَافٌ کَثِیْرٌ اِذَا لَقِیْنَاہُ وَاِذَا کَاتَبَہٗ بَعْضُنَا، فَرُبَّمَا کَتَبَ اِلَیْہِ فِی الشَّیْءِ الْوَاحِدِ عَلٰی فَضْلِ رَأْیِہٖ وَعِلْمِہٖ بِثَلَاثَۃِ اَنْوَاعٍ، یَنْقُضُ بَعْضُہَا بَعْضًا وَلَا یَشْعُرُ بِالَّذِیْ

(باقی اگلے صفحہ پر)

بھی حدیث ہے۔ اور دونوں میں کوئی فرق نہیں رکھتا تھا۔ چنانچہ اصولِ حدیث کی کتابوں میں زہری کے متعلق اس کو لکھتے ہیں۔ المعتصر من المختصر صفحہ ۱۲۵ میں ہے۔ وَيَحْتَمِلُ اَنْ يَكُوْنَ مِنْ كَلَامِ الزُّهْرِيِّ فَاِنَّهٗ كَانَ يَخْلُطُ كَلَامَهٗ بِالْحَدِيْثِ وَلِذٰلِكَ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى بْنُ عُقْبَةَ اِفْصِلْ كَلَامَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ كَلَامِكَ۔ اور شاید یہ زہری کا اپنا کلام ہو نہ حدیث کیونکہ زہری کی یہ عادت تھی کہ وہ حدیث میں اپنا کلام بھی ملا دیتے تھے۔ اسی واسطے موسیٰ نے زہری سے کہا کہ۔ حدیث سے اپنے کلام کو علیحدہ رکھو ملایا نہ کرو، تو ایسی حالت میں یہ فیصلہ مشکل ہے کہ اصل واقعہ کس قدر ہے اور امام زہری نے اپنی طرف سے بھی کوئی تشریح کی ہے یا نہیں۔ اس کے سوا بھی چونکہ یہ ایک شخص تنہا زہری کا بیان ہے اور ایک ایسے امر کے خلاف ہے جو تواتر سے ثابت ہے اور تمام اہلِ اسلام کا اس پر اتفاق ہے تو اس لئے یہ اُن کثیر شہادتوں کے مقابلہ میں نہیں مانا جا سکتا۔ جیسا مسلمانوں کا عام اصول ہے کہ خبر احاد امر یقینی کے مقابلہ میں ہرگز لائق وثوق نہیں ہے۔ اور ممکن ہے کہ یہاں کسی راوی سے بیان میں غلطی ہوئی ہو۔ بہر حال تنہا زہری کی روایت سے ہم اُن روایات کو نہیں چھوڑ سکتے جن سے ثابت ہے کہ بہت سے لوگوں نے آنحضرتؐ کے عہد میں قرآن جمع کیا تھا۔

زہری کے بیان میں اختلاف

زہری کی اِس روایت میں اضطراب یعنی اختلاف ہے میں یہاں زہری کی اُنھیں روایتوں کا اختلاف دکھاتا ہوں جو بخاری میں زہری سے ہے۔ اِس حدیث کی زہری سے جس قدر روایتیں ہیں چونکہ اُن میں صحیح اور معتبر بخاری کی سندیں ہیں اس لئے اِن سندوں کے اختلاف سے ناظرین خود فیصلہ کر سکیں گے کہ یہ حدیث کہاں تک وثوق کے قابل ہے۔ بخاری کی کتاب الاحکام میں ابن شہاب زہری سے ابراہیم بن سعد نے روایت کی ہے۔

بخاری میں سورۂ براۃ کی تفسیر میں اسی روایت کے زہری سے شعیب راوی ہے لیکن زہری کے اِن دونوں شاگردوں کی روایت میں یہ اختلاف ہے۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

مَضٰى مِنْ رَأْيِهٖ فِيْ ذٰلِكَ، فَهٰذَا الَّذِيْ يَدْعُوْنِيْ اِلٰى تَرْكِ مَا اَنْكَرْتَ تَرْكِيْ اِيَّاهُ" الخ

ابن شہاب زہری کا مسائل میں بہت اختلاف ہوا کرتا تھا، جب ہم ان سے زبانی پوچھتے یا ہم میں سے کوئی لکھ کر اُن سے روایت کرتا تو۔ باوجود فضیلتِ رائے اور علم کے ایک ہی شے کے متعلق اُن کا جواب تین قسم کا ہوا کرتا تھا اور ایک دوسرے کا ضد۔ اُن کو اس کا احساس نہیں ہوا کرتا تھا کہ پہلے کیا لکھ چکے ہیں اور ان کی کیا رائے تھی۔ میں نے ایسے ہی منکر اقوال کی وجہ سے اُن کو چھوڑا تھا جس کو تم نے پسند نہ کیا تھا۔"

مکتوب از اوّل تا آخر شایانِ مطالعہ ہے ابوالحسن زید عفی اللہ عنہ

ابراہیم کی زہری سے روایت	شعیب کی زہری سے روایت
قَدِ اسْتَحَرَّ یَوْمَ الْیَمَامَۃِ بِقُرَّاءِ الْقُرْاٰنِ۔ معرکہ یمامہ میں بہت قاریٔ قرآن شہید ہوئے	(۱) قَدِ اسْتَحَرَّ یَوْمَ الْیَمَامَۃِ بِالنَّاسِ معرکہ یمامہ میں بہت لوگ کام آئے
مِنَ الْعُسُبِ وَالرِّقَاعِ وَاللِّخَافِ وَصُدُوْرِ الرِّجَالِ۔	(۲) من الرِّقَاعِ وَالْاَکْتَافِ وَالْعُسُبِ وَ صُدُوْرِ الرِّجَالِ۔

ابراہیم کی روایت میں بجائے اکتاف کے لخاف ہے۔

ابراہیم کی زہری سے روایت	شعیب کی زہری سے روایت
فَوَجَدْتُ اٰخِرَ سُوْرَۃِ التَّوْبَۃِ	(۳) حَتّٰی وَجَدْتُ مِنْ سُوْرَۃِ التَّوْبَۃِ اٰیَتَیْنِ
مَعَ خُزَیْمَۃَ اَوْ اَبِیْ خُزَیْمَۃَ	(۴) مَعَ خُزَیْمَۃَ الْاَنْصَارِیِّ
اس کی روایت میں یہ لفظ نہیں	(۵) لَمْ اَجِدْھُمَا مَعَ اَحَدٍ غَیْرِہٖ
اس کی روایت میں یہ نہیں	(۶) فَاَلْحَقْتُھَا فِیْ سُوْرَتِھَا

زہری کی روایت کا واقعات اور دوسری صحیح روایتوں کے خلاف ہونا

(۱) تاریخ اور صحیح روایات بلکہ خود بخاری کی روایت سے ثابت ہے کہ زید نے آنحضرتؐ کے عہد میں قرآن جمع کیا تھا۔ معارف ابن قتیبہ میں ہے۔ زید نے تمام قرآن لکھا تھا اور اس قرآن کو اخیر میں آنحضرتؐ کو تمام وکمال سُنایا تھا۔ اس قرآن کی ترتیب وہی تھی جو آج بھی قرآن کی ہے۔ ترمذی میں زید سے ہے کہ ہم نے آنحضرتؐ کے رُوبرو ہی قرآن کو جمع کیا تھا اور نیز تمام محدثین کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ زید قرآن کے حافظ تھے اور پُورا قرآن آپ کو یاد تھا۔ خلیفۂ اوّل نے جب زید کو جمع قرآن کا حکم دیا اور یہ فرمایا کہ اسے تلاش کرکے لکھو تو اس وقت زید کا جواب یہ ہونا چاہیئے تھا کہ قرآن جمع شدہ ہمارے پاس موجود ہے اور مجھے یاد ہے اُس کی تلاش کی ضرورت نہیں۔ باوجود زید کے حافظ اور جامع قرآن ہونے کے جو متعدد روایات سے ثابت ہے اور تمام مورخین اس پر متفق ہیں۔ تمام کتبِ رجال اس کی شاہد ہیں جس کے خلاف میں ضعیف سی بھی روایت اور قول نہیں۔ پھر زید کا قرآن کو تلاش سے لکھنا جیسا اس روایت سے ثابت ہوتا ہے ایک ایسا امر ہے جس کے باور کرنے کے لئے کوئی ضعیف سی ایسی وجہ بھی نہیں کہی جاسکتی جس کو کوئی فہمیدہ انسان صحیح مان سکے۔ چنانچہ علامہ ابن عبدالبر نے بھی استیعاب میں زہری کی روایت کی اس مخالفت کو بیان کیا ہے میں یہاں اس مخالفت کو انھیں کے الفاظ میں لکھتا ہوں۔

وَاَمَّا حَدِیْثُ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ زَیْدَ بْنَ ثَابِتٍ اَحَدُ الَّذِیْنَ جَمَعُوا الْقُرْاٰنَ عَلٰی عَھْدِ

رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَصِحِیْحٌ وَقَدْ عَارَضَہٗ قَوْمٌ بِحَدِیْثِ اِبْنِ شِہَابٍ عَنْ عُبَیْدِ بْنِ السَّبَّاقِ عَنْ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ اَبَا بَکْرٍ اَمَرَہٗ فِیْ حِیْنِ مَقْتَلِ الْقُرَّاءِ بِالْیَمَامَۃِ بِجَمْعِ الْقُرْاٰنِ قَالَ فَجَمَعْتُ الْقُرْاٰنَ مِنَ الرِّقَاعِ وَالْعُسُبِ وَصُدُوْرِ الرِّجَالِ حَتّٰی وَجَدْتُ اٰخِرَ اٰیَۃٍ مِنْ تَوْبَۃٍ مَعَ رَجُلٍ یُقَالُ لَہٗ خُزَیْمَۃُ اَوْ اَبُوْ خُزَیْمَۃَ قَالُوْا فَلَوْ کَانَ زَیْدٌ قَدْ جَمَعَ الْقُرْاٰنَ عَلٰی عَہْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَاَمْلَاہُ مِنْ صَدْرِہٖ وَمَا احْتَاجَ اِلٰی مَا ذَکَرَہٗ۔ (استیعاب جلد اول ص۱۹۴)

مجھے صرف یہاں اِس قدر کہنا ہے کہ زید کا حافظ ہونا اور تمام قرآن کا آنحضرت کی حیات میں لکھنا صحیح روایتوں سے معلوم ہے۔ چنانچہ ابن عبدالبر کو بھی اِس کا اقرار ہے تو زید اگر خلیفۂ اول کے عہد میں جمع قرآن کی خدمت پر مامور ہوتے تو اپنی یاد اور اپنے قرآن سے لکھتے نہ کہ دوسری اشیاء سے۔ اور نہ زید وہ عذر کرتے جو اس حدیث میں زید کی طرف نسبت کیا گیا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ روایت یا تو بے اصل ہے، یا درمیان کے راویوں کے بیان کی غلطی ہے۔ ممکن ہے کہ زید کے پاس چونکہ ایسا لکھا ہوا قرآن تھا جس کو آخر میں اُنھوں نے آنحضرتؐ کو سُنایا تھا۔ اِس لئے خلیفۂ اوّل نے اِس کی کوئی نقل اپنے لئے کرائی ہوا ور زید نے اُسے حضرت ابوبکر کے لئے نقل کیا ہو جیسا کنزالعمال کی ایک حدیث سے بھی اِس کا پتہ چلتا ہے لیکن رواۃ نے اپنی غلطی سے اِس واقعہ کو کچھ کا کچھ کر دیا۔ اور راوی حدیث چونکہ انسان تھے اور انسان بھی وہ جو نبی نہ تھے، اِس لئے اُن سے وہم و خطا کا ہونا بعید نہیں۔ جیسا علامہ ابنِ حزم کتاب الفصل میں لکھتے ہیں:۔

وَاَمَّا قَوْلُہُمْ اَنَّہٗ قَدْ رُوِیَ بِاَسَانِیْدَ صِحَاحٍ عَنْ طَائِفَۃٍ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَمِنَ التَّابِعِیْنَ الَّذِیْ نُعَظِّمُ وَنَاْخُذُ دِیْنَنَا عَنْہُمْ اَنَّہُمْ قَرَءُوْا فِی الْقُرْاٰنِ قِرَآتٍ لَا نَسْتَحِلُّ نَحْنُ الْقِرَاءَۃَ بِہَا فَہٰذَا حَقٌّ وَنَحْنُ وَاِنْ بَلَغْنَا الْغَایَۃَ فِیْ تَعْظِیْمِ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رِضْوَانُ اللّٰہِ عَلَیْہِمْ وَتَقَرَّبْنَا اِلَی اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ بِمَحَبَّتِہِمْ فَلَسْنَا نُبْعِدُ عَنْہُمُ الْوَہْمَ وَالْخَطَاءَ وَلَا نُقَلِّدُہُمْ فِیْ شَیْءٍ مِمَّا قَالُوْہٗ۔ (ج ۲ ص۷۶)

ترجمہ:۔ اور لوگوں کا یہ خیال کہ نہایت صحیح سندوں سے صحابہ اور تابعین سے ایسی قرأۃ قرآن میں مروی ہیں جن کا پڑھنا دُرست نہیں۔ اِس میں شک نہیں کہ یہ خیال صحیح ہے اور صحابہ رضوان اللہ علیہم کی تمام مسلمان بے انتہا عزّت و تعظیم کرتے ہیں اور اُن کی محبت کو باعثِ نجات سمجھتے ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ ہم انھیں وہم، نسیان، خطا سے معصوم نہیں جانتے۔ اُن سے اِس قسم کے امُور ممکن ہیں۔

(۲) بخاری اور نیز دیگر روایات سے ثابت ہے کہ آنحضرتؐ کی حیاتِ مبارک میں بہت سے صحابہ نے قرآن جمع کیا تھا۔ چنانچہ اُن میں چار کے نام تو بخاری ہی نے انس کی روایت سے نقل کئے

ہیں۔ اور ایک طویل فہرست پہلے میں بھی ان کے ناموں کی دے چکا ہوں۔ علامہ ابن سعد نے بھی طبقات قسم ثانی ج ۲ صـ۱۱۲ میں بعض ایسے صحابہ کے نام شمار کئے جنھوں نے آنحضرتؐ کی زندگی میں پورا قرآن جمع کیا تھا چنانچہ میں یہاں اُن کی عبارت لکھتا ہوں:۔

عَنْ عَامِرِ الشَّعْبِيِّ قَالَ جَمَعَ الْقُرْاٰنَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةُ رَهْطٍ مِنَ الْاَنْصَارِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَاُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَاَبُو الدَّرْدَاءِ وَاَبُوْ زَيْدٍ وَسَعْدُ بْنُ عُبَيْدٍ قَالَ قَدْ كَانَ بَقِيَ عَلَى الْمُجَمِّعِ بْنِ جَارِيَةَ سُوْرَةٌ اَوْ سُوْرَتَانِ حِيْنَ قُبِضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ:۔ حافظ ابن سعد طبقات میں علامہ شعبی اور محمد بن سیرین اور محمد بن کعب کی روایت سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے عہد مبارک میں انصار میں سے چھ افراد معاذ بن جبل، اُبی بن کعب، زیدؓ بن ثابت، ابوؓالدرداء، ابوؓزید، سعدؓ بن عبید نے پورا قرآن جمع کیا تھا۔ البتہ مجمع بن جاریہ کو دو سورت یا ایک سورت جمع کرنے کو باقی تھی جو آنحضرت کا انتقال ہوگیا۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ جَمَعَ الْقُرْاٰنَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَعُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ وَتَمِيْمُ الدَّارِيُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ الْقُرَظِيِّ قَالَ جَمَعَ الْقُرْاٰنَ فِيْ زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسَةٌ مِنَ الْاَنْصَارِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ اَبُوْ اَيُّوْبَ اَبُو الدَّرْدَاءِ۔

اب جبکہ یہ امر ثابت ہے کہ آنحضرت کے عہد ہی میں قرآن جمع ہوگیا تھا اور بہت سے صحابہؓ نے اسے جمع کیا تھا۔ تو پھر حضرت عمر کا حضرت ابوبکر سے یہ کہنا اِنِّیْ اَرٰی اَنْ تَاْمُرَ بِجَمْعِ الْقُرْاٰنِ یعنی میری رائے ہے کہ آپ قرآن کے جمع کرنے کو فرمایئے۔ اور اس کے جواب میں حضرت ابوبکر کا یوں فرمانا کَیْفَ تَفْعَلُ شَیْئًا لَمْ یَفْعَلْہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ جو کام آنحضرتؐ نے نہیں کیا وہ تو کیونکر کرے گا، کیونکر صحیح ہوگا۔ اور یہ بات غلط ہے یا نہیں۔

(۳) سالم مولیٰ ابوحذیفہ کے سوا مشہور قراء سے کوئی قاری اس جنگ میں شہید نہیں ہوا۔ اور عام اُن مسلمانوں کی تعداد جو اس جنگ میں شہید ہوئے۔ چودہ سو تک بیان کی جاتی ہے جن میں چھ سو مہاجرین اور انصار ہیں۔ یہ تعداد اُس وقت کے مسلمانوں کے لحاظ سے کچھ بھی زیادہ نہیں ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حجۃ الوداع میں جبکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمان تھے تو اگر یہی مان لیا جائے کہ اُس وقت تمام مسلمان اسی قدر تھے۔ گو کہ یہ امر کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ مگر اس پر بھی چودہ سو مسلمان اس تعداد کے مقابلہ میں کسی شمار میں نہیں آسکتے اور اس واقعہ میں جو ستر قراء کی شہادت بیان کی جاتی ہے اُن کے متعلق محدثین اور مورخین کا یہی بیان ہے کہ اُن میں سے ہر ایک پورے قرآن کا حافظ نہ تھا بلکہ قرآن کے کچھ اجزاء اُن کو یاد تھے۔

قاری قرآن کے اگر یہی معنی ہوں تو پھر مہاجر اور انصار سے جو اس میں شہید ہوئے وہ سب قاری تھے۔ کیونکہ مسلمانوں میں خصوصًا اُس عہد میں کوئی بد قسمت مسلمان بھی ایسا نہ ہوگا جسے قرآن کچھ بھی یاد نہ ہو تو اب زید بن ثابت کا اس روایت میں یہ کہنا کہ اِنَّ الْقَتْلَ قَدِ اسْتَحَرَّ يَوْمَ الْيَمَامَةِ بِقُرَّاءِ الْقُرْآنِ ہر اعتبار سے غلط ہوگا کیونکہ قاری قرآن کے اگر یہ معنی ہوں کہ جسے پورا قرآن یاد تھا تو وہ بھی اس لڑائی میں سالم مولی ابی حذیفہ کے سوا کوئی شہید نہیں ہوا۔ اور اگر قاری قرآن کے یہ معنی ہوں جسے قرآن کا کچھ حصہ یاد ہو خواہ وہ ایک دو سورت ہی ہوں تو اس معنی کی رُو سے تمام مسلمان قاری قرآن تھے۔ اور جزیرہ عرب میں جس قدر مسلمان تھے وہ تمام ہی قاری تھے۔ پھر اُن کی تعداد کے اعتبار سے بھی چودہ سو مسلمان کچھ زیادہ نہ تھے۔ اور اگر کہا جائے کہ مشہور قراء سے تو سالم ہی شہید ہوئے لیکن ان کے سوا اور بھی پورے قرآن کے حافظ اس لڑائی میں ایسے شہید ہوئے جو مشہور نہ تھے۔ تو اس صورت میں اصل واقعہ روشنی میں آجائے گا۔ یعنی صحابہ میں بہت سے صحابی قرآن کے حافظ تھے۔ مگر اس پر بھی اس تعداد کا زیادہ ہونا مشکل ہے۔ بہر حال یہ بیان واقعات کے بالکل خلاف ہے۔

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ اُمّی تھے اس لئے آپ کو اس کی ضرورت نہ تھی کہ قرآن لکھا کر اپنے پاس رکھتے۔ البتہ صحابہ کو پورا قرآن حرف بحرف لکھایا اور اس لکھانے کا نہایت اہتمام کیا اور اکثر صحابہ نے آپ کے عہد میں آپ سے پُورا قرآن لکھ کر جمع کیا۔ تو اب خلیفہ دوم کا جمع کے لئے شورہ دینا ایسا امر نہ تھا جس میں خلیفہ اوّل اور زید کو تامّل ہوا اور مباحثہ کی نوبت آئی۔ اور حضرت عمر سے یہ فرمایا۔ كَيْفَ تَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ کیا آنحضرتؐ نے قرآن لکھنے کا حکم نہیں دیا۔ کیا آپ کے عہد میں لکھ کر قرآن نہیں پڑھایا جاتا تھا؟ کیا خلیفہ اوّل اور زید اس سے ناواقف تھے؟ کیا اِس کا صاف اور صحیح جواب صرف یہی نہ تھا کہ بلاشبہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن جمع کرایا۔ اور آپ کے امر سے صحابہ نے لکھا۔ اِس کے علاوہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن جمع نہیں کرایا۔ تو کیا حفاظت کے لئے جمع کرانا ایسا امر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منشاء کے خلاف ہو۔ کیا خود آنحضرت ایسے امور کو نہیں لکھاتے تھے جن کا استحفاظ اور اہتمام مقصود ہوتا تھا۔ ابوشاہ صحابی نے فتح مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ سُن کر جب آپ کی خدمت میں یہ درخواست کی کہ اِسے لکھا دیجئے تو کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا اُكْتُبُوْا لِاَبِىْ شَاهٍ یعنی ابوشاہ کو لکھ دو۔ قَالَ اَبُوْدَاؤُدَ: فَكَتَبُوْا لِي يَعْنِي خُطْبَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ یعنی ابوشاہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ لکھانے کی درخواست کی (ابوداؤد) کتاب الدیات۔ اور کیا حضرت ابوبکر خود اپنے عمال کو ہدایت نہیں لکھا دیتے تھے۔ اور کیا آنحضرتؐ نے قرآن کے لکھنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ اور کیا حضرت عبداللہ بن عمرو نے جب

حدیثوں کے ضائع ہونے اور اپنے بھول جانے کی شکایت کی تو آنحضرتؐ نے انھیں لکھنے کا حکم نہیں دیا۔ پھر کیا ابوبکر ان تمام واقعات سے ناواقف تھے۔ یَاَلْلعَجَبُ۔

یہ سوال وجواب بجائے خود اس واقعہ کے بے اصل ہونے کے لئے قوی شہادت ہے۔ اور جوامر کہ عام اتفاق سے ثابت ہے۔ اور آفتاب سے زیادہ روشن ہے اس پر غبار ڈالنا اور چھپانا ناممکن ہے۔

(۵) خلیفہ اوّل نے یہ قرآن اگر لکھایا ہوگا تو بیت المال کے روپے سے لکھایا ہوگا۔ کیوں کہ خلافت سے چھ مہینے بعد خلیفہ کے مصارف کا مکتفل بیت المال کیا گیا تھا اور بیت المال سے وہ اپنے ضروری مصارف خورونوش کے مطابق لیتے تھے۔ جیساکہ خلیفہ اول کے حالات میں مورخین لکھتے ہیں۔ اور نیز اس واقعہ سے بھی اس کا پورا ثبوت ملتا ہے کہ آپ کی بی بی نے ایک روز جب شیرینی کی فرمائش کی تو جواب دیا کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ بی بی نے کہا۔ اجازت ہو تو روزمرہ کے صرف سے کچھ بچاکر جمع کرلوں۔ فرمایا بہتر۔ کچھ روز میں چند پیسے جمع کر کے دیئے۔ اور کہا مٹھائی لادو۔ خلیفہ نے پیسے لے کر فرمایا کہ یہ خرچ ضروری سے زیادہ ہیں لہٰذا بیت المال کے ہیں اور بیت المال میں جمع کر کے اپنے وظیفہ سے اسی قدر کم کر دیا۔

اِس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ خلیفہ کے پاس اپنا ذاتی سامان کیا تھا اور بیت المال میں انھیں کس قدر احتیاط تھی۔ اِس لئے یہ ضروری ہے کہ اِس قرآن کے مصارف بیت المال سے ادا کئے گئے ہوں گے۔ اور یہ قرآن چونکہ بیت المال کا حق تھا اِسی لئے یہ ان کی وفات کے بعد خلیفۂ اوّل کے ورثا کو نہیں دیا گیا بلکہ بیت المال میں رہا۔ اور خلیفہ دوم کے پاس پہنچا۔ اگر خلیفہ اول کا اپنا ہوتا تو ضرور ان کے ورثا کو ملتا۔ لیکن یہاں دو باتیں اس واقعہ کو غلط ٹھیراتی ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ خلیفۂ اوّل نے بیت المال کی جو اشیاء چھوڑیں اور وہ خلیفہ دوم کو سپرد کی گئیں۔ اُن کی فہرست میں اِس قرآن کا نام نہیں ہے اور خلیفۂ اوّل نے جن چیزوں کے سپرد کرنے کو فرمایا تھا اس میں اِس کا نام نہیں لیا۔ تاریخ الخلفاء میں ہے۔

قَالَ اَبُوْبَكْرٍ لَمَّا احْتُضِرَ لِعَائِشَةَ يَا بُنَيَّةُ اِنَّا وُلِّيْنَا اَمْرَ الْمُسْلِمِيْنَ فَلَمْ نَاْخُذْ لَنَا دِيْنَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَلٰكِنْ اَكَلْنَا مِنْ جَرِيْشِ طَعَامِهِمْ فِيْ بُطُوْنِنَا وَلَبِسْنَا مِنْ خُشْنِ ثِيَابِهِمْ عَلٰى ظُهُوْرِنَا وَاِنَّهٗ لَمْ يَبْقَ لَنَا عِنْدَنَا مِنْ فَيْءِ الْمُسْلِمِيْنَ قَلِيْلٌ وَلَا كَثِيْرٌ اِلَّا هٰذَا الْعَبْدُ الْحَبَشِيُّ وَهٰذَا الْبَعِيْرُ النَّاضِحُ وَجَرْدُ هٰذِهِ الْقَطِيْفَةِ فَاِذَا مِتُّ فَابْعَثِيْ بِهِنَّ اِلٰى عُمَرَ۔

ترجمہ: حضرت ابوبکر نے نزع کے وقت فرمایا کہ اے بیٹی میں خلیفہ بنایا گیا۔ میں نے بیت المال سے روپیہ نہیں لیا مگر بقدر موٹا کھانے اور موٹا پہننے کے اور اب میرے پاس بیت المال کا سوا اِس

غلام حبشی اور پانی لانے کی اونٹنی اور اس پرانی چادر کے کچھ نہیں۔ میرے بعد اس کو عمر کے پاس بھیجدینا۔
اگر واقعی کوئی قرآن بیت المال کے صرف سے اِس اہتمام سے لکھا گیا تھا تو بیت المال کی فہرست میں اس کا نام ضروری ہوتا۔ اور خلیفہ اول اِس کے سپرد کرنے کو اہتمام سے فرماتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ خلیفہ دوم کے بعد یہ قرآن خلیفہ سوم کی تحویل میں ہونا چاہیئے تھا نہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس۔ کیونکہ یہ خلیفہ کی اپنی ذاتی مِلک نہ تھی۔ اب بعید نہیں بلکہ یہ امر نہایت قریب تر ہے کہ احتمالات اور امکانات کے ورطہ میں غوطہ لگانے والے جدت آفرینی کی یوں داد دیں کہ یہ قرآن خلیفہ اوّل کا ذاتی تھا۔ اپنے خاص روپے سے لکھا یا تھا۔ اور خلیفہ دوم کو آخر وقت میں انھوں نے ہبہ کر دیا تھا اور بیت المال کا نہ تھا۔ تاکہ خلیفہ دوم کی وفات کے بعد خلیفہ سوم کی نگرانی میں پہنچتا۔ اُن کی اِس جدّت اور نکتہ آفرینی کی میں بھی دل سے قدر کرنے کو اور داد دینے کو تیار ہوں۔ مگر وہ ہبہ نامہ جس کی رُو سے یہ ہبہ ثابت کیا جائے اگر کسی سند میں دکھائیں اور خلیفۂ اول کی آمدنی میں اِس قدر قوت اور زور دکھائیں جو اس بار کی متحمل ہو سکے تو البتہ قابل تسلیم ہے اور بلا اس کے یہ خیال آفرینی واقعیت کی سطح پر رُونما نہیں ہو سکتی بلکہ تاریخ سے تو یہ ثابت ہے کہ نہ خلیفہ اول کے پاس اپنا ذاتی اِس قدر مال تھا جس سے قرآن لکھاتے اور بیت المال سے اپنے مصارف کے لئے جو کچھ وہ لیتے تھے اُس میں نہ اِس کی گنجائش تھی۔ الغرض اِس قرآن کے لکھانے کی دو ہی صورت ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس صحیفہ وغیرہ کی قیمت خلیفہ اول اپنے پاس سے صرف کریں دوسرے یہ کہ بیت المال سے دیں۔ اور واقعات اِن دونوں صورتوں کے مخالف ہیں۔

(۵) اِس روایت میں یہ کہنا کہ سورہ برارۃ کا آخر ابو خزیمہ انصاری کے بِرا کسی دوسرے کے پاس نہ تھا ایک ایسی پہیلی اور چیستان ہے جس کی گرہ کشائی ناممکن ہے۔ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ سورۂ برارۃ پوری ایک وقت میں کامل آخر زمانہ میں نازل ہوئی۔ جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع میں پڑھا۔ حضرت علی رضؓ نے نویں سال حج میں تین مقامات میں یعنی عرفہ منیٰ یا مکہ میں لوگوں کو تمام و کمال سنایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے یاد کرنے کا خاص حکم دیا۔ زید کو تمام قرآن یاد تھا اور لکھا ہوا تھا۔ ابی بن کعب کے پاس بھی تمام قرآن لکھا ہوا اور یاد تھا۔
حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو سورۂ برارۃ یاد تھی۔ چنانچہ انھوں نے مکہ میں جا کر سُنائی اور زید کے قرآن لکھنے کے وقت یہ لوگ مدینہ میں موجود تھے۔ پھر اب زید کا یہ کہنا کہ ابو خزیمہ کے سوا کسی کے پاس یہ آیت نہ تھی وہ بات ہے جس کے ماننے کے لئے کسی طرح کوئی مسلمان تیار نہیں ہو سکتا۔
الحاصل زہری کی اِس روایت میں چھ امر تو ایسے ہیں جو واقعات کی رُو سے سچائی کے معیار

میں صحیح نہیں اُترتے اور وہ بالکل غلط ہیں۔

(۱) جنگِ یمامہ میں بہت سے قرآن کے قاری شہید ہوئے۔

(۲) زید نے آنحضرتؐ کی حیات میں قرآن جمع نہیں کیا تھا۔

(۳) زید پورے قرآن کے حافظ نہ تھے۔

(۴) آنحضرت نے پورا قرآن جمع نہیں کرایا تھا۔

(۵) حضرت عثمان نے آنحضرتؐ کے عہد میں قرآن جمع نہیں کیا تھا۔

(۶) ابوخزیمہ انصاری کے سوا کسی کے پاس سورۂ برارۃ کا آخر لکھا ہوا نہ تھا۔ اور سات باتیں ایسی ہیں جو شب و روز کے تجربہ اور صحابہ اور مسلمانوں کے حالات کے اعتبار سے بعید نہیں۔ اور یہ دونوں اِن کی اجازت نہیں دیتے۔

(۱) ڈیڑھ سال میں زید کا تمام و کمال قرآن کو تلاش کر کے لکھ دینا۔

(۲) حضرت عمرؓ کا یہ خیال کرنا کہ قرآن ضائع ہو جائے گا۔

(۳) قرآن جمع کرنے کے پہلے قاریانِ قرآن کو لڑائی میں بھیجنا۔

(۴) قرآن کے جمع کرنے کو محض زید کے متعلق کرنا۔ باوجودیکہ خود مدینہ میں اِن سے بہتر قاری بھی موجود تھے۔

(۵) اِس قرآن جمع شدہ کا حضرت حفصہ کے پاس رہنا نہ خلیفۂ سوم کے۔

(۶) خلیفہ اول اور دوم کا اپنے عہد میں اِس قرآن کی نقلیں ملک میں شائع نہ کرنا۔

(۷) مسلمانوں میں سے ایک مسلمان کا بھی اِس قرآن کی نقل نہ لینا۔

اِس کے علاوہ زہری کی روایت کا اختلاف اور نیز زہری کی یہ تنہا روایت بہت سی اُن روایات کے مخالف ہے جو اپنی کثرت کی وجہ سے تواتر کے مرتبہ میں پہنچ گئے ہیں۔

یہ عجب بات ہے کہ جو واقعہ نہایت ہی بے اصل اور سراسر غلط اور جس قدر بے بنیاد ہوتا ہے اُسی قدر مشہور اور زبان زدِ عوام و خواص ہو جاتا ہے۔ خلیفۂ اوّل کے جمع قرآن کے واقعہ نے شہرت کا یہ درجہ پایا ہے کہ آج محدثین اور مورخین اور ہر مسلمان کی زبان اور قلم پر ہے۔ اور انتہا یہ ہے کہ بخاری جیسے ناقد اور محقق کی تحقیق کی روشنی بھی اِس شہرت کے آگے ماند پڑ گئی۔ مگر پھر بھی حق حق ہے اور باطل باطل جھوٹ اور فریب گو مشہور ہو جائے۔ قبول کر لیا جائے لیکن انجام کار سچائی کی روشنی غالب آکر اُسے محو کر دیتی ہے اور وہ ظاہر ہو کر رہتا ہے۔

یہ بھی مشہور ہے کہ خلیفہ سوم نے اپنے عہد میں خلیفۂ اول کی جمع کردہ قرآن کی چند نقلیں کرا کے مختلف بلاد میں بھیجیں۔ اور یہ حکم دیا کہ اِس کے سوا جو لکھے ہوئے قرآن ہیں وہ ضائع کر دیئے

جائیں اور اب سے اِس قرآن کے موافق پڑھا پڑھایا جائے۔ چنانچہ کتب حدیث اور تواریخ میں یہ واقعہ مذکور ہے اور یہاں میں بھی ترمذی سے اسے نقل کرتا ہوں۔

عَنْ اَنَسٍ اِنَّ حُذَیْفَةَ قَدِمَ عَلٰی عُثْمَانَ وَکَانَ یُغَازِیْ اَهْلَ الشَّامِ فِیْ فَتْحِ اَرْمِیْنِیَّةَ وَ اٰذَرْبِیْجَانَ مَعَ اَهْلِ الْعِرَاقِ فَرَأٰی حُذَیْفَةُ اِخْتِلَافَهُمْ فِی الْقُرْاٰنِ فَقَالَ لِعُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَدْرِكْ هٰذِهِ الْاُمَّةَ قَبْلَ اَنْ یَّخْتَلِفُوْا فِی الْکِتَابِ کَمَا اخْتَلَفَ الْیَهُوْدُ وَالنَّصَارٰی فَاَرْسَلَ اِلٰی حَفْصَةَ اَنْ اَرْسِلِیْ اِلَیْنَا بِالصُّحُفِ نَنْسَخُهَا فِی الْمَصَاحِفِ ثُمَّ نَرُدُّهَا اِلَیْكِ فَاَرْسَلَتْ حَفْصَةُ اِلٰی عُثْمَانَ بِالصُّحُفِ فَاَرْسَلَ عُثْمَانُ اِلٰی زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَسَعِیْدِ بْنِ الْعَاصِ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَیْرِ اَنِ انْسَخُوا الصُّحُفَ فِی الْمَصَاحِفِ وَقَالَ لِلرَّهْطِ الْقُرَشِیِّیْنَ الثَّلَاثَةِ مَا اخْتَلَفْتُمْ اَنْتُمْ وَزَیْدُ بْنُ ثَابِتٍ فَاکْتُبُوْهُ بِلِسَانِ قُرَیْشٍ فَاِنَّمَا نَزَلَ بِلِسَانِهِمْ حَتّٰی نَسَخُوا الصُّحُفَ فِی الْمَصَاحِفِ وَبَعَثَ عُثْمَانُ اِلٰی کُلِّ اُفُقٍ بِمُصْحَفٍ مِنْ تِلْكَ الْمَصَاحِفِ الَّتِیْ نَسَخُوْا قَالَ الزُّهْرِیُّ وَحَدَّثَنِیْ خَارِجَةُ بْنُ زَیْدٍ اَنَّ زَیْدَ بْنَ ثَابِتٍ قَالَ فَقَدْتُ اٰیَةً مِنْ سُوْرَةِ الْاَحْزَابِ کُنْتُ اَسْمَعُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقْرَأُهَا مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰی نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ یَّنْتَظِرُ فَالْتَمَسْتُهَا فَوَجَدْتُهَا مَعَ خُزَیْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ اَوْ اَبِیْ خُزَیْمَةَ فَاَلْحَقْتُهَا فِیْ سُوْرَتِهَا۔ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ وَهُوَ حَدِیْثُ الزُّهْرِیِّ وَلَا نَعْرِفُهٗ اِلَّا مِنْ حَدِیْثِهٖ۔ ج ۲ ص ۱۳۷

ترجمہ:۔ انس کا بیان ہے کہ حذیفہ آرمنیہ اور آذربیجان کے غزوہ سے واپس ہوکر حضرت عثمان کے پاس آئے اور کہا کہ لوگوں میں قرآن کی قرات میں بہت اختلاف ہے۔ قبل اس کے کہ لوگ یہود اور نصاریٰ کی طرح گمراہ ہوں آپ اس کی تلافی اور انتظام کر دیجئے۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہ کے پاس کہلا بھیجا کہ وہ صحیفے میرے پاس بھیجدو تاکہ میں اس کی نقلیں کراؤں۔ پھر میں اسے تمھیں واپس دوں گا چنانچہ حضرت حفصہ نے وہ صحیفے بھیجدیئے۔ حضرت عثمان نے زیدؓ، سعیدؓ، عبدالرحمٰن، عبداللہؓ کو اس پر مامور کیا کہ وہ نقل کریں۔ اور فرمایا کہ اگر باہم اختلاف ہو تو قریش کے لغت میں لکھوا اور اسے ترجیح دو اس لئے کہ انھیں کی زبان میں قرآن نازل ہوا ہے ان لوگوں نے نقلیں کیں اور حضرت عثمان نے اِن میں سے ہر ایک کو ایک ایک طرف بھیجدیا زہری کہتے ہیں کہ زید کے بیٹے خارجہ کا بیان ہے کہ مجھ سے میرے باپ زید نے کہا کہ سورۂ احزاب میں اُس آیت کو جسے میں نے آنحضرت کو پڑھتے سُنا تھا نہیں پایا اور وہ آیت یہ ہے۔ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰی نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ یَّنْتَظِرُ اس کو تلاش کیا تو خزیمہ یا ابوخزیمہ کے پاس ملی تب میں نے اِس کو اپنی جگہ

سورۃ میں لکھ دیا۔

زہری کی اِس حدیث سے یہ پانچ باتیں ثابت ہوتی ہیں :۔

(۱) حذیفہ بن الیمان کو آرمنیہ اور آذربیجان کے غزوہ میں جب یہ معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں قرآن میں اختلاف ہے تو واپسی کے بعد حذیفہ نے خلیفہ سوم سے درخواست کی کہ اس کا انتظام کریں اور اس اختلاف کو روکیں۔

(۲) خلیفہ سوم نے حذیفہ کے مشورہ سے زید، سعید، عبدالرحمٰن، عبداللہ کو اس پر مقرر کیا کہ وہ خلیفہ اوّل کے لکھائے ہوئے قرآن کی نقلیں کریں اور اگر کسی لفظ میں اختلاف ہو تو لغتِ قریش کے موافق اُسے لکھیں۔

(۳) ان نقل شدہ قرآن کا ایک ایک نسخہ ہر طرف روانہ کیا۔

(۴) اِس قرآن میں سورۂ احزاب کا اخیر نہ تھا جس کو خزیمہ یا ابوخزیمہ کے پاس سے تلاش کرکے لکھا۔

(۵) حضرت عثمان نے سوا اس کے کہ حضرت ابوبکر کے قرآن سے نقل کرائی اپنی طرف سے اور کوئی امر جدید نہیں کیا۔ میں یہاں چند امُور کی تنقیح کرتا ہوں جس سے حضرت عثمان کے اِس جمع قرآن کی روایت پر بہت کچھ روشنی پڑے گی۔

تنقیح (۱) آذربیجان والوں نے جو معاہدہ خلیفہ دوم کے عہد میں سنہ ۲۲ھ میں کیا تھا۔ وہ خلیفہ سوم کے زمانہ میں توڑ دیا۔ اس پر خلیفہ سوم نے سنہ ۲۵ھ میں ولید بن عقبہ کو آذربیجان پر متعین کیا اور ولید نے پھر دوبارہ اُسے فتح کیا۔ اور سنہ ۲۵ھ میں ہی حضرت عثمان نے قرآن لکھائے۔ اگرچہ ابن خلدون اور کامل ابن اثیر وغیرہ مورخین نے لکھا ہے کہ سنہ ۳۰ھ میں یہ قرآن لکھائے گئے مگر علامہ ابن حجر شارح بخاری فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ یہ غلط ہے۔ درحقیقت یہ سنہ ۲۵ھ میں ہوا ہے۔ چونکہ خلیفہ دوم کا انتقال سنہ ۲۳ھ کے آخر میں یعنی ۲۷ ذی الحجہ سنہ ۲۳ھ میں ہوا تو یہ اختلاف جس کی خبر حضرت حذیفہ نے حضرت عثمان کو دی تھی نیا نہ تھا یعنی خلیفہ سوم کے عہد میں پیدا نہ ہوا تھا کیونکہ ظاہر ہے کہ ایک سال کی مدت میں ایسا نہیں ہوسکتا بلکہ دراصل یہ اختلاف قرار صحابہ میں تھا اور صحابہ میں سے جو ملک میں تعلیم قرآن کے لئے روانہ کئے گئے تھے انھوں نے اپنی اپنی قرأت کے موافق قرآن پڑھایا تو وہ اختلاف اُن کے شاگردوں میں رہا۔ اور خلیفہ اول اور دوم کے عہد میں برابر یہ اختلاف تھا جس کی خبر حذیفہ نے خلیفہ سوم کو دی۔ مگر تعجب ہے کہ ان دونوں خلفار نے اس کی طرف توجہ نہ کی اور یہ ناممکن ہے کہ اِس اختلاف کا علم اِن دونوں خلفار کو نہ ہوا ہو۔ خصوصًا خلیفہ دوم کو جو اپنے عہد میں تمام باتوں کی خبر رکھتے تھے۔ حالانکہ خلیفہ اول اور دوم کو اس کا بہت

زیادہ خیال تھا کہ مسلمانوں میں کسی طرح سے اختلاف نہ ہو۔ اور اسی وجہ سے اُن کے عہد میں کسی قسم کا اختلاف مسلمانوں میں نہیں ہوا۔ جیسا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی ازالۃ الخفاء کے مقصد دوم صفحہ ۱۴۰ میں لکھتے ہیں۔ لہٰذا دریں عصر اختلاف مذہب وتشتت آراواقع نشد ہمہ بریک مذہب متفق وبریک راہ مجتمع وآں مذہب خلیفہ ورائے او بود" اور یہی علامہ ابن حزم نے الفصل میں لکھا ہے۔ اِسی کے ساتھ یہ امر بھی زیادہ توجہ کے قابل ہے کہ ۲۵ھ تک ممالک اسلامیہ میں قرآن کی جس قدر اشاعت ہوئی وہ خلیفہ دوم کی توجہ سے ہوئی۔ اُنھوں نے معلم بھیجے، وظائف مقرر کئے۔ پھر ضروری ہے کہ اِن تمام معلموں نے خلیفہ کی ہدایت کے موافق قرآن کی تعلیم دی ہوگی۔ کیونکہ فاروق اعظم کی یہ عادت تھی کہ معلّمین کو روانہ کرتے وقت ضروری ہدایت کر دیتے تھے۔ خصوصًا ایسے امور سے سختی کے ساتھ روکتے تھے جس کی وجہ سے مسلمانوں میں اختلاف ہو جس کا لازمی اثر یہ ہونا چاہیئے تھا کہ اُس عہد میں قرآن میں ایسا اختلاف نہ ہوتا جس کے رفع کرنے کی ۲۵ھ میں خلیفہ سوم کو ضرورت پیش آئے۔

(۲) ۲۵ھ تک تمام ممالک اسلامیہ میں قرآن کی اشاعت جس قدر بھی ہوئی تھی وہ اُن صحابہ نے کی تھی جنھوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن یاد کیا تھا۔ اور آپ سے سُنا اور پڑھا اور لکھا تھا اور جن قرا اور حفاظ صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے کانوں سے بارہا قرآن سُنا۔ آپ کی زبان مبارک سے قرآن کو لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن سُنایا اور خود آنحضرتؐ نے بھی اُن پر وثوق واعتماد کر کے انھیں قرآن پڑھانے اور تعلیم کی اجازت دی اور آنحضرت کے عہد میں ہزاروں کو انھوں نے قرآن پڑھا دیا تو اِن حفاظ اور قرا نے آنحضرتؐ سے جس طرح قرآن سُنا اور یاد کیا وہ کبھی اور کسی حالت میں بھی اُس کے خلاف نہیں کر سکتے تھے۔ اُن صحابہ کی تو بڑی شان ہے۔ آج بھی اگر کسی مسلمان کو اس کا یقین ہو جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں کام اِس طرح کیا ہے اور فلاں بات کو یوں فرمایا ہے یا قرآن کا فلاں حرف اِس طرح پڑھا ہے تو وہ بھی اُس کے خلاف ہرگز نہ کرے گا اور اسی پر قائم رہے گا خواہ اُسے مالی اور جانی دونوں قربانی کرنی پڑیں۔ اب جن صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن یاد کیا تھا اور اسی طرح جن لوگوں نے ان صحابہؓ سے قرآن لکھا پڑھا تھا اگر اُن میں باہم اختلاف تھا تو خلیفہ سوم کے کہنے سے وہ اُس قرأت اور قرآن کو نہیں چھوڑ سکتے تھے جس کو انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا اپنے اساتذہ، صحابۂ کرام سے لیا اور سیکھا اور لکھا تھا اور یہ ناممکن تھا کہ خلیفہ سوم اُن سے اُن کے اُس قرآن کو جو اُنھیں پہنچا تھا لے کر ضائع کر دیتے اور اُن کے دلوں سے اُس نقش کو مٹا دیتے جو اُن کے اساتذۂ کرام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اُن کے پاک دلوں پر کیا تھا جن کو اُس وقت کے مسلمانوں کی حالت سے واقفیت ہے اور جن

حضرات نے اُن مقدس اصحاب کی تاریخ کے دیکھنے کا شرف حاصل کیا ہے اُن کو اِس امر کے باور کرنے کے لئے تاریکی کا کوئی پردہ حائل نہیں کہ خلیفہ سوم کے اختیار سے بلکہ خلیفہ دوم وسوم کے اختیار سے بھی یہ بات خارج تھی۔ بلکہ کوئی قوت بھی ایسی نہ تھی جو اُسے اُس قرأت کو چھڑا کے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یا اُن کے اُستادوں سے اُنھیں پہنچی ہے دوسری قرأت کو رائج کرتے اور اِس اختلاف کو اُٹھا دیتے۔

(۳) ممالکِ اسلامیہ میں آج بھی جو قرآن لکھے ہوئے ہیں اور جس قدر قرآن کے قاری ہیں اِس وقت بھی اُن کی سندیں موجود ہیں اور ہر قاری آج بھی قرآن کو اُسی طرح پڑھتا ہے جس طرح اُس نے اُسے اپنے اُستاد سے سنا ہے۔ اور جو اختلاف قراءۃ قرائِ صحابہ میں تھا وہ آج تک بھی اُن کے شاگردوں میں ہے اور ہر شخص اُسی طرح پڑھتا ہے جس طرح اُسے پہنچا ہے۔ جو شخص تمام دنیا میں سفر کر کے مسلمانوں کی قرأت کو مختلف ملکوں میں سُنے گا وہ ضرور اِس اختلاف کو دیکھے گا پھر خلیفہ سوم نے وہ کس اختلاف کو مٹایا جو اس روایت میں بیان کیا گیا ہے اور یہ اختلاف ایسا نہیں ہے جس سے کسی فتنہ کا خوف ہو۔ یہ معمولی لب ولہجہ وغیرہ کا اختلاف ہے۔ بلکہ یہ اختلاف سرورِ کائنات کے عہد میں بھی تھا جس کو خود آنحضرت بھی جانتے تھے۔ اور آپ م کے حضور میں یہ اختلافات پیش بھی کئے گئے مگر آپ نے اس کو جائز رکھا۔ پھر جس کو آنحضرت نے جائز رکھا تو کیا کوئی مسلمان خصوصًا صحابہ اِس کو ناجائز رکھیں گے؟ ہر گز نہیں دوسرے مشاہدہ اور تجربہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ قرآن کے اِس اختلاف کی وجہ سے آج تک مسلمانوں میں کوئی فتنہ یا گمراہی نہیں ہوئی جس کا خطرہ اِس روایت میں بیان کیا گیا ہاں ممکن ہے کہ قرآن کی رسمِ خط میں اختلاف ہو اور حضرت عثمان نے قرآن کی رسمِ خط قائم کی ہو۔

(۴) مسلمان قرآن کے پڑھنے میں محض لکھے پر اعتماد نہیں کرتے بلکہ اس میں اِس کی ضرورت ہے کہ وہ قرآن ایسے شخص کو سُنائیں جس کی سند کا سلسلہ آنحضرت تک ہو۔ اور بلا ایسے شخص کے سُنائے اور سند حاصل کئے قرآن پڑھنا درست نہیں۔ اور اِس میں مسلمانوں نے اِس قدر احتیاط کی ہے کہ قرآن کے سوا حدیث میں بھی اُسی شخص کا اعتبار ہے جس نے سند حاصل کی ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک اس کی سند ہو۔ جو شخص آج بھی بلا سند حاصل کئے محض اپنی قابلیت کے اعتماد پر لکھی ہوئی کتابوں کو دیکھ کر حدیث پڑھانا چاہے تو اس کی حدیث کا اعتبار نہیں اور کوئی مسلمان اس سے حدیث نہیں پڑھے گا۔ اور ایسا شخص قابلِ سزا ہو گا۔ جو لوگ قرآن پڑھنے اور حدیث کی قابلیت رکھتے ہیں لیکن سند نہیں رکھتے تو وہ بھی سند یافتہ کے حلقۂ درس میں برسوں رہ کر اور سنا کر سند حاصل کرتے ہیں تب وہ اِس لائق ہوتے ہیں کہ لوگ اُن سے پڑھیں۔

ورنہ نہیں۔ آج تک جس قدر قراء ہوئے اور ہیں وہ تمام اپنی قرأت اور قرآن کی سند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں جس سے اِس امر میں کسی قسم کا شُبہ نہیں رہتا کہ مسلمانوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جس طرح سے قرآن پہنچا ہے اور صحابہ نے جس طرح انھیں پڑھایا تھا وہ آج تک بلا کسی تغیر و تبدل کے برابر پڑھتے چلے آئے ہیں اور اُسی طرح مسلمانوں میں اس کا رواج ہے۔ جو اختلاف صحابہ کے قراءتوں میں تھا وہ اب بھی ان کے شاگردوں میں ویسے ہی محفوظ ہے۔ قراء صحابہ کی قراءتیں ہم تک بتواتر پہنچی ہیں۔ جن میں شبہہ کی اصلاً گنجائش نہیں۔ اب اِن متواتر اور یقینی باتوں پر اِس ایک شخص کی خبر کا کیا اثر پڑ سکتا ہے۔ اور ایسی ظنی اور وہمی باتوں سے ہم یقین اور تواتر کو کسی طرح نہیں چھوڑ سکتے اور جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ تمام قرارت صحابہ کی سندیں آج تک رائج ہیں اور صحابہ نے جس ملک میں تعلیم دی اور وہاں کے باشندوں کو جس طرح سے پڑھایا آج تک وہاں کے باشندے اُسی طرح پڑھتے ہیں۔ تو پھر خلیفہ سوم کے اختلاف قرارت کے مٹانے کی روایت کا پورا پورا حال معلوم ہو جاتا ہے اور اس کی صحت اور صداقت کا پایہ جو ہے وہ ہر شخص پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حزم کتاب الفصل میں لکھتے ہیں۔ فَلَو رَامَ عثمان مَاذکرُوا مَا قَدرَعلیٰ ذٰلک ـــ یعنی جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان نے تمام قرارت مٹا کر ایک قرارت رکھی یہ ان کی غلطی ہے۔ یہ امر حضرت عثمان کے اختیار میں نہ تھا۔ اور جب ہم اِس وقت دیکھ رہے ہیں کہ قرارت صحابہ کا اختلاف قرارت اِس وقت بھی ان کے شاگردوں میں برابر چلا آرہا ہے تو پھر حضرت عثمان نے کِس اختلاف کو مٹایا۔

(۵) زید نے خلیفہ اول کے عہد میں اِن صحائف میں تمام قرآن نقل کیا تھا مگر تعجب ہے۔ بارہ تیرہ سال تک یہ ویسے ہی جزدان میں رکھا رہا۔ کسی نے نہ دیکھا۔ اور اگر دیکھا بھی تو کسی کو اس کا پتہ نہ چلا کہ سورۃ احزاب سے ایک آیت اُس میں لکھنے سے رہ گئی۔ جس کا پتہ اس وقت خلیفہ سوم کے عہد میں نقل کراتے وقت ہوا۔ اور تعجب ہے کہ آنحضرتؐ کے عہد مبارک سے خلیفہ سوم کے عہد تک سورۃ احزاب کی اِس آیت کو کسی نے نہیں لکھا سوائے خزیمہ کے اور کسی پاس نہ نکلی۔ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو یہی ایک بات اس روایت کی صداقت اور عدم صداقت کی عمدہ دلیل ہے۔ علاوہ اِس کے زید نے خلیفہ اول کے عہد میں جب نہایت کوشش اور سعی سے قرآن جمع کیا۔ اور زید کو قرآن یاد بھی تھا۔ تو اس وقت سورۃ احزاب کی آیت کا لکھنے سے رہ جانا ایک ایسی بات ہے جو انسانی فہم سے بالاتر ہے۔ اور جب زید کے لکھنے اور حفظ کی یہی حالت ہے تو ممکن ہے کہ اس میں اور بھی بعض آیات چھوٹ گئی ہوں۔ اگر زید تیسری بار پھر نقل کرتے تو ممکن تھا کہ وہ پھر زید کو یاد آجاتیں۔ مسلمانوں کے یہاں ایسی روایات

کی جو وقعت ہے وہ ایسے خوب جانتے ہیں جن کو ایسی روایات میں دخل ہے کیا محض زید کے لکھنے اور ان کی یاد کے بھروسے اور وثوق پر قرآن مان لیا گیا ہے۔ اور کیا محض زید کے کہنے اور لکھنے سے قرآن میں کسی آیت کا اضافہ ممکن تھا۔ این خیال ست و محال ست و جنون۔ ہزاروں قرآن کے نسخے بلکہ لاکھوں اس وقت مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہوں گے اور اس سے بھی بہت زیادہ حفاظ قرآن موجود تھے۔ اور مسلمانوں کے چھوٹے بڑے۔ مرد۔ عورت۔ ادنیٰ۔ اعلیٰ کی زبان پر قرآن کا حرف حرف برق کی طرح رواں تھا۔ مسجدیں اور نمازیں اس کی صدا سے گونج رہی تھیں۔ پچیس[۲۵] سال میں بلکہ سینتیس[۳۷] سال میں جس قدر قرآن کی اشاعت ہو گئی تھی وہ زید اور خلیفہ سوم کی سعی سے بے نیاز تھی۔ اور اتنے مسلمانوں کے دلوں سے کسی حرف یا قرارت کا دھو دینا کسی انسان کا کام نہیں تھا۔

ہم مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ قرآن کے الفاظ خدا کے الفاظ ہیں اور وحی الٰہی کے جو لفظ تھے آنحضرتؐ نے بعینہٖ انھیں الفاظ کو پہنچایا۔ اُن آسمانی الفاظ کے بجائے دوسرے لفظوں کو رکھنا خواہ وہ آسمانی لفظوں کے ہم معنی ہی کیوں نہ ہوں نہ آنحضرتؐ سے ممکن ہے اور نہ کوئی مسلمان ایسا کر سکتا ہے۔ آنحضرتؐ کی نبوت سے ۲۵ھ تک یعنی اڑتیس[۳۸] سال کی مدت میں تمام اسلامی شہروں میں اس کی اشاعت کمالِ عروج تک پہنچ گئی تھی۔ اور مسلمانوں کے سینوں اور سفینوں دونوں میں قرآن کا ہر ایک لفظ آفتاب و ماہتاب کی طرح چمک رہا تھا۔ رمضان میں اسلامی دنیا کی ہر مسجد میں کم سے کم ایک بار ضرور پڑھا جاتا تھا۔ پنجگانہ نمازیں۔ آخر رات میں۔ روزانہ تلاوت میں اس کا معمول تھا۔ اس وقت قرآن کی یہ حالت نہ تھی کہ اس سے مسلمان ناواقف ہوں۔ یا جو قرآن مسلمانوں کے دلوں۔ زبانوں۔ صحیفوں۔ تعلیم گاہوں میں داخل ہو گیا تھا اس پر شک و شبہ کا پردہ کوئی ڈال سکے۔

اب ایسی حالت میں خلیفہ سوم کا اُن لوگوں کو جو قرآن لکھنے پر مقرر کیے گئے تھے یہ ہدایت کرنا (اگر کسی لفظ میں تمہیں اختلاف ہو تو ایسی صورت میں وہ لفظ لکھنا جو قریش کے یہاں مستعمل ہے۔ کیونکہ قرآن قریش ہی کی لغت میں نازل ہوا جیسا اس روایت میں ہے۔ وَقَالَ لِلرَّهْطِ الْقُرَشِيِّينَ الثَّلَاثَةِ مَا اخْتَلَفْتُمْ أَنْتُمْ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ فَاكْتُبُوهُ بِلِسَانِ قُرَيْشٍ فَإِنَّمَا نَزَلَ بِلِسَانِهِمْ یعنی خلیفہ سوم نے ان لوگوں میں سے جو قرآن لکھنے پر مقرر کیے گئے تھے قریشوں کو کہا کہ تم سے اور زید سے اگر کسی لفظ میں اختلاف ہو تو اپنی زبان کا لفظ لکھنا کیونکہ تمہاری ہی زبان میں قرآن اترا ہے) اس روایت کے اعتبار کو مسلمانوں سے کیا مخالفین اسلام کی نظروں سے بھی کھو دیتا ہے۔ اور جو شخص مسلمانوں کی حالت اور قرآن کی تاریخ سے واقف ہے

وہ ہرگز کسی حالت میں اِس کے لئے تیار نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ قرآن اس ہی روایت کے موافق جب قریش کی لغات میں نازل ہوا ہے قریش کی زبان کے سوا کسی دوسری زبان کا لفظ اس میں نہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قرآن جن الفاظ میں نازل ہوا ان ہی الفاظ میں آنحضرتؐ نے پہنچایا اور مسلمانوں نے وہی الفاظ یاد کیئے۔ لکھے۔ پھر کیا یہ ممکن ہے کہ زید جو انصار سے ہیں نہ قریش سے ان کے قرآن میں کوئی ایسا لفظ ہو جو قریشی نہیں یعنی وہ درحقیقت قرآن کا لفظ نہیں یا ان کو قرآن کے الفاظ کے بجائے دوسرے لفظ یاد ہوں۔ حالانکہ زید وہ شخص ہیں جو پچیس[۲۵] سال تک برابر قرآن پڑھاتے رہے۔ قرآن کا درس دے کر کئی ہزاروں کو قرآن کا حافظ بنایا۔ عہد مبارک میں وحی یعنی قرآن لکھتے تھے۔ آخر سال میں حضرت جبریل سے جو آنحضرتؐ نے دوبار قرآن کا دور کیا تھا تو اس میں یہ زید برابر کے شریک تھے۔ تمام قرآن آنحضرتؐ کے عہد میں یاد کیا تھا۔ اور لکھا تھا خلیفہ اول و دوم نے ان کے مقابلہ میں کسی کو ترجیح نہ دی اور انھیں پر اپنا زیادہ اعتماد ظاہر کیا اسی لئے اِنھیں کو تنہا قرآن لکھنے پر مقرر کیا۔ اور اُس وقت کسی قریشی کو اِس کام میں اِن کا شریک نہ کیا۔ اور نہ یہ ہدایت کی کہ قریش کی زبان میں لکھنا۔ اب ایسی صورت میں خلیفہ سوم کا زید کے ساتھ اِن کو یعنی سعید۔ عبدالرحمٰن۔ عبداللہ جو قریش سے ہیں شریک کرنا اور یہ فرمانا کہ تم تینوں سے اور زید سے اگر کسی لفظ میں اختلاف ہو تو وہاں زید کا اعتبار نہ کرنا۔ بلکہ اپنی زبان کے موافق لکھنا۔ حالانکہ یہ تینوں شخص نہ مشہور قراء سے ہیں اور نہ زید کی مثل ماہر ہیں اور نہ اِس قابل ہیں کہ زید کے مقابلہ میں ان کا پلہ بھاری ہو۔ کیونکہ آنحضرتؐ کی وفات کے وقت سعید اور عبداللہ نو[۹] سال کے تھے۔ عبدالرحمٰن دس[۱۰] برس کے اور آنحضرتؐ سے انھوں نے کچھ نہیں پڑھا تھا۔ اور زید نے تمام قرآن آنحضرتؐ سے پڑھا تھا۔ پھر ایسی صورت میں زید سے یہ تینوں اگر قرآن کے کسی لفظ میں اختلاف کریں تو بمقابلہ زید کے پھر بھی ان کا اعتبار ہونا مسلمان اِس کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اور کیا یہ ممکن تھا کہ زید نے جن الفاظ کو آنحضرتؐ سے خود سنا تھا۔ اور آنحضرتؐ نے خود تعلیم فرمایا۔ ان الفاظ کو چھوڑ کے خلیفہ کی ہدایت کے موافق اِن تینوں کے بتائے ہوئے لفظوں کو لکھتے۔ ہرگز نہیں اور کیا کوئی مسلمان اِس کا یقین کرسکتا ہے کہ خلیفہ نے زید کو اس قسم کی ہدایت کی ہوگی کہ تم نے جن الفاظ کو آنحضرتؐ سے سنا۔ آنحضرتؐ نے جن الفاظ کو تمہیں تعلیم دیا۔ جن الفاظ کو تم اب تک پڑھتے رہے۔ اور ایک بڑی جماعت کو تم نے تعلیم کیا۔ اِن الفاظ کو تم محض اس لئے چھوڑ دینا کہ وہ قریش کی لغت کا نہیں۔ اور قرآن قریش کی لغت میں نازل ہوا ہے۔ میں کہتا ہوں۔ زید نے اگر آنحضرتؐ سے قرآن میں عربی کے سوا دوسری زبان کا لفظ بھی سنا یا پڑھا ہوتا تو پھر تمام عالم کے کہنے سے بھی وہ اِس لفظ کو کسی طرح چھوڑ

نہیں سکتے تھے۔ خواہ ان کو یوں سمجھایا ہی جاتا کہ قرآن عرب کی زبان میں نازل ہوا ہے اور یہ لفظ عربی نہیں۔ کیونکہ کسی لفظ کا قرآن میں آنحضرتؐ کی زبان سے سُن لینا یا آپ سے تعلیم پانا ایک ایسی مضبوط اور مستحکم دلیل ہے کہ قرآن کی تمام عمارت اِسی پر قائم ہے نہ کسی قیاس اور گمان پر۔ اور کیا ایسے قیاسات سے کہ قرآن عربی میں نازل ہوا ہے یا قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے قرآن کا کوئی حرف اپنی جگہ سے متزلزل ہو سکتا ہے۔ اور مسلمانوں کے اس یقین میں جو انوار نبوت سے حاصل ہوا ہے کسی قسم کی تاریکی کا دھبہ پڑ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اِس کے علاوہ تمام قرآن کا قریش کی لغات کے موافق ہونا خود صحیح نہیں۔ بلکہ قریش کے سوا دوسرے الفاظ بھی قرآن میں ہیں۔ پھر جب یہ بات خود ثابت نہیں اور خلاف ہے تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ حضرت عثمانؓ قرآن کے متعلق ایک غلط بات فرمائیں اور زید بن ثابت اُسے تسلیم کرلیں۔ اور اگر حضرت عثمانؓ نے ایسا فرمایا تھا اور واقعی یہ امر صحیح بھی تھا کہ قرآن قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے تو پھر یہ ضروری تھا کہ یہ موجودہ قرآن جو اِس وقت تمام مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے اور حضرت عثمانؓ کا لکھا ہوا ہے اِس میں کوئی لفظ غیر قریش کا نہ ہوتا۔ حالانکہ اِس میں قریش کے سوا بھی دیگر اہل عرب کے لغات ہیں اب موجودہ قرآن کو اس روایت کے اس معیار پر جانچو اور دیکھو کہ یہ وہی قرآن ہے جس کو حضرت عثمانؓ نے فرمایشی لکھایا تھا۔ یا ویسا نہیں۔ اور اِسی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ روایت کس درجہ قابل تسلیم ہے۔

(۷) قرآن اگر قریش ہی کی زبان سے مخصوص ہے تو یہ ایسی بات نہیں جس کو صرف حضرت عثمانؓ ہی جانتے ہوں بلکہ یہ وہ امر ہے جسے اس وقت کا ہر قرآن داں جو عرب کا باشندہ تھا جانتا ہوگا۔ خصوصاً خلیفہ اول اور دوم تو ہرگز اس سے ناواقف نہ ہوں گے۔ پھر جو قرآن زید سے خلیفہ اول نے بہ مشورہ خلیفہ دوم لکھایا تھا ضرور وہ قریش ہی کی زبان میں لکھایا ہوگا۔ اور ضرور خلیفہ اول اور دوم کی نظر سے گذرا ہوگا۔ اب یہ ناممکن ہے کہ اِس قرآن میں کوئی اُس زبان کا لفظ ہو جس میں قرآن نازل نہیں ہوا۔ کیونکہ اول تو زید نے خود ہی اِس قرآن میں ایسے لفظ نہ لکھے ہوں گے۔ اور اگر غلطی سے لکھے بھی ہوں تو خلیفہ اور دوم نے ضرور اس کی اصلاح فرما کر اس غلطی سے زید کو متنبہ کیا ہوگا تاکہ پھر یہ غلطی نہ ہو کہ قریش کے لغات کے سوا دیگر اہل عرب کی لغات کا کوئی لفظ قرآن شریف میں لکھا جائے اور اس اصلاح اور تنبیہ کے بعد ناممکن ہے کہ اُس قرآن شریف میں جو خلیفہ اول کے وقت میں لکھا گیا تھا پھر ایسا لفظ ہوتا جو قریش کی نغات سے نہ ہوا اور دیگر اہل عرب کے لغات سے ہوتا اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ خلیفہ اول اور خلیفہ دوم کی تاکید اور تنبیہ کے باوجود زید سے پھر بھی ایسی غلطی ہوئی ہو کہ کوئی لفظ قریش

کے لغات کے سوا کا ایسا رہ گیا ہو جس پر زید کی نظر کسی وجہ سے نہ پڑی ہو لیکن خلیفہ سوم کے عہد میں جب قرآن شریف کے نقل کی خدمت زید کو ملی اور سعید اور عبدالرحمٰن عبداللہ بن زبیر کا (جو بطون قریش سے ہیں) اس لئے تقرر ہوا۔ کہ جب کسی لفظ میں اختلاف ہو تو لغت قریش کے موافق اسے لکھیں اور پھر حسب حکم خلیفہ سوم کے ان لوگوں نے لکھا تو اب ایسی حالت میں یہ غیر ممکن تھا کہ قرآن شریف میں کوئی ایسا لفظ رہ گیا ہو جو قریش کے لغات سے نہ ہو۔ مگر واقعہ اس کے خلاف ہے اور قرآن شریف میں اس وقت بھی ایسے الفاظ ملتے ہیں جو قریش کے لغات کے سوا دیگر اہل عرب کی لغات سے ہیں جس سے صاف اس امر پر روشنی پڑتی ہے کہ یہ روایت قابلِ احتجاج نہیں ہے۔

(۸) زید کا یہ بیان کہ سورۂ احزاب کی اس آیت کو جسے میں نے آنحضرتؐ کو پڑھتے سُنا تھا نہیں پایا۔ اور تلاش کے بعد خزیمہ یا اَبُوخُزَیمہ کے پاس سے ملی یہ وہ بات ہے جو بالکل خلافِ عقل ہے اس لئے کہ زید کے پاس خود اپنا ذاتی لکھا ہوا قرآن ایسا صحیح موجود تھا جس کو زید نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خود آپ کی زندگی کے اس آخری رمضان میں سُنایا تھا جس میں آپ نے دو مرتبہ قرآن شریف حضرت جبرئیلؑ سے دور فرمایا تھا علاوہ اس کے اور دوسرے صحابہؓ جیسے معاذ بن جبل، اُبی بن کعب، زید بن ثابت، اَبو درداء، اَبو زید، محمد بن عبید، عثمان بن عفانؓ تمیم داری، عبادۃ بن صامت، اَبو ایوب کے پاس بھی پورا قرآن شریف جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھایا ہوا موجود تھا پھر یہ بات کسی طرح قابل تسلیم نہیں ہوسکتی کہ تلاش کے بعد محض ابو خُزیمہ یا خُزیمہ کے پاس ملی بلکہ یہ ایک ایسی ناقابلِ قبول بات اس روایت میں ہے جو اس روایت کو معیار صحت سے گرا دینے کے لئے کافی ہے بالخصوص جبکہ اس کے خلاف پورے قرآن شریف کے عہد نبوی میں لکھے جانے کے متعلق اس کثرت سے روایتیں موجود ہیں جو تواتر کے مرتبہ کو پہونچ گئی ہیں۔

(۹) اشتباہ کی تیسری روایت جو بخاری کی ہے اس میں زید کا بیان ہے کہ میں نے کھجور کے پتوں اور پتھر کے ٹکڑوں اور آدمی کے سینے سے قرآن جمع کیا اور لکھا یعنی کسی آیت یا کسی سورۃ کو محض لکھے ہوئے ٹکڑوں پر اعتماد کر کے خلیفہ اول کے عہد میں قرآن میں نہیں لکھا گیا تھا بلکہ حفاظ صحابہ پر بھی آیت اور سورۃ پیش کی گئی تھی اس کے بعد لکھا گیا تھا۔ تو اب حیرت ہے کہ ایسی حالت میں جب سورۃ احزاب حفاظ پر پیش کی گئی کس طرح اس کے آخر کی آیتیں لکھنے سے رہ گئیں جو خلیفہ سوم کے عہد میں نقل کے وقت معلوم ہوئیں؟ کیا حفاظ صحابہ کی جماعت میں سب کو ایک قلم یہ آیت ذہول ہوگئی تھی اور کسی کو سورۂ احزاب کی آخری آیتیں

یاد نہ تھیں جس کی وجہ سے مصحف صدیقی ناقص رہا۔ اور خود زید کو بھی جو مصحف صدیقی کے
کاتب تھے اور قرآن کے حافظ تھے وہ بھی اس کو سارے حفاظ صحابہ کے ساتھ بھول گئے تھے۔
ایسے واقعہ پر کوئی آنکھ بند کر کے صحت کی مہر کر دے مگر کوئی ذی ہوش اور صاحب بصیرت
ایسے ناقابل قبول واقعہ پر ایک منٹ کے لئے اعتماد نہیں کر سکتا ہے۔ بالخصوص یہ کہ عہد صدیقی
میں حفاظ صحابہ پر پیش کر کے قرآن جمع کیا جاتا ہے اور خلفاء راشدین رحمہم اللہ موجود ہیں اور
چاروں قرآن کے حافظ ہیں پھر بھی مصحف صدیقی میں سورۂ احزاب کی آخری آیتیں لکھی نہیں
جاتی ہیں یہ سورہ ناقص رہتی ہے حالانکہ خلیفہ اول اور خلیفہ دوم کو قرآن کی حفاظت اور اس کی
صحت اور اس کے لفظ لفظ کی درستگی کا جس قدر اہتمام تھا اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ بات
ایسی خلاف درایت معلوم ہوتی ہے جس کو کوئی ذی علم جو حفاظ صحابہ اور خلفاء راشدین کی زندگی
سے علم رکھتا ہو ہرگز صحیح نہیں سمجھ سکتا ہے۔

(۱۰) اس روایت میں جس قرآن کو حضرت حفصہؓ کے پاس سے خلیفہ سوم نے طلب کیا
تھا وہی قرآن ہے جس کے متعلق بخاری کی حدیث میں زید کا بیان یہ ہے کہ میرا لکھا ہوا قرآن
زندگی بھر خلیفہ اکبر کے پاس رہا۔ اُن کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پھر ان کے بعد ان کی بیٹی
حفصہ رضی اللہ عنہ کے پاس رہا۔ مگر اتنے زمانہ تک جن صاحبوں کے پاس یہ قرآن رہا آیا اسطرح
رہا۔ جس طرح مسلمان تبرکاً قرآن اپنے گھروں میں رکھتے ہیں۔ میرے نزدیک صحابہ کرام خصوصاً
خلفاء راشدین اور ازواج مطہرات کے متعلق ایسا خیال ایسی بدظنی ہے جو بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ کے
مصداق ہے۔

بہرحال ان بزرگوں کی زندگی پر نظر رکھتے ہوئے یہ ماننا پڑتا ہے کہ ضرور اس قرآن سے تلاوت
کی جاتی ہوگی کیونکہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم سے کہ یاد سے دیکھ کر تلاوت کو
وہی فضیلت ہے جو فرض نماز کو نفل پر۔ صحابہ کرام کی ذات سے بالکل مستبعد ہے کہ اس علم کے
بعد ان کی خواہش اور کوشش نہ ہو۔ کہ دیکھ کر تلاوت کریں بالخصوص خلفاء راشدین اور ازواج
مطہرات۔ پس باوجود اس کے کہ مصحف صدیقی خلیفہ سوم کے عہد تک ہمیشہ ایسے لوگوں کے
پاس رہا جو حافظ تھے اور جو بفحوائے حدیث مذکور باوجود حافظ ہونے کے دیکھ کر تلاوت فرماتے ہوں
گے مثلاً حضرت ابوبکر پھر اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ باوجود حافظ ہونے کے فضیلت
مذکور کی بنا پر ضرور دیکھ کر تلاوت فرماتے ہوں گے اسی طرح حضرت حفصہؓ بھی باوجود حافظ
ہونے کے دیکھ کر تلاوت فرماتی ہوں گی۔ تو ایسی حالت میں سورۂ احزاب کے آخر کی آیتوں کے
متعلق کسی کو خبر نہ ہو اور اس غلطی کا اتنے دنوں تک رہ جانا اور خلیفہ سوم کے عہد میں زید کو اس

کے نقل کے وقت معلوم ہونا ایک ایسی بات ہے جو انسان کی فہم سے بالاتر ہے کہ ایک حافظ نہیں بلکہ تین تین حافظوں نے اس زمانہ تک جس قرآن میں تلاوت کی ہو اس میں ایسی غلطی رہ گئی ہو۔ اور پھر خصوصیت یہ کہ ان تین حافظوں میں دو تو خلفاء راشدین کے سرتاج حضرت ابوبکر و عمر تیسرے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہ جو حضرت عمرؓ کے گھر میں پلی ہوں اور ان کی تربیت میں نشوونما پائی ہو اس پر بھی غلطی رہ جائے اور کسی کو خبر نہ ہو۔ میرے نزدیک ایسے اختلاف قرآن کے مٹانے کے لئے جس کو خود حضور نے سن کر سمجھ کر جائز رکھا تھا اور خلیفہ سوم کا قرآن شریف کی نقل پر زید کو مامور کرنا۔ اور اس کی نقل کے لئے باوجودیکہ خود زید کے پاس اپنا لکھا ہوا۔ اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سُنایا ہوا قرآن موجود تھا۔ حضرت حفصہؓ کے پاس سے قرآن شریف طلب کرنا اور باوجود اس کے کہ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس پورا قرآن جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھا ہوا موجود تھا۔ سورۂ احزاب کی آخری آیتوں کا محض خزیمہ یا ابوخزیمہ کے پاس ملنا ایسی باتیں ہیں جو یا تو بالکل بے اصل ہیں یا درمیان کے کسی راوی کے بیان کی وہ غلطی ہے جو اقتضاء بشریت سے بعید نہیں ہے۔ بہرحال یہ تمام روایات بمقابلہ اس تواتر اور توارث کے جس سے قرآن ہمیں ملا ہے لائقِ اعتبار نہیں واللہ اعلم بالصواب۔

عبداللطیف رحمانی

ہمارے ہاں مذہبی و دینی اور عارفانہ کلام کی خوبصورت ترین کتابیں دستیاب ہیں،
آج ہی آئیں اور اپنی مطلوبہ کتب خرید فرمائیں
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیتیں، مولانا محمد صدیق ہزاروی
بہجۃ الاسرار (امام ابوالحسن السطنوفی الشافعی)
فتوح الغیب (حضرت سید عبدالقادر جیلانی)
ہشت بہشت، مجموعہ خواجگان چشت اہل بہشت
کلام باہو، حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ
کلام بلھے شاہ، حضرت بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ
کلام خواجہ غلام فرید، خواجہ غلام فرید کوٹ مٹھن شریف
کلام شاہ حسین رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ شاہ حسین
کلام بابا فرید، حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ
تجلیات اعتکاف، مولانا محمد صدیق ہزاروی
قرآنی تعلیم (جلد اول دوم) مولانا عبدالواجد قادری
قرآنی علوم، مولانا عبدالواجد قادری
بزم اولیاء، مولانا عبدالقادری مصباحی
زلف و زنجیر، علامہ ارشد القادری
زیر و زبر، علامہ ارشد القادری
تبلیغی جماعت، علامہ ارشد القادری
زلزلہ، علامہ ارشد القادری
نقش کربلا، علامہ ارشد القادری
لاہور